NEW Fair & Lovely

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ

ردا ڈائجسٹ

APRIL
2013

PDFBOOKSFREE.PK

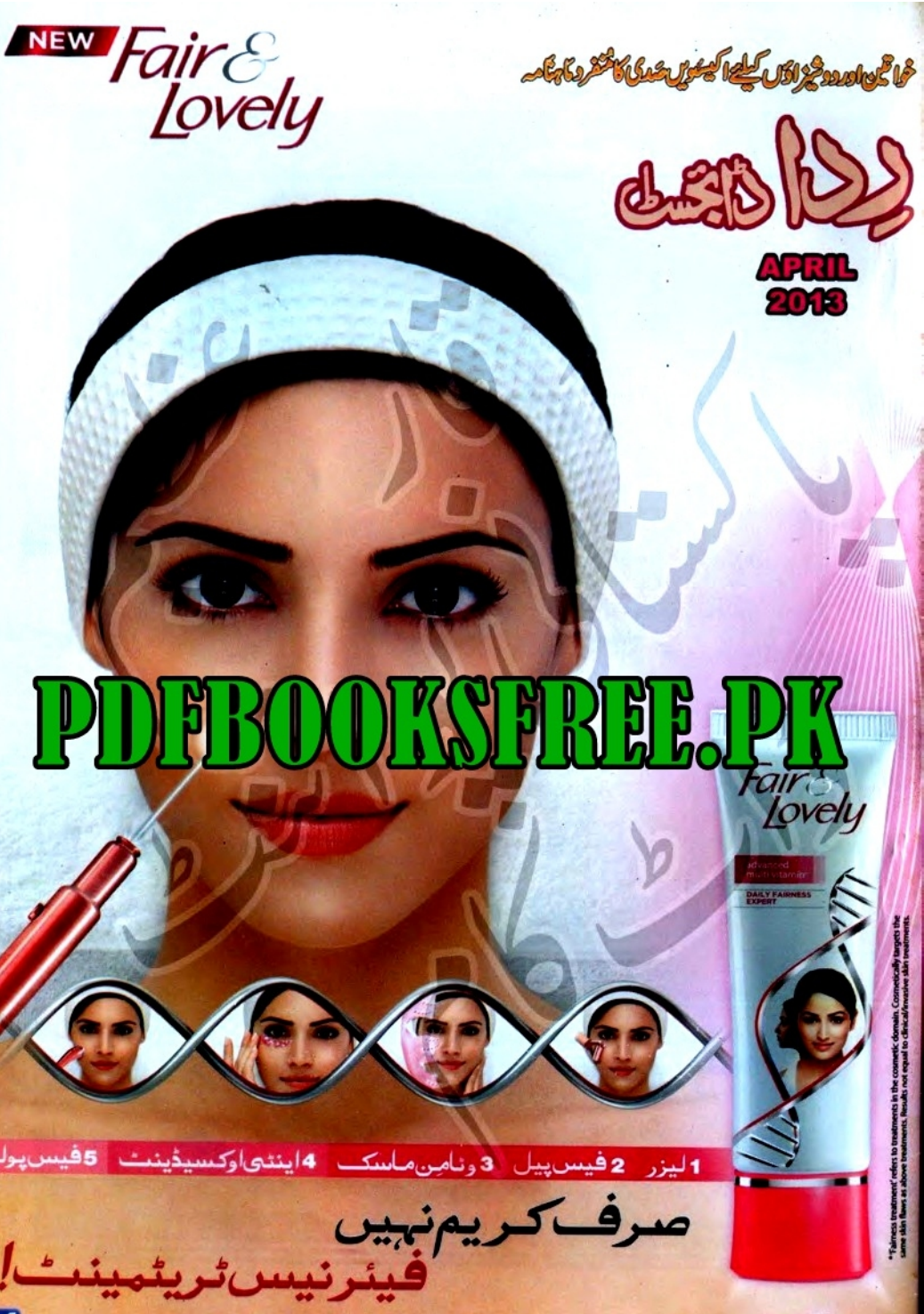

گوشہ آگہی — صالحہ محمود — ۲۸

ملاقات

شہباز نیر — نگہت اکرم — ۳۱

سلسلے وار ناول

وہ جو رگ جاں سے قریب تھے — صالحہ محمود — ۳۶
کبھی عشق ہو تو پتہ چلے — شازیہ مصطفیٰ عمران — ۹۶
بند قبا کھلنے لگی — سعدیہ عابد — ۱۷۲
کبھی کوک میرے دل — نائلہ طارق — ۱۵۲

مکمل ناول

اس دل میں بسے ہو تم — انعم خان — ۲۰۰
اک روشن دیا — اقراء چنہ — ۵۴
زندگی کی راہوں میں — تبسم فیاض — ۱۱۲

ناولٹ

بچھڑا اس ادا سے — رضوانہ آفتاب — ۷۷

افسانے

قیامت — اقرا سیف — ۹۳
مکافاتِ عمل — رابعہ احمد — ۱۴۶
کاسنی لہنگا — نوشین طاہر — ۱۶۸
میں تنہا اک تارا — عائشہ ذوالفقار — ۱۸۸

اپریل 2013ء
جلد نمبر 18 شمارہ نمبر ۴
قیمت 50 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
600 روپے

34535726

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

انتباہ:-
ماہ نامہ ''ردا'' ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل یا ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرا دے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ ''ردا پبلیکیشن''۔

مستقل سلسلے

ردائے جنت — صالحہ محمود — ۲۹
ردا کی ڈائری — صدف سعد — ۲۱۳
ذرا پھر سے کہنا — شہلا مشائق — ۲۲۲
خوشبو — نورین ملک — ۲۱۹
اس ماہ میں — نورین ملک — ۲۱۷
دوستوں کے نام پیغام — ادارہ — ۲۳۶

سندیسے — صالحہ محمود — ۲۲۸
کچن — ثریا اقبال — ۲۳۸
سنگھار — شہلا مشائق — ۲۴۰
اشعار — ادارہ — ۲۱۵
ہم سے ملیئے — ادارہ — ۲۳۴
گوشہ چشم — صالحہ محمود — ۲۳۳

گوشہ آگہی

صالحہ محمود

موسم حالات کو بدل دیتے ہیں، حالات کبھی موسم کو نہیں بدلتے، ورنہ انسان کیا کچھ نہ کر بیٹھتا، شکر گزاری کہ ہم سے چند لفظ بھی چھین لیے جاتے، روٹی، پانی، بجلی کی طرح، انسان موسموں کو خرید کر ہم پر جب چاہتا حکمرانی مسلط کر دیتا، موسم اللہ کے ہاتھ میں ہیں تقدیر ذات آپ کے ہاتھ میں ہے، اپنی تقدیر اپنے حالات بدلنے کے لیے عقل اور جدوجہد کا ساتھ دینا پڑتا ہے، اپنے آپ سے سوال کرنا پڑتا ہے کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ ہے؟ ناحق گمراہ ہونا وہ ایک الگ بات ہے، لیکن بہتان تراشی سچ کو چھپا دینا، بہت آسان ہے لیکن خود سے سچ بولنا بہت مشکل ہے، اپنے آپ کو کبھی آئینے کے سامنے کھڑا کر کے سچ بول کر تو دیکھئے کہاں کہاں پر ہم نے غلط بیانی سے کام لیا ہے، کہاں کہاں پر ہم نے سچ اور جھوٹ کا ساتھ دیا ہے زندگی کے سارے ادوار کھلی کتاب کی طرح آپ کے سامنے آجائیں گے، یہی ایک سچ ہے سچ کا چہرہ مت چھپائیں، وقت بڑے بھیانک روپ میں دستک دے رہا ہے، زندگی کا ایک ایسا در کھلا ہے جہاں پر آپ سچائی کا ساتھ دیں، یہ معمولی سی بات نہیں ہے جو میں لکھنے جا رہی ہوں یہ وقت کی سچائی ہے کہ میری ماں، میری بہنیں، میرے ہم عصر، میری بچیاں، ہم سب ایک جلتے ہوئے تپتے ہوئے صحرا میں کھڑے ہیں اور ابر بھرا آسمان ہمارے سروں پر آن پہنچا ہے، یعنی پاکستان کی جمہوریت 5 سال پورے کر رہی ہے جو بھی ہے جیسی بھی ہے، اب سچ کا ساتھ دینا ہے، اپنے بھائی کی طرف مت دیکھیں، سچ کی طرف دیکھیں، سچ کا چہرہ کیا ہے، اس پر یقین رکھیں۔ اللہ کی شکر گزاری کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں، اپنی ضروریات، اپنی خواہشات، اپنی تمام مادی اور معنوی ضروریات کو اہمیت دیں، اللہ تعالیٰ نے تم کو سوچنے سمجھنے کی نعمتیں دی ہیں، ان نعمتوں کا احساس کرتے ہوئے اپنی عقل کو استعمال کیجیے ہم سے اپنے عمل کا حساب ہوگا ہم زندگی کے خطرناک ترین دور سے گزر رہے ہیں، آپ اپنے فیصلے، اپنے وقت کی اہمیت کا اندازہ کیجیے۔ ہمارا یہ حق ہے کہ ہم اپنی رائے کا اظہار کریں، ہم کتنے بھی دین دار ہوں، اگر ہمارے اندر تعصب ہے، ہم انہی چند لوگوں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں، لیکن اپنے دل کے اندر تعصب اور سچ کو سچ نہیں بول سکتے تو یہ منافقت ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جانتا ہے، قومیت کا جو تصور ہے وہ دلوں سے مٹا دیں اپنے رب کا شکر ادا کریں کہ ہمیں اس نے عقل اور سمجھ سے نوازا، ہم اس کے شکر گزار ہیں کہ ہم اچھے اور برے کی تمیز کر سکتے ہیں۔

تو اب ہم چلتے ہیں اپنے رِدا کی جانب کہ اچھا اچھا کیا تھا، برا کچھ بھی نہیں تھا، مارچ کا شمارہ بے حد پسند کیا گیا اور خاص طور پر نئے لکھنے والوں نے بہت اچھا لکھا ان کی تحاریر ہمیں پسند آئیں، تحریر بھیجتے وقت ادارے سے گائیڈ لائن لے لیا کریں، آپ اور بہتر سے بہتر لکھ سکیں گی۔ جتنے سینئر لکھ رہے ہیں وہ سب کبھی جونیئر تھے، الحمدللہ! کہ مارچ کے شمارے کی طرح ہم اپریل کی طرف جا رہے ہیں اس میں بھی کچھ نئے لکھنے والے شامل ہیں، آپ پڑھ کر اپنی رائے ضرور دیجیے گا، رِدا کا سب سے اہم کالم سندیسے ہے، اپنی نگارشات کے ساتھ ساتھ سندیسہ ضرور لکھیں۔ میری آگہی کا یہ ذریعہ ہے اور رِدا کی ترقی کا راز بھی کہ سندیسے میں بہت غور سے پڑھتی ہوں، اس بار ہم عام قاری کے لیے ایک نیا سلسلہ "ہم سے بھی ملیئے" شروع کر رہے ہیں، اس میں صرف رائٹرز ہی نہیں ہر پڑھنے والا شامل ہو سکتا ہے، اگر آپ اپنی تصویر دینا چاہتی ہیں تو اس سلسلے میں دے سکتی ہیں، نئے لکھنے والے رابطہ رکھیں۔

(آپی)

ردائے شفا

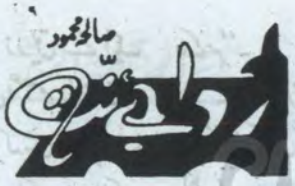

صالحہ محمود

نظر بد کا دم

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں رسول اللہ ﷺ مجھے نظر (لگ جانے کی وجہ سے) دم کرنے کا حکم دیتے۔

سیدنا جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حرم کے لوگوں کو سانپ کے (کاٹے کے) لیے دم کرنے کی اجازت دی اور اسماء بنت عمیس سے فرمایا۔ "کیا سبب ہے کہ میں اپنے بھائی کے بچوں کو (یعنی جعفر بن ابوطالب کے لڑکوں کو) دبلا پاتا ہوں تو کیا وہ بھوکے رہتے ہیں؟"

اسماء نے کہا "نہیں، ان کو نظر جلدی لگ جاتی ہے"۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا "کوئی دم کر"۔

میں نے ایک دم آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "ان کو دم کر دیا کرو"۔

اللہ کے نام کا "دم" اور پناہ مانگنے کا بیان

سیدنا عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ایک درد کی شکایت کی جو اِن کے بدن میں پیدا ہو گیا تھا، جب سے وہ مسلمان ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ "تم اپنا ہاتھ درد کی جگہ پر رکھو اور تین بار بسم اللہ کہو۔ اس کے بعد سات بار یہ کہو "میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اس چیز کی برائی سے جس کو پاتا ہوں اور جس سے ڈرتا ہوں"۔

نبی ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام کا دم کرنا

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوتے تو جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ پر یہ دعا پڑھتے۔

"اللہ تعالیٰ کے نام سے میں مدد چاہتا ہوں، وہ آپ کو ہر بیماری سے اچھا کرے گا۔ آپ کو ہر جلنے والے کی جلن سے بچائے گا اور ہر بری نظر ڈالنے والے کی نظر سے آپ کو بچائے گا"۔

سیدنا ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"اے محمد ﷺ! آپ بیمار ہو گئے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا۔ "ہاں"۔

سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ "میں اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ پر دم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے جو آپ کو ستائے اور ہر جان کی برائی سے یا حاسد کی نگاہ سے۔ اللہ آپ کو شفا دے۔ اللہ کے نام سے میں آپ پر دم کرتا ہوں"۔

یہودیوں کا نبی ﷺ پر جادو

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں۔

"رسول اللہ ﷺ پر بنی زریق کے ایک یہودی نے جادو کیا جس کو لبید بن اعصم کہتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ؐ کو خیال آتا کہ میں یہ کام کر رہا ہوں حالانکہ وہ کام کرتے نہ تھے۔ ایک دن یا ایک رات آپ ؐ نے دعا کی پھر دعا کی پھر فرمایا۔ "اے عائشہ! تجھے معلوم ہوا کہ اللہ جل جلالہ نے مجھے وہ بتا دیا جو میں نے اس سے پوچھا۔ میرے پاس دو آدمی آئے' ایک میرے سر کے پاس بیٹھا اور دوسرا پاؤں کے پاس (وہ دونوں فرشتے تھے) جو سر کے پاس بیٹھا تھا اس نے دوسرے سے کہا (یا جو پاؤں کے پاس بیٹھا تھا اس نے سر کے پاس بیٹھے ہوئے سے کہا)

"اس شخص کو کیا بیماری ہے؟"

وہ بولا "اس پر جادو ہوا ہے"۔

اس نے پوچھا "کس نے جادو کیا ہے؟"

وہ بولا "لبید بن اعصم نے"۔

پھر اس نے پوچھا "کس میں جادو کیا ہے؟"

وہ بولا "کنگھی میں اور ان بالوں میں جو کنگھی سے جھڑے اور نر کھجور کے گابھے کے ریشے میں"۔

اس نے پوچھا "یہ کہاں رکھا ہے؟"

وہ بولا "ذی اروان کے کنویں میں"۔

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے کہا کہ پھر رسول اللہ ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ اس کنویں پر گئے اور آپ ؐ نے فرمایا۔ "اے عائشہ! اللہ کی قسم اس کنویں کا پانی ایسا تھا جیسے مہندی کا زلال اور وہاں کے کھجور کے درخت ایسے تھے جیسے شیطانوں کے سر"۔

میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! آپ ؐ نے اس کو جلا کیوں نہیں دیا؟" (یعنی وہ جو بال وغیرہ نکلے)

آپ ؐ نے فرمایا۔ "مجھے تو اللہ نے ٹھیک کر دیا۔ اب مجھے لوگوں میں فساد بھڑکانا برا معلوم ہوا۔ پس میں نے حکم دیا' وہ گاڑ دیا گیا"۔

ہر زہر کو دفع کرنے کیلئے دم کرنا

اسود کہتے ہیں میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے دم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا۔

"رسول اللہ ﷺ نے انصار کے ایک گھر والوں کو زہر کے لیے دم کرنے کی اجازت دی"۔ (جیسے سانپ بچھو کے کاٹنے سے)

نظر بد کیلئے غسل

سیدنا ابن عباسؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ؐ نے فرمایا: "نظر سچ ہے (یعنی نظر میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تاثیر ہے) اور اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھ سکتی تو نظر ہی بڑھ جاتی (لیکن تقدیر سے کوئی چیز آگے بڑھنے والی نہیں) جب تم سے غسل کرنے کو کہا جائے تو غسل کرو (کیونکہ جس کی نظر بد لگ جائے' اس کے غسل کے پانی سے نظر لگے ہوئے کو غسل کرا دیا جائے تو ٹھیک ہو جاتا ہے)"

.....☆☆☆.....

ملاقات

ڈی جے نیئر شہباز سے ایک ملاقات

آج دور ایسا ہے کہ ایف۔ایم چینل ہر شہر میں موجود ہیں، جہاں بے شمار لسنرز ہیں جو ایف۔ایم سنتے ہیں، اسی طرح رحیم یار خان سے نوجوان شہباز نیئر ایف ایم 99 سے نگار شب کرتے ہیں، ان کی خوبصورت متاثر کن آواز جب فضاؤں میں گونجتی ہے تو بے شمار لوگ ان کا شو سننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ آج آپ کی ملاقات شہباز نیئر سے ردا ڈائجسٹ کے پیش خدمت ہے۔

✿ السلام وعلیکم شہباز نیئر صاحب! کیسے ہیں آپ؟

✿ میں بالکل خیریت سے ہوں۔

✿ آپ کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟

✿ 19 جون 1983

✿ آپ کا اسٹار؟

✿ جمنی۔

✿ کیا آپ ستاروں کے علم پر یقین رکھتے ہیں؟

✿ علم کوئی بھی ہو بے معنی نہیں ہوتا، مگر ستاروں کے علم کی ہمارا مذہب ترغیب نہیں دیتا۔

✿ تعلیمی قابلیت؟

✿ ایم اے اُردو۔ بی۔ایڈ

✿ ایف۔ایم پر کس نے متعارف کروایا؟

✿ معروف D.J اور اداکار مقبول میرانی صاحب نے مجھے ایف۔ایم پر متعارف کروایا تھا۔

✿ ایف۔ایم پر پروگرام کرنا شوق تھا یا کوئی اور وجہ؟

✿ آغاز میں تو شوق ہی تھا، پھر میری اپنی شاعری اور دوست شعراء کو پروموٹ کرنے کا بہترین ذریعہ ایف۔ایم بن گیا۔ ایف۔ایم پر شوز کرنے سے میری کتاب کے 15 ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں۔

✿ پہلا پروگرام کون سا تھا، اور کس اسٹیشن سے کیا؟

✿ میرا پہلا پروگرام نگار شب تھا، اس کے ساتھ 99 ایف۔ایم ریڈیو جیوے پاکستان تھا۔

✿ آج کل کون سے شوز اور کس اسٹیشن سے کر رہے ہیں؟

✿ آج کل ایف۔ایم 99 سے نگار شب کے ساتھ ساتھ شعراء اور ادیب اور سماجی ہستیوں کے لائیو انٹرویو کر رہا ہوں۔

✿ اس فیلڈ میں لوگ آپ کو سنتے اور پسند کرتے ہیں آپ کو کیسا لگتا ہے؟

✿ ایک جملے میں پڑھا تھا کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے پر زیادہ مہربان ہوتا ہے تو دوسروں کے دلوں میں اپنے اس بندے کے لیے محبت ڈال دیتا ہے، لہٰذا جب بھی کوئی ملتا ہے

اور تعریف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کر کے مزید عاجزی اور پیار سے پیش آتا ہوں، زندگی، زندگی لگنے لگتی ہے۔

✿ گھر والوں نے اعتراض کیا یا حوصلہ افزائی؟

✿ سب سے زیادہ حوصلہ افزائی میرے دوست شہزاد عالم نے کی، اس کے ساتھ مختلف احباب کی دعائیں اور حوصلہ افزائی شامل ہے۔

✿ D-J بننے کے لیے صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے؟

✿ ایک اچھا ڈی۔ جے بننے کے لیے بہتر معلومات، بولنے کی عمدہ صلاحیت اور دلکش لہجے کے ساتھ ساتھ خود اعتمادی اور اپنی ذات سے نکل کر کائنات پر مثبت نظر اور مشاہدہ بہت ضروری ہے۔

✿ جب پہلا پروگرام کیا تو کیا کیفیت تھی؟

✿ پہلا پروگرام غزل ٹائم تھا، کیونکہ اس میں دھیمے لہجے میں ست روی سے بولنا پڑتا ہے، گھبرا گیا تھا، مگر مشاعرے پڑھ پڑھ کر مائیک سے کافی دوستی تھی، لہٰذا چند منٹوں میں سنبھل گیا، اور پھر پروگرام اچھا ہو گیا۔

✿ اپنے پروگرام کرنے سے پہلے کسی قسم کی تیاری کرتے ہیں؟

✿ جی میں شروع میں تو بہت کرتا تھا، مگر اب کچھ اہم پوائنٹس اشعار اور لوگوں کی فون کالز اور میسجز سے اتنا عمدہ اور روز مرہ زندگی کا مواد مل جاتا ہے کہ پروگرام خوب سے خوب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

✿ ایف۔ ایم پر کامیاب پروگرام کون سا تھا؟

✿ جب ہم دوست ڈی جے کمبائن شو کرتے ہیں تو ہمیں اور سامعین کو بھی بہت مزہ آتا ہے۔

✿ آپ کے خیال میں ایک پریزینٹر دوسرے پریزینٹر کی نقل کر رہا ہے؟

✿ جی ہاں مگر نقل کرنے والے کبھی بھی اپنی پہچان نہیں بنا سکتے، کیونکہ ان پر ہمیشہ اصل پریزینٹر کی چھاپ لگی رہتی ہے۔

✿ کس ساتھی پریزینٹر کے ساتھ شو کرنے میں مزہ آتا ہے؟

✿ یوں تو ہمارے سب دوست ہی بڑے شاندار ہیں، مگر مجھے خاص جاوید ثاقب، مقبول میرانی، مزمل سعدی، گوہر نایاب اور سرینا کے ساتھ بہت مزہ آتا ہے۔

✿ اپنے شوز میں کس ٹاپک پر زیادہ گفتگو کرتے ہیں؟

✿ محبت، اخلاقیات، انسان، انسانیت، رویے، جذبے، فکر وخیال، رہن سہن یہی موضوعات ہوتے ہیں۔

✿ آج کل کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور کیبل کا دور ہے، کیا لوگ ریڈیو کی اہمیت کو سمجھتے ہیں؟

✿ بلاشبہ جدید ٹیکنالوجی کا طوفان آ گیا ہے، مگر ریڈیو کے لسنرز آج بھی موجود ہیں، کیونکہ لوگ ریڈیو کام کرتے وقت بھی سن سکتے ہیں، مگر باقی چیزوں سے کام کے دوران محظوظ ہونا دشوار ہے۔

✿ لسنرز کی طرف سے کیسا فیڈ بیک ملتا ہے؟

✿ فیڈ بیک کافی بہتر ہوتا ہے۔

✿ کیا کبھی ایسا ہوا کہ پروگرام کرنے کو دل نہ چاہ رہا ہو اور پروگرام کیا ہو؟

✿ جی ہاں ایسا ہو جاتا ہے، بعض دفعہ اپنا دل نہیں چاہ رہا ہوتا، لیکن سننے والوں، چاہنے والوں کا خیال کرتے ہوئے محبت سے پروگرام کرنا پڑتا ہے۔

✿ ایف۔ ایم کے علاوہ دیگر مصروفیات؟

✿ اسی سال پبلک سروس کمیشن کے امتحان میں لیکچرار اردو سلیکٹ ہوا ہوں، شاعری بھی کرتا ہوں، ایک شعری مجموعہ ''تمہارے ہو گئے'' شائع ہو چکا ہے، مشاعرے پڑھتا ہوں، ادبی، سماجی تقریبات میں شامل رہتا ہوں اور اکا مقامی کیبل چینل پر ہفتہ وار پروگرام کرتا ہوں۔

✿ پروگرام کی بہتری کے لیے کیا کرتے ہیں؟

✿ مطالعہ کرتا ہوں اپنے پروگرامز کی ریکارڈنگ اپنے لسنرز کے مشوروں پر بھی نیک نیتی سے دھیان دیتا ہوں۔

✿ جب بور ہوتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟

✿ بچپن کی سنبھالی ہوئی چیزیں، تحفے اور چوتھی پانچویں جماعت کی اپنی کتابیں اور کاپیاں اٹھاتا ہوں، کبھی شاعری پڑھتا ہوں، کبھی میوزک سنتا ہوں، کبھی کبھی تنہائی تلاش کرتا ہوں، کبھی دوستوں کو بلا لیتا ہوں اور کبھی خود ان کے پاس چلا جاتا ہوں۔

✿ کن چیزوں کا جنون کی حد تک شوق ہے؟

✿ دنیا بھر کی سیر، شاعری پڑھنا اور دوستوں کے ساتھ ہنسی خوشی وقت گزارنا۔

✿ کہاں جانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں؟

✿ مشاعروں میں۔

✿ دوستوں کو ایس۔ ایم۔ ایس کرنا اچھا لگتا ہے یا کال؟

✿ دونوں ہی، ویسے کال کرنا زیادہ بہتر ہے۔

✿ کیا آپ لوگوں پر اعتماد کرتے ہیں؟

✿ جی ہاں میں اکثر بہت زیادہ اعتماد کرتا ہوں اور لوگ اکثر ہاتھ دکھا جاتے ہیں۔

✿ آپ کے نزدیک زندگی کیا ہے؟

✿ خوابوں، امیدوں، مسرتوں، یادوں، غموں اور خوشیوں کے بہترین امتزاج کا نام زندگی ہے۔

✿ خوشی کب ہوتی ہے؟

✿ جب اردگرد رہنے والوں میں میری وجہ سے مسکراہٹیں اور خوشیاں رقص کریں۔

✿ آپ شاعر بھی ہیں، شاعری میں آپ کے کتنے مجموعہ کلام منظر عام پر آ چکے ہیں؟

✿ میں شاعر بھی ہوں، 2009 میں میرا اُردو شعری مجموعہ ''تمہارے ہو گئے ہیں ہم'' کے نام سے شائع ہوا، جس کے 15 ایڈیشن مارکیٹ میں آ چکے ہیں۔

✿ کون سی چیز کے بغیر زندگی کا تصور ناممکن ہے؟

✿ سچے رشتوں، شاعری اور محبت کے بغیر زندگی کا تصور ناممکن ہے۔

✿ اگلے 5 سالوں میں اپنے آپ کو کہاں دیکھتے ہیں؟

✿ انشاء اللہ کسی بڑے قومی سطح کے ٹی وی چینل پر اور پی ایچ ڈی کر کے ایک ڈاکٹر کے روپ میں۔

✿ زندگی کا قیمتی اثاثہ؟

✿ میرے والدین اور میرے بیٹے ارمان علی اور حنان علی۔

✿ موسم کیسا بھاتا ہے؟

✿ ٹھنڈا میٹھا موسم، ہلکی ہلکی سردی۔

✿ فضول خرچ ہیں یا کنجوس؟

✿ کچھ حد تک فضول خرچ ہوں۔

✿ کھانے میں کیا شوق سے کھاتے ہیں؟

✿ بھنڈی گوشت، شلجم گوشت اور سبز تورئی۔

✿ عام بولنے اور ایف۔ ایم پر بولنے میں کیا فرق ہے؟

✿ عام بولنے میں ایک سادگی اور سادہ لفاظی قائم رہتی ہے، لیکن ایف۔ ایم پر الفاظ، جملے، لہجہ سب کچھ ذرا بدلا ہوتا ہے، ردھم سے بولنا پڑتا ہے۔

✿ بچپن کیسا گزرا، بچپن کی کوئی یاد؟

✿ بچپن بہت پیارا، بہت معصومیت میں گزرا، بچپن میں ایک بار سر پٹھا تھا اور 11 ٹانکے لگے تھے، وہ نہیں بھولتا۔

✿ آپ کی نظر میں محبت؟

✿ میری نظر میں پورے خلوص اور سچائی سے کسی کو اپنا لینا یا کسی کا ہو جانا محبت ہے۔

✿ وہ کون سی خوشی ہے جسے ابھی تک حاصل نہیں کر سکے؟

✿ شاعری میں بین الاقوامی شہرت۔

✿ شریک حیات میں کن خوبیوں کو دیکھنا پسند کرتے ہیں؟

✿ حساس ہو، مگر زیادہ نہیں، ہنس مکھ ہو، لائف اسٹائل کو سمجھنے والی ہو۔

✿ آپ کو کیا اچھا لگتا ہے دن یا رات؟

✿ دونوں ہی، مگر رات قدرے زیادہ لبھاتی ہے۔

✿ غصہ آئے تو کیا کرتے ہیں؟

✿ اکثر اظہار کر دیتا ہوں، مگر کبھی کبھی مصلحتاً چپ ہو جاتا ہوں۔

✿ کیسی موسیقی سنتے ہیں اور کون سے گلوکار پسند ہیں؟

✿ نیم کلاسیکل غزل، اچھے سریلے گیت، گلوکاروں میں غلام علی، جگجیت سنگھ، عابدہ پروین، ہری ہرن، سونو نگم، سجاد علی، نصرت فتح علی خان وغیرہ۔

✿ بارش کا موسم پسند ہے؟

✿ بارش سے مجھے بہت محبت ہے۔

✿ کن لوگوں پر رشک آتا ہے؟

✿ جو لوگ کسی کو دکھ دیئے بغیر سکھ حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

✿ چاندنی راتیں کیا پیغام دیتی ہیں؟

✿ ''مہتاب رتیں آئیں تو کیا کیا نہیں کرتیں''

چاندنی دوسروں سے روشنی لے کر بھی اجالے بانٹنے کا درس دیتی ہے، محبت اور حسن کی پیامبر ہے۔

✿ کیا پہلی نظر کی محبت پر یقین رکھتے ہیں؟

✿ پہلی نظر میں محبت کبھی نہیں ہوتی، صرف پسند اور چاہت بیدار ہوتی ہے جسے ہم محبت کا نام دے دیتے ہیں۔

✿ کوئی ایسی عادت جو آپ کے دوستوں اور گھر والوں کو ناپسند ہو؟

✿ میرا ہر کام میں سستی کرنا اور وقت سے ہمیشہ لیٹ پہنچنا، سوائے F-M کے۔

✿ کیا گفٹ لینا اور دینا پسند کرتے ہیں؟

✿ دونوں بہت پسند ہیں، مگر مجھے گفٹ زیادہ ملتے ہیں۔

✿ کس جذبے کی قدر کرتے ہیں؟

✿ پرخلوص چاہت اور ہمدردی کی۔

✿ شدید اداسی کے عالم میں کیا کرتے ہیں؟

✿ گنگناتا ہوں اور شعر کہتا ہوں۔

✿ جو اس فیلڈ میں آنا چاہیں ان کے نام کوئی پیغام؟

✿ اپنے اندر محبت عاجزی بھر کے آئیں اور اپنے چاہنے والوں سے اپنی ذات سے بڑھ کر محبت کریں اور ہمیشہ پوزیٹیو رہیں۔

✿ کیا آج کے دور میں سچی محبت موجود ہے؟

✿ دور کوئی بھی ہو سچے لوگ سچی محبتیں کرتے ہیں اور جھوٹے صرف جھوٹ کہتے ہیں۔

✿ خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں یا حقیقت پسند ہیں؟

✿ بڑی حقیقت پسندی سے خوابوں کی تعبیروں کی طرف بڑھتا اور جستجو کرتا ہوں، لیکن بہت زیادہ حقیقت پسند ہوں۔

✿ تنہائی میں کیا سوچتے ہیں؟

✿ کبھی ماضی کی یادوں میں، کبھی حال کے جھمیلے اور کبھی مستقبل کی پلاننگ۔

✿ اپنی کوئی خوبی؟

✿ سب سے پیار کرتا ہوں۔

✿ کوئی خامی؟

✿ ٹائم کا خیال نہیں کرتا۔

✿ ایف۔ ایم چینلز کے بارے میں کیا رائے ہے؟

✿ ایف۔ ایم نے بے شمار ٹیلنٹڈ لوگوں کو اپنی صلاحیتیں آزمانے اور ضائع ہونے سے بچانے کا بہترین فریضہ انجام دے دیا۔

✿ دن کا کون سا وقت اچھا لگتا ہے؟

✿ صبح اور عصر کے بعد کا وقت۔

✿ کیا راستے کی دشواریاں کامیابی کی دلیل ہیں؟

✿ نیک نیت لوگوں میں جستجو اور منزل کی طلب، راہ کی دشواریاں ہی تو بڑھا دیتی ہیں۔

✿ رڈاڈائجسٹ آپ کے نزدیک کیسا ہے؟

✿ رڈاڈائجسٹ آرٹسٹ برادری کے سر پر ردائے خلوص اور ایک نئے اور مزید تعارف کا بہترین ذریعہ ہے اللہ اسے مزید کامیاب کرے۔

✿ قارئین اور لسنرز کے نام کوئی پیغام؟

✿ آپ کا اور ہمارا الفاظ کا رشتہ ہے، اسے اتنی محبت اور احترام سے سنبھال کے رکھیں کہ کبھی زندگی میں الفاظ شرمندہ نہ ہوں۔

☆.....☆.....☆

صالحہ محمود

قسط نمبر 15۔

سلسلے وار ناول

رگِ جاں سے جو قریب تھی

مڈنائٹ تک وہ فاخر کے ساتھ کسی کلب میں انجوائے کرتا رہا تھا، فاخر کے منع کرنے کے باوجود اس نے بہت زیادہ ڈرنک لی تھی۔

"مت پی میرے باپ! اتنی کہ تُو اپنے ہوش بھی کھو دے"۔

"میں کبھی اپنے ہوش نہیں کھوتا"۔ وہ فاخر کے کندھے سے لگے جھوم رہا تھا۔

"آؤ یہاں کچھ دیر کھلی فضا میں بیٹھ کر ایک دو اور سپ لیتا ہوں"۔

"اشمل! تم سچائی سے بھاگ رہے ہو، حقیقت تسلیم کر لو زندگی آسان ہو جائے گی"۔

"نو، نیور، زندگی اور مشکل ہو گئی ہے، تمہیں نہیں پتہ میں نے اپنا ایک دوست کھو دیا ہے وہ بہت دور چلی گئی ہے مجھ سے، اس کے قدموں کی لرزش بتا رہی تھی کہ وہ پلٹ کر نہیں آئے گی، اس نے مڑ کر جس طرح سے مجھے دیکھا تھا وہ آخری بار مجھے دیکھنا چاہ رہی تھی، وہ اب میری شکل سے نفرت کرتی ہے، میں نے اسے دھوکہ دیا ہے، میں نے کمٹمنٹ توڑا ہے"۔

وہ ہاتھ میں گلاس تھامے فاخر کے ساتھ دوبارہ ڈرنک کر رہا تھا۔

"یار اشمل! وہ تمہاری کلاس کی لڑکی نہیں ہے، ہم لوگ جس مڈل کلاس کی بات کرتے ہیں وہ دراصل سو پر کلاس کے لوگ ہوتے ہیں، وہاں پر سچائی اور ایمانداری ہوتی ہے، وہ ہماری طرح جھوٹے نہیں ہوتے، ہم لوگوں کی تو ہر بات جھوٹی ہوتی ہے، لیکن رومی جس سے میں صرف ایک بار ملا، وہ بہت اچھی بیوی ثابت ہوگی، اچھی بیوی ہونا بہت بڑی نعمت ہے اشمل! تم ابھی اس کی قدر نہیں جانتے"۔

"جانتا ہوں"۔ اس نے زور سے ٹیبل پر ایک گھونسا مارا تھا۔

"اسی لیے تو خود کو مٹا رہا ہوں کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچے گی کہ میں کتنا گھٹیا اور گرا ہوا انسان ہوں کہ میں اس سے کیا ہوا ایک کمٹمنٹ پورا نہ کر سکا، وہ ایک ایک لمحہ میری کیئر کرتی تھی، میں کہاں جا رہا ہوں، کیا کر رہا ہوں، وہ ہمیشہ میرے ساتھ ہوتی تھی، حتیٰ کہ اس نے ارج کا میری زندگی میں ہونے پر اعتراض نہیں کیا، وہ ہر چیز میری ایکسپٹ کرتی تھی، وہ مجھے جانتی تھی کہ میں اتنا کرپٹ انسان نہیں ہوں، لیکن پھر بھی میں نے اسے دھوکہ دیا، میں کس منہ سے اسے لینے جاؤں، وہ میری زندگی سے چلی گئی ہے، مام کہتی ہیں وہ ایک کرپٹ لڑکی ہے، وہ سیلفش ہے، صرف اور صرف پیسہ حاصل کرنے کے لیے ولید ہاؤس آئی ہے، اسی لیے اس نے خود کو سلینڈر کر دیا ہے، وہ میری بیوی بن کر میرے باپ کو اٹریکٹ کرتی ہے"۔

نوٹ: ردّا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی ردّا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

"شٹ اپ.... اشمل! ہوش میں آؤ، بغیر دیکھے ہوئے تم اتنا بڑا بہتان کسی ایسی لڑکی پر لگا رہے ہو جو ایسی ہے نہیں"۔

"وہ کیسی ہے میں خود بہت اچھی طرح اسے جانتا ہوں، میرا خیال تھا کہ وہ بیگ میں لاکر سے زیورات، کرنسی لے کر گئی ہوگی، وہ لاکر نمبر جانتی ہے، لیکن جب میں نے لاکر کھول کر دیکھا تو سب کچھ ویسے کا ویسا رکھا تھا، اس نے وہاں سے کچھ بھی نہیں لیا، بڑی خاموشی سے وہ میری زندگی سے چلی گئی ہے"۔ وہ بے تحاشہ پی کر ٹیبل پر جھک گیا تھا۔

"اٹھو اشمل! اٹھو، میں تمہیں چھوڑ کر آتا ہوں"۔ فاخر نے اس کا بازو تھام رکھا تھا۔

"فاخر.... فاخر! کیا یہ ممکن ہے کہ تم رومی کو جا کر کہہ دو کہ میری زندگی میں وہ پلٹ آئے، میں تو اپنے گھر میں پالے ہوئے پرندوں کو بھی بے دخل نہیں کرتا"۔

"نہیں اشمل! جب تمہیں اس بات کا احساس ہے تو تم خود جاؤ اسے لینے"۔ فاخر بولا۔

"وہ نہیں آئے گی، میں جانتا ہوں"۔ ہارن کی آواز پر گارڈ نے گیٹ کھول دیا، فاخر نے اسے گھر پر ڈراپ کیا تھا، اشمل تھکے تھکے قدموں سے اپنے روم کی جانب آیا تھا، روم خالی پڑا تھا، بیڈ شیٹ صبا نے تبدیل کروادی تھی، اس کے روم کی سیٹنگ بھی تبدیل تھی، وہ بری طریقے سے ذہنی وجسمانی طور پر تھکا ہوا تھا، وہ فوراً ہی گر کر سو گیا تھا۔ صبا جب صبح پلٹ کر اس کے روم میں آئیں تو وہ دونوں شوز پہنے آڑھا بیڈ پر سو رہا تھا۔

"اشمل! میرے بیٹے! تم کب آئے؟" تو وہ گھبرا کر اٹھ گیا تھا۔

"اس طرح سے تم خود کو برباد کر رہے ہو اشمل! ہر شخص کو پتہ چل گیا ہے کہ تم رات ڈرنک کر کے آئے ہو، تم کہیں اس لڑکی کا سوگ تو نہیں منا رہے؟ اٹھو میں کہتی ہوں کہ تم شاور لے کر آؤ، تمہارے تو کپڑوں سے بھی ڈرنک کی خوشبو آ رہی ہے"۔ انہوں نے اسے جھنجھوڑا تھا۔

"اٹھو تم، اس حالت میں کسی کے سامنے مت آنا، تم جانتے ہو فائزہ مسلسل مجھے کال کر کے بتا رہی ہے کہ تم کافی دن سے آفس نہیں جا رہے، ولید بھی تمہارا کل پوچھ رہے تھے کہ تم ان کا فون نہیں اٹھا رہے"۔

"ہاں مجھے معلوم ہے وہ مجھے کال کر رہے تھے، میں ان سے بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا، وہ میرے دشمن ہیں، یہ سب ان کی وجہ سے ہوا ہے، میری زندگی سے کھیلتے کھیلتے انہوں نے رومی کے ساتھ بھی اچھا نہیں کیا"۔

"تم چھوڑو اس بات کو، اچھا ہوا وہ تمہاری زندگی سے نکل گئی، جانے سے پہلے وہ قیمتی زیورات ساری کرنسی لے کر گئی ہے، اس کا بڑا المبا پلان ہے، اب وہ یہاں نہیں آئے گی"۔ ماں کی آواز نے اشمل کو ایک جھٹکے سے بیدار کر دیا تھا، وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

"مام! میں اس وقت نشے میں بالکل نہیں ہوں"۔ ونڈو کے اس نے کرٹن کھینچے۔

"مام! بالکل غلط، یہ دیکھیں"۔ اس نے ڈراز کھول کر چابیاں نکالیں اور لاکر کھولا۔

"مام! یہ دیکھیں مام.....!" اس کے جسم میں ایک کرنٹ سا دوڑ گیا۔

"مام! یہاں تو کچھ نہیں ہے"۔

"میں نے کہاں وہ سب کچھ لے کر چلی گئی، وہ آئی ہی اسی ارادے سے تھی، دوست بن کر وہ تمہاری زندگی میں گھس رہی تھی اور دیکھو سب کچھ لے کر وہ یہاں سے چلی گئی، چھوڑ دو تم اس کا پیچھا، ارج ایک دو دن میں یہاں پہنچ جائے گی"۔

"مام! یہ جھوٹ ہے"۔ اس نے زور سے دیوار پر لگے LCD ٹی وی پر ایک پنچ مارا تھا۔

"میں نے خود اس کے جانے کے بعد سب چیزیں چیک کی تھیں، وہ ایک رنگ بھی یہاں سے لے کر نہیں گئی یہ دیکھیں"۔ ڈریسنگ ٹیبل کی دراز کھینچی، لیکن وہاں پر بھی رومی کی جیولری، چوڑیاں وغیرہ نہیں تھیں۔

"یہ سب جھوٹ ہے"۔ اس نے دراز ایک جھٹکے سے باہر کھینچ کر شیشے کی سائیڈ ٹیبل پر زور سے پھینکی تھی۔ ہر طرف شیشے ہی شیشے بکھرے تھے اس کا خود ہاتھ زخمی ہو چکا تھا۔

"اس کا مطلب ہے مام! یہ سب چیزیں آپ نے غائب کی ہیں"۔ وہ بہت زور سے چیخا، وہ اپنے حواس اس وقت کھو بیٹھا تھا اور پاگل اور وحشیوں کی طرح چیخا تھا۔

"مام! میں نے اسے بہت زیادہ اذیت دی ہے، میں اپنے گناہ کی تلافی کرنا چاہتا ہوں، میں جا رہا ہوں اسے لینے"۔

"اشمل! میری بات سنو، تم اس وقت ہوش میں نہیں ہو، جو تمہیں نظر آ رہا ہے یہ سچ نہیں ہے، وہ ایک اچھی لڑکی نہیں ہے"۔

"مام! وہ اچھی ہے یا بری، میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ میری دوست ہے اور میں نے اسے دکھ دیا ہے"۔

"ہوش میں آؤ اشمل! یہ تم نے کیا کیا ہے، کمرے کی حالت دیکھو، کوئی دیکھے گا تو کیا سوچے گا، تم پاگل ہو گئے ہو؟ اس نے تم پر جادو کرا دیا ہے، اس لیے تمہیں کچھ نظر نہیں آ رہا"۔

"ہاں، میں پاگل ہو گیا ہوں، مجھے ہاتھ مت لگائیں"۔ اس نے اپنے سر کو دیوار سے ٹکرایا، صبا نے گھبرا کر فاخر کو فون کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

رات بہت گہری تھی، مگر صبح کے اجالے بھی اتنے اجلے نہ تھے کہ رات کے دکھ کو بانٹ سکتے، سکھ ہمیشہ دکھوں کو بانٹ دیتا ہے، لیکن دکھ کبھی سکھ کو نہیں کاٹتا، رات تو بیت گئی تھی، لیکن صبح بھی اس کے دل میں اور گھر اندھیرا لے کر آئی تھی، گھر کا ماحول کچھ اس طرح کا تھا کہ ایشل آفس نہ جا سکی، ارسلان بہت دیر سے گھر لوٹا تھا اور گھر کے اندر بڑی پراسرار خاموشی تھی اور اس سے گہرا سناٹا رومی کے اندر تھا، ہوا کی آہٹ سے بھی اسے یوں لگتا کہ اشمل اسے لینے آیا ہے، ساری رات جاگ جاگ کر وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اسے اشمل کے ساتھ واپس لوٹ جانا ہے، رات نائی اماں نے جو کہا تھا اس کے بعد سے اس کی نیند اڑ گئی تھی، ایشل بھی رات نجانے کن کن گزرے پلوں کی باتیں لیے بیٹھی تھی، ماحول میں ایک عجیب سی وحشت اور خاموشی طاری تھی، ہر شخص اپنے اندر ایک گہری خاموشی لیے پھر رہا تھا، کلثوم، ارسلان کی طرف سے فکر مند تھیں کہ اب ہوگا کیا، ارسلان کسی قیمت پر بھی گھر بیچنے کو تیار نہیں تھا اور زویا اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی، ایشل ان حالات میں گھر سے نکل کر آفس نہیں گئی، دن کا پہر تھا، ایشل ٹرے میں کھانا لے کر بیڈ روم میں چلی آئی تھی، بڑے سے تخت پر کھانا رکھ کر اس نے قریب پڑی دونوں کرسیوں کو گھسیٹ لیا تھا۔

"آؤ رومی! تھوڑا سا تم لے لو، رات بھی تم نے کچھ نہیں کھایا، صبح چائے اور پاپے سے پیٹ تھوڑی بھرتا ہے"۔ اس نے بھاپ اڑاتے ہوئے چاولوں کا ڈھکنا کھول دیا تھا، پیلی پیلی طہاری اور ہری چٹنی کلثوم نے بنا کر رکھ دی تھی۔

"سچ جانو ایشل! وقت نے میری بھوک، میرے احساسات سب کچھ چھین لیا ہے، بس ایک سناٹا، ایک خوف ہے اتنی بے بسی ہے کہ تم سوچ نہیں سکتیں، وہ میرا شوہر ہے، لیکن پھر بھی اس کی نظریں جھکی کی جھکی رہ گئی تھیں"۔

"تم حق بجانب ہو رومی! پھر بھی تم تھوڑا سا کھانا کھا لو، امی، چھوٹی دادی سے ابھی بات کریں گی"۔ وہ تھکے تھکے انداز سے چمچے سے چاول کھا تو رہی تھی مگر ہر لقمہ اس کے اٹک رہا تھا، بار بار اس کا ذہن اشمل کی طرف جا رہا تھا۔

"کتنا اس نے مجھے بے وقعت بنادیا، محبت کے رشتے کا کوئی نام ہوتا ہے، اس نے اپنی محبت میں مجھے بے اختیار کردیا، وہ ایک بار اپنے احساسات کا اظہار تو کر کے دیکھتا، وہ تو مجھے اپنے جنون میں تہہ آب کر گیا، وہ میرا سائبان تھا، مجھے ہر دکھ اور تکلیف ولید ہاؤس میں نہیں محسوس ہوئی، میں نوکروں سے بھی بدتر سلوک پر صبا مامی کے ہاتھوں استعمال ہوئی، لیکن مجھے دکھ نہیں تھا، مجھے اس پر بڑا فخر تھا کہ میں اس کی پناہ میں بہت عزت سے جی رہی ہوں، ماموں کی محبت نے مجھے اور مضبوط بنادیا تھا، لیکن دونوں نے مجھے توڑ کر رکھ دیا، اب لوٹ کر جاؤں تو کس منہ سے جاؤں، جب میں سب کچھ چھوڑ آئی ہوں، وہ جانتا ہے کہ میں اب نہیں لوٹ کر آؤں گی اور جاؤں گی بھی تو وہ مجھے چور نگاہوں سے دیکھے گا، بہت ممکن ہے کہ وہ میرا بھید پالے"۔ اسے زور کی کھانسی آئی تو اس نے پانی کا گلاس منہ سے لگاتے ہوئے ایشل کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے بول پڑی۔

"تم کھانا کھاتے وقت کہیں اور تھیں، چاول کے بجائے تم نے چٹنی بھر کے منہ میں ڈال لی رومی! کبھی کبھی یہ دکھ بہت طویل لگتے ہیں ہر طرف سے پریشانیاں آتی ہیں، لیکن راستہ خود ہی ڈھونڈنا پڑتا ہے، اب دیکھو ناں دادی اور امی ہر وقت اسی فکر میں رہتی تھیں کہ میری عمر نکلی جارہی ہے جلدی سے رشتہ ہوجائے، رشتہ لانے والیاں اپنے کھانے کے مشن پر نکلتی ہیں اور روز مجھے ریجیکٹ کر کے احساس دلاتیں تھیں کہ میں اس قابل نہیں ہوں، جب سے میں نے جاب کی ہے امی اتنی فکر مند نہیں ہیں، میری زندگی میں بھی ٹھہراؤ آ گیا ہے، تم حوصلہ رکھو، سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا"۔

"ہاں ایشل! سب کچھ ٹھیک ہوجاتا ہے، یہ میں بھی جانتی ہوں، لیکن یہ دربدری کی ٹھوکریں سردراتوں میں بہت دکھتی ہیں، پرانے زخم ہمیشہ تکلیف دہ ہوتے ہیں، میں ولید ہاؤس لوٹ جاؤں گی، لیکن یوں لگ رہا ہے کہ رومی میرے اندر مرجائے گی"۔

"اُف..... توبہ توبہ رومی! اب ایسا بھی مت کہو، تمہارا حق ہے تمہیں مل جائے گا، تم کوئی مٹی کی بنی ہوئی مورتی نہیں تھیں جس کو ولید انکل اور صبا آنٹی اٹھا کر لے گئے، تم ایک انسان تھیں، بہ ہوش وحواس تمہیں وہ لوگ لے کر گئے ہیں، اب یہ ان کی نیت کہ وہ کیا سوچتے ہیں، عمل تو وہی ہوگا ناں جس پر تم ثابت تھیں، تمہارا مضبوط رشتہ ہے، تم اسے توڑنا مت، تم یقین جانو رومی! یہ میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ تم میری کزن ہو، تم اتنی Loving Nature ہو کہ اشمل تمہیں کبھی نہیں کھونا چاہے گا"۔ وہ اسے پیار سے تسلیاں دے رہی تھی۔

"ہاں لیکن اب میں خود کھو جانا چاہتی ہوں"۔ کلثوم اٹھ کر انہی کی طرف آئی تھیں، انہوں نے اپنی خالہ سے بات کرلی تھی، اپنے خدشات ان پر ظاہر کیے تو وہ بہت دیر تک حیران و پریشان سب کچھ سنتی رہیں، ان تو رومی اور اشمل کے تعلقات کا اندازہ نہیں تھا، وہ پہلے تو بہت حیران ہوئیں پھر انہوں نے کلثوم سے اتفاق کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ابھی اور اسی وقت اشمل کو بھیج رہی ہیں۔

"کیا کہہ تم نے کلثوم! کیا کہا؟ وہ ولید کے بارے میں ایسا کہہ رہی ہے؟" ان کے پیر کانپنے لگے تھے۔

"نہیں نہیں اتنا گھناؤنا کھیل ولید ہاؤس میں نہیں کھیلا جائے گا، اچھا تو یہ بات ہے کلثوم! یہ زیدہ ہے جس نے میری شدگ ہاتھ رکھ دیا ہے، چلو میں دیکھ لیتی ہوں اشمل آئے تو فوراً تم رومی کو واپس بھیج دو، مجھ پر یہ احسان ہوگا"۔ دادی بولیں۔

"چلو رومی! بس ابھی تم واپس ولید ہاؤس چلی جاؤ گی، یہ نہ سمجھنا کہ ہمارے گھر میں اب تمہارے لیے جگہ نہیں"۔

"ہاں رومی! امی کو زویا نے ایسی ٹھوکر لگائی ہے کم از کم کچھ ہونہ ہو امی کو اپنا کفارہ ادا کرنے کا ایک موقع تو مل گیا

ہے"۔ کلثوم نے گھور کر ایشل کو دیکھا تھا، ایشل اپنی سچائی پر نظریں چرا گئی۔

"نہیں تائی اماں! ایسا کچھ بھی نہیں ہے، میں نے تو ہمیشہ اس کو اپنا گھر ہی جانا ہے، ایشل تو یونہی آپ کو تنگ کررہی ہے، تائی اماں! حالات ہی ایسے ہوگئے کہ میں آپ کے لیے کچھ نہیں کرسکتی، ورنہ شاید ولید ماموں کے لیے یہ رقم اتنی بڑی نہ تھی، لیکن میرا تو دل ہی ان کی طرف سے ہٹ گیا ہے"۔ وہ آبدیدہ سی ہوکر بولی، کلثوم نے گھبرا کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"رومی! ابھی میری تمہاری چھوٹی دادی سے بات ہوئی ہے اور تمہاری بڑی دادی بھی یہ بات جانتی ہیں اور شاید زبیدہ خالہ کو بھی سب علم تھا جو تمہارے ساتھ صبا کررہی ہے بیٹا! یہ بہت پرانا کھیل ہے، لیکن تمہیں اس کی خبر نہیں ہے، تم اتنی مایوس مت ہو، خالہ سے میں نے بات کی ہے، سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ تم واپس جاؤ، حالات کچھ بھی ہوجائیں، تمہیں اسی گھر کے اندر رہنا ہے"۔

"میں جانتی ہوں تائی اماں! اب تو مجھے بھی بہت خوف آرہا ہے"۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا تھا۔

"اس میں خوف کی کیا بات ہے، یہ تمہارا حق ہے، ہوسکتا ہے کہ تمہارا نصیب اللہ نے اسی طرح جوڑ دیا ہو، اور اشمل کی اگر کوئی پسند ہے تو ہونے دو"۔ کلثوم بولیں۔

"آپ نے کیا اس بات کا ذکر دادی سے کردیا ہے؟" رومی بولی۔

"ہاں میں نے کہہ دیا کہ اشمل امریکہ میں کسی لڑکی کو پسند کرتا ہے"۔ تو رومی نے گہرا سانس لیا۔

"شکر ہے، میں اشمل سے کمیٹڈ ہوں، میں نے اشمل سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میرا ڈھے، میں یہ بات کسی سے نہیں کہوں گی، وہ ولید ماموں سے بہت ڈرتا ہے بزدل، ماں کے روکنے پر بیٹھ گیا، لینے نہ آیا، مجھے کہہ رہا تھا کہ شام میں لینے آؤں گا، میں کیوں فون کروں؟" اس نے اپنے بیگ کو بند کرتے ہوئے کھڑکی کی طرف دیکھا تھا، سردراتوں کی ٹھٹھرتی ہوئی دوپہر شام کی طرح لگ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

ولید ہاؤس میں تھکے ہوئے سورج کی کرنیں اپنے پر سمیٹ رہی تھیں، دادی نے اشمل کو بلایا تھا تو صبا اشمل کی جگہ پلٹ کر آئی تھیں۔

"جی اماں! آپ اشمل کو کیوں بلارہی ہیں؟"

"ارے رومی گئی تھی اپنے تایا کے گھر، میں نے سوچا واپس بلالوں، آج تیسرا دن ہے وہ ایک دن کا کہہ کر گئی تھی"۔

"رہنے دیں اماں! اس کو وہیں، وہ اپنی مرضی سے گئی ہے، آجائے گی"۔

"اشمل ہے کہاں وہ فون نہیں اٹھا رہا، اشمل کو بولو کہ شام سے پہلے پہلے اسے گھر واپس لے آئے، میں نہیں چاہتی کہ وہ زیادہ دن اپنے گھر سے دور رہے"۔

"کیوں اماں! دو چار دن رہنے میں حرج ہی کیا ہے؟"

"لیکن اشمل ہے کہاں؟ اس کا سیل بند کیوں جارہا ہے، تمہیں تو معلوم ہوگا؟"

"اماں! مجھے نہیں معلوم کہ اس نے اپنا سیل کیوں بند رکھا ہوا ہے، اور ہاں اماں! آپ ٹرائی کرتی رہیں، میں تو ایئرپورٹ کے لیے نکل رہی ہوں"۔

''خیریت....؟''

''وہ بھائی مبین کی بیٹی امریکہ سے آرہی ہے''۔

''کون، کون؟ کیا نام ہے اس کا؟'' اماں چونک سی گئی تھیں، انہیں کلثوم کی بات یاد آئی تھی۔

''ارج....! وہ آج کی فلائٹ سے آرہی ہے اور میں اسی کو لینے نکل رہی ہوں''۔ وہ پلٹیں تو اماں بولیں۔

''وہ کس لیے یہاں آرہی ہے، وہ تو وہیں سیٹل ہیں، کیا مبین عباسی بھی آرہے ہیں؟''

''نہیں.... اس کا وہاں کچھ مسئلہ ہے، مبین بھائی کہہ رہے ہیں وہ مستقل طور پر پاکستان میں ہی رہے گی میرے پاس ہی''۔

''کیوں....؟'' اماں متفکر سی ہو کر بولیں۔

''اماں! وہ آئے گی تو پوچھ کر بتادوں گی، فی الحال تو وہ پاکستان آرہی ہے اور میرے پاس ہی رہے گی اور آپ تو جانتی ہیں بھائی کا مزاج، وہ اسے کہیں اور چھوڑیں گے بھی نہیں''۔ یہ کہہ کر صبا پلٹ گئی تھیں۔

''اچھا مبین عباسی اور ولید دو مخالف نام ہیں، ولید تو بالکل پسند نہیں کرتا مبین عباسی کو۔ اس نے کتنا بڑا فراڈ کیا تھا وہ ولید بھول نہیں سکتا، اس نے کس طرح سے ولید کو برباد کرنے کی کوشش کی تھی، اس نے سارے شیئرز اپنے نام کروالیے تھے، اسے تو صبا تک کا خیال نہ آیا کہ ولید اس کی بہن کا شوہر ہے اور آج اس کی بیٹی ولید ہاؤس میں رہنے آرہی ہے؟ ولید حیدر یہ کبھی برداشت نہیں کرسکے گا، لیکن اشمل کی تربیت میں میرا ہاتھ ہے، میں اسے بھی جانتی ہوں، لیکن صبا کو میں آج تک نہ جان سکی، کسی کو جاننے کے لیے پوری عمر درکار ہوتی ہے جو میں اس ولید ہاؤس میں گزار چکی ہوں، یہ سارے کھیل زندگی کے آج بھی مجھے یاد ہیں، میرے گناہوں کا وہ ہار [illegible] چھپادیا تھا، بارش کی ایک چھینٹ سے اکو اچھوٹ نکلا ہے اچھا ہے جانے سے پہلے میں اپنے گناہوں کی تلافی کرلوں گی، میں سعیدہ سے معافی مانگ لوں گی، ولید کتنا رویا تھا میں اس کی شرمندگی برداشت کرلوں گی، اس سے پہلے کہ صبا کوئی کھیل کھیلے، اللہ کرے ولید جلدی لوٹ آئے، کہیں میں سعیدہ کی طرح رومی کو بھی نہ کھودوں، اگر ایسا ہوا تو یہ گناہ بھی میرے ہی کھاتے میں لکھا جائے گا''۔ صبا جاتے جاتے بڑے صاحب سے بولیں تھیں۔

''بڑے صاحب! ہم کھانا آج باہر کھائیں گے، اماں آپ سے پوچھیں تو آپ ہرگز یہ نہیں بتائیں گے کہ اشمل میرے ساتھ گیا ہے، صرف آپ نے دیکھا ہے کہ اشمل میرے ساتھ جارہا ہے''۔ وہ گاڑی سے اتر کر بول کر دوبارہ بیٹھ کر چلی گئی تھیں۔

''مام! میرا اسیل مجھے دیں''۔

''تمہیں کس کو کال کرنی ہے؟ مجھے معلوم نہیں کہ تمہارا اسیل کہاں ہے، تم نشے کی حالت میں تو ہر وقت رہتے ہو، فاخر تمہیں گھر چھوڑ کر گیا تھا، مجھے نہیں معلوم تمہارا اسیل کہاں ہے''۔

''مام! پلیز ایسا مت کریں''۔

''دیکھو اشمل! ہم ارج کو لینے جارہے ہیں، اب کوئی نئی کہانی ولید ہاؤس میں نہیں چلے گی، وہ لڑکی تمہاری زندگی سے نکل چکی ہے، انڈراسٹینڈ؟ اور آنے والی لڑکی تمہاری بیوی ہے، ارج میری بھتیجی اور تم اس سے محبت کرتے ہو''۔

مام! وہ لڑکی نکل نہیں گئی ہے، ہم سب نے اسے نکالا ہے''۔

''کیا مطلب ہے تمہارا، ہم سب نے نکالا ہے اسے؟ وہ خود اپنی اصلیت جان چکی ہے اور تم دیکھ لینا وہ خود تم سے ڈائیوورس لے لے گی، میں لکھ کر تمہیں دیتی ہوں، تمہیں اتنا ایموشنل ہونے کی ضرورت نہیں اشمل! تمہاری ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے، تمہارا باپ گھر پر نہیں ہے، تم رات رات بھر فاخر کے ساتھ غائب رہتے ہو، ارج آئے گی وہ تمہیں سنبھال لے گی، تم دیکھنا سب کچھ تبدیل ہوجائے گا، مت ڈرو ولید سے تم، اگر بات کھلتی ہے تو کھل جائے، تم ڈٹ کر مقابلہ کرو سچائی کے ساتھ، علی خوب مزے کررہا ہے اپنی لائف بھی انجوائے کررہا ہے، اور اپنی اسٹڈی بھی''۔

''وہ ڈیزرو کرتا ہے''۔

''ہاں.... اور تم کیا ڈیزرو کرتے ہو وہ تو میں تمہاری ماں ہوں، تمہاری ہر بات چھپالیتی ہوں''۔ انہوں نے اسے گھور کر دیکھا۔

''مام! پلیز میرا اسیل....؟''

''لو دیکھ لو، میں ساتھ لیے نہیں پھرتی، میں نے کہا ناں کہ فاخر تمہیں گھر چھوڑ کر گیا تھا، تم ہوش میں کب رہتے ہو، پڑا ہوگا کہیں، اب اشمل! مجھے ڈسٹرب مت کرو، آج بہت بڑی پارٹی ارینج کی تھی، مسز ظفر نے بہت بڑے بڑے لوگوں کو انوائٹ کیا ہے''۔

''مام! آپ نے ارج کو اتنی جلدی کیوں انوالو کرلیا ہماری زندگی میں؟'' وہ بڑی بے بسی سے بولا۔

''کیا مطلب ہے مائی سوئیٹ ہارٹ! وہ اتنے دنوں سے تمہارے بناء رہ رہی ہے، کتنی پریشان ہے وہ، تمہیں پتہ ہے اس کا بینک بیلنس ختم، کوئی کارڈ وہ استعمال نہیں کرپارہی وہ بے حد پریشان ہے''۔

''لیکن مام....! وہ پاپ.....!''

''کیا پاپ، پاپ کو ایک نہ ایک دن تو فیس کرنا ہے بیٹا! میں کہہ دوں گی ناں کہ رومی گھر چھوڑ گئی ہے اور اس نے ڈائیوورس مانگی ہے اور تمہاری یہ حالت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی اور ایسے وقت میں اگر ارج ہمارے کام آجاتی ہے تمہیں سنبھال لیتی ہے تو اس سے بڑی کیا بات ہوگی، پھر وہ تمہاری محبت ہے، وہ تمہیں چاہتی ہے، تم اس کے بناء ادھورے ہو، رومی تو تمہارے باپ کی بے وقت کی راگنی تھی، اس نے تمہیں استعمال کیا''۔

''پلیز مام! ایسا مت بولیں''۔ اس نے اپنا رخ ان کی طرف سے پھیر لیا تھا۔

☆............☆............☆

ڈرائیور ولید ہاؤس سے نکل کر سیدھا کلثوم کے گھر پہنچا تھا، بیل بجی تو رومی چونک گئی تھی۔

''چلو رومی! تم اٹھو اور جاؤ رات سے پہلے اپنے گھر جاؤ''۔ کلثوم نے مغرب کی نماز پڑھ کر سلام پھیرا تھا۔

''تائی اماں! آپ اپنا خیال رکھیئے گا، ایشل! میں نہیں سمجھتی کہ تم ان دنوں تائی اماں کو چھوڑ کر جاؤ، انہیں تمہاری ضرورت ہے''۔

''لیکن رومی! کب تک؟ میں اکثر لیٹ جاتی ہوں، جلدی گھر آتی ہوں، ہر روز یہاں ایک نیا تماشہ ہے، آئی ڈونٹ نو کہ زویا کیا چاہتی ہے، بس وہ اکیلا رہنا چاہتی ہے اور یہ ممکن نہیں ہے، ہم کہاں جائیں گے رومی؟ دادی اس کے رویے

نے تنگ ہو کر گاؤں چلی گئیں، اب ہم کہاں جائیں؟ امی کا یہاں ڈاکٹر ہے، دوائیں ہیں، میری جاب ہے"۔

"ایشل! پھر بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہوگا؟" وہ بیگ اٹھا کر باہر بڑے دبے دبے قدموں سے چلتی ہوئی آئی تھی کہ اشمل باہر ہوگا، نظر پڑی تو ڈرائیور اس کے لیے دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

"ایشل! وہ لینے نہیں آیا"۔ تائی اماں چلتی ہوئیں باہر تک آئی تھیں۔

"لیکن رومی! تمہیں پھر بھی جانا ہے، میں نے سب کچھ خالہ کو بتا دیا ہے، تم جاؤ"۔ تو وہ بیگ سنبھالتی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی، وہ ولید ہاؤس پہنچتے ہی دادی سے لپٹ کر بہت روئی تھی۔

"کمال ہے بیٹا! یہاں اتنا سب کچھ ہو گیا اور تم نے مجھے خبر تک نہ دی، ایسا ہوتا ہے بیٹا! لیکن کوئی اپنا گھر نہیں چھوڑتا ہے اور نہ ہی کوئی عورت اتنی آسانی سے اپنے شوہر کو کسی کے حوالے کرتی ہے، ایک نہیں دس آ جائیں تو بھی تم سب پر بھاری ہو، ہم تمہیں بیاہ کر لائے ہیں، تم ولید کی پسند ہو"۔ تو رومی کو ایک کرنٹ لگا تھا، دادی اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔

"ولید تمہارا ماموں ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں، تم پر لگا ہوا بہتان ایک گناہ کبیرہ ہے، میں اشمل سے بات کروں گی، ولید کو آ لینے دو"۔

"نہیں دادی! نہیں، آپ کسی سے کچھ مت کہیے، میں جس مقصد کے لیے آئی ہوں مجھے تائی اماں نے کہا ہے ایسا کرنے کو میں صرف تین ماہ ولید ہاؤس میں رہ کر چلی جاؤں گی، پھر اس کا انجام کچھ بھی ہو"۔

"انجام انشاء اللہ اچھا ہوگا، تمہارے ساتھ تمہاری دادی کی دعائیں ہیں اور جب ماں کی دعا ساتھ ہو تو پھر کیا ڈرنا؟" دادی بولیں۔

"مت لیں ماں کا نام، مجھے لاوارثوں کی طرح چھوڑ کر چلی گئیں"۔ رومی بولی۔

"میں تمہاری آج سے دادی نہیں ماں ہوں، میں اتنے دن کیسے بے خبر رہی، میں تو اس بات پر دکھی ہوں، چپ ہو جا میری بیٹی!" دادی نے اس کے آنسو اپنے دوپٹے سے پونچھ دیئے تھے۔

"جاؤ تم فریش ہو کر اپنے روم میں اور ہاں! خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، صبا لینے گئی ہے، آج آ رہی ہے مبین کی بیٹی اور وہ یہیں رہے گی، اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا"۔ اسے لگا اس کا جسم آہستہ آہستہ سرد ہو رہا ہے، پیر منجمد ہو رہے ہیں۔ آگے جب بڑھی تو ہوا کے ایک سرد جھونکے نے اسے بیدار ہونے کا احساس دلایا تھا، دبے دبے قدموں سے اس نے دروازہ کھولا، لیکن پھر دل دھک سے ہوا، دیوار سے LCD غائب تھا اور تھوڑی بہت سیٹنگ بھی تبدیل تھی، ہینڈ بیگ رکھ کر اس نے کمرے کا جائزہ لیا تو اسے یوں لگا کہ اشمل کئی راتوں سے یہاں نہیں آیا اس نے پلٹ کر اپنی دراز کھولی تو وہ بھی لاک تھی، اشمل کی ایک دو چیزیں بے ترتیب پڑی تھیں جس سے اسے اندازہ ہوا کہ اشمل یہاں آیا ضرور تھا، اس کے ساتھ چلتی ہوئی زبیدہ خالہ اندر آئی تھیں۔

"آپ کے جانے کے بعد سے یہ کمرہ لاک ہے، کچھ آپ تبدیل کرنا چاہیں گی، بیڈ شیٹ بدلنی ہے تو میں ملازمہ کو بول دوں؟"

"جی خالہ! بھیج دیجئے اسے اندر"۔ تو وہ پلٹ کر چلی گئی تھیں، اس نے پورے کمرے کی صفائی ستھرائی ملازمہ سے

کروائی تھی، وہ بالکل نارمل طریقے سے سب کچھ کر کے شاور لے کر آئی تھی، اس کا دل ڈر رہا تھا۔

"اگر اشمل ارج کو اس کمرے میں لے آیا تو میں کیا کروں گی، میرا کیا مقام ہے اس گھر میں؟" وہ شاور لے کر بڑے نارمل سے کاٹن کے پنک سوٹ میں باہر نکل آئی تھی، بالوں میں ہیئر ڈرائیر کرتے ہوئے وہ مسلسل یہی سوچے جا رہی تھی۔

"اب زندگی کا یہ دوسرا رخ میرے سامنے ہے، جہاں مجھے ارج کو فیس کرنا ہوگا، دور رہ کر وہ کتنی تکلیف پہنچاتی تھی، اب اللہ جانے کیا ہوگا"۔ آنکھیں اس کی ابھی تک سرخ ہو رہی تھیں، دل بھی اس کا منجمد سا تھا، نازک سفید کلائیوں میں اس نے دراز سے نکال کر چوڑیاں پہن لی تھیں، دادی کہتی تھیں خالی ہاتھ نہ رکھو، اس نے کانچ کی چوڑیاں پہن لی تھیں، آج ہلکا نہیں اس نے گہرا شوخ میک اپ بھی کیا تھا، چوڑیاں پہننے کے بعد اس نے اپنے ہاتھوں پر نیل پالش لگائی، لمبے بالوں کو اس نے پنک ہیئر بینڈ سے پیچھے کر کے ٹائٹ کیا تھا۔

"صبا مامی یا ارج دیکھے گی سب یہی سمجھیں گے کہ میں یہ سب ارج کے مقابلے کے لیے کر رہی ہوں، اشمل کو لبھا رہی ہوں، اشمل کو بن سنور کر دکھا رہی ہوں، لیکن ایسا کچھ نہیں ہے، اندر سے تو میرا دل رو رہا ہے، خود کو اس طرح سے کر کے میں پر اعتماد کر لیتی ہوں، دل کے سارے زخم چھپا لیتی ہوں، لیکن وہ سب جان جائے گا، وہ سارے دل کے بھید جانتا ہے تو وہ یہ بھی جان لے گا کہ میں یہاں صرف اور صرف تھوڑے دن کے لیے آئی ہوں، میری آنکھوں میں ایسا کیا ہے؟" اس نے جھک کر آئینے میں دیکھا، براؤن آنکھوں میں تو کچھ بھی نہیں تھا، مایوسی کے اندھیرے تیر رہے تھے، چہرے پر بھی کوئی مسکراہٹ نہیں تھی، ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ کے کوئی آثار نہیں تھے، کپڑے بھی اس نے ہلکے زیب تن کیے ہوئے تھے، پھر ایسا کیا تھا کہ اشمل اس کے بھید جان لیتا تھا اور وہ اشمل کے بھید جان لیتی تھی کچھ تو تھا ان کے درمیان میں۔

"وہ جا تو رہا ہوگا مامی کے ساتھ، مگر دھیان میں، میں ہوں گی، اپنے غلط بی ہیو پر وہ کتنا شرمندہ ہے، حالانکہ اس کا تو یہ حق تھا میں شرمندگی کے بعد سب کچھ بھول گئی ہوں، جو کچھ وہ مدہوشی میں کر گیا وہ اس کا حق تھا، وہ شرمندہ نہ بھی ہوتا تو بھی میں کیا کر سکتی تھی، میں اس کی بیوی ہوں، وہ میرا مجازی خدا ہے، وہ استحقاق رکھتا ہے اور میں اس کی پابند ہوں، ایک شرعی رشتے میں بندھ جانا نصیب کی بات ہے، مگر میں ہوں بدنصیب، زندگی کے کسی لمحے میں وہ مجھ سے آ کر شرمندہ ہوا تو ارج آج راستہ روک رہی ہے، وہ میرا نصیب نہیں تھا، پھر بھی نجانے کیوں راستے میں آ گیا، میں کیا ہوں، ایک غریب لڑکی، گاؤں سے ماں باپ اس لیے لائے تھے کہ پھپھو کے بیٹے حماد سے شادی کر دیں گے اور وہ لوٹ جائیں گے گاؤں، مگر وہاں کیا ہوا، حماد نے کس طرح سے بابو جی کو شرمندہ کر دیا اور پھر وہ ہمیں بتایا کہ حوالے کر کے چلے گئے، تائی نے یہ جان لیا کہ میں ارسلان کو حاصل کرنے کے لیے آئی ہوں، ارسلان کی چھوٹی سی بھی شرارت کتنی بھاری پڑتی تھی، ایشل تو ہمدرد تھی، لیکن کلثوم تائی اماں مجھے چین نہ لینے دیتیں، کتنا آگے پیچھے ارسلان گھومتا تھا، کیسی راتیں تھیں، کیسے دن تھے وہ کیسے خواب تھے، ایک چائے کی پیالی مانگ لیتا تھا، دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی تھی، لیکن میں ہوں بدنصیب"۔ اس کے آنسو بہنے لگے، اس کا دل چاہا ڈریسنگ کا شیشہ توڑ کر اپنی شکل مٹا دے۔

"پھر کیسے یہ لوگ ٹریپ کر کے مجھے ولید ہاؤس لائے؟ اشمل کو مجھ سے دور رکھا، ایک شرعی رشتے کو اتنا پابند کر دیا کہ آج میں بے بس اور مجبور ہوں اور مجھے آج پھر مجبور کر کے تائی اماں نے پھر بھیج دیا ہے تاکہ میرے کردار پر کوئی حرف نہ

آئے تین ماہ مجھے اور اسی ولید ہاؤس میں گزارنے ہیں، تائی اماں بھی ٹھیک کہہ رہی ہیں، شاید دادی اماں کو بھی اس بات کا اندازہ ہوگیا ہے کہ ہمارے اور اشمل کے بیچ کچھ ایسا نہیں تھا جواب ہوا ہے اور شاید اسی لیے صبا مامی کو بہت جلدی ہے کہ وہ ارج کو لے آئیں اور اشمل جو اتنا ٹوٹ گیا ہے وہ بکھرنے سے بچ جائے اور جتنی جلدی ہو سکے میں یہ گھر چھوڑ جاؤں اور اب مجھے تین ماہ یہیں پر گزارنے ہیں بقول تائی اماں کے کہیں میں پریگننٹ نہ ہو جاؤں، اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو، ہر بار ٹھوکریں میرے مقدر میں آتی ہیں، ویسے بھی میں ایکسپیٹ نہیں کروں گی مجھے اشمل کی زندگی سے جانا ہے، میں عزت سے جینا چاہتی ہوں، مجھے یہ دولت و امارات نہیں چاہیے، میں اشمل کو چھوڑنا چاہتی ہوں، ولید ماموں کتنے کرپٹ انسان ہیں، صبا مامی کہتی ہیں کہ وہ مجھے کسی اور نظر سے دیکھتے ہیں، میں تو اسی دن گھر چھوڑ دینا چاہتی تھی جس دن اشمل نے مجھ سے پوچھا تھا کہ تمہارے اور پاپ کے درمیان ایسا کیا چل رہا ہے؟ میں اس دن مٹ گئی تھی اور میں خود کو مٹا دینا چاہتی تھی، یہ داغ کا ٹھپہ میرے ماں باپ کے ماتھے پر لگتا اس لیے میں زندہ رہ گئی، اس رات مجھے ایک بھیانک چہرہ بھی تو نظر آیا تھا اندھیرے میں صبا مامی کا، اور میں چیخ کر اٹھ بیٹھی تھی کیسے بھول جاؤں میں اس لمحے کو؟ باہر کتنے سارے پھول کھلے تھے، ایک بچہ دوڑتا ہوا میری طرف آرہا تھا اور میں چیخ رہی تھی اشمل..... اشمل! چھوڑ دو اسے، قریب جا کر دیکھا تو وہ ایزل تھی، جو اشمل کی گود میں چھپی ہوئی تھی"۔ وہ ایک دم سے چونک گئی۔

"ایزل تو ہمارے اور اشمل کے درمیان ایک خوبصورت احساس ہے جو ہمیں ایک دوسرے سے قریب لایا تھا، کیسی وہ بھیگی ہوئی سہ پہر تھی جب میں شال میں چھپائے ہوئے ایزل کو لان سے اندر لائی تھی اور جب اس نے پلٹ کر میری شال میں چھپی ہوئی ایزل کو دیکھا تو کتنی حیرت سے ایزل کو دیکھا تھا بالکل اسی طرح سے اشمل ایزل کو لان میں چھپائے ہوئے کھڑا تھا، یہ کیسا خواب تھا؟ اللہ نہ کرے اس خواب کی بھیانک تعبیر نکلے، لیکن اب میں خود اشمل سے دور جانا چاہتی ہوں"۔ اس کے وجود میں ایک کپکپی سی طاری ہوئی، آنسو تھے کہ تواتر سے جاری تھے۔

"اے اللہ! اب کوئی نیا باب میری زندگی میں مت کھولنا، میں تجھ سے رحم کی بھیک مانگتی ہوں، مجھے عزت سے کوئی ٹھکانہ دے دے، جہاں میں لوٹ جاؤں، نہیں چاہیے مجھے دولت، میرے ماتھے سے ولید حیدر کا داغ مٹا دے، کوئی بھی داغ میں اپنے چہرے پر لے کر اس گھر سے نہیں جانا چاہتی، سب کچھ کھول دے، سینے میں چھپی ہوئی ہر بات کو اے ربّ! ظاہر کر دے"۔ اس نے اپنا قلم ڈائری پر رکھ کر لائٹ آف کر دی تھی، گیٹ کھلنے کی آواز آئی تو اس نے ونڈو سے پردہ ہٹا کر غیر ارادی طور پر باہر دیکھا تھا، کار اندر آئی تھی، صبا اور ارج باہر آئی تھیں، اس کی نظریں اشمل پر ٹک گئیں، وہ تھکے تھکے وجود کے ساتھ بڑا سا بیگ کندھے سے لٹکائے کھڑا تھا۔

ارج یونیک لمبا سا میرون کوٹ، بلیک رنگ کے سوکس اور اونچے سے شوز پہنے اتری تھی، چھوٹے چھوٹے بال اسٹیپ میں کٹے ہوئے تھے اس نے ایک نظر اٹھا کر وسیع و عریض ولید ہاؤس کو دیکھا تھا، صبا نے ہنس کر کچھ اس کے قریب آ کر کہا تھا تو دوبارہ اس نے مسکرا کر اوپر کی جانب دیکھا تھا تو اس نے جلدی سے پردہ چھوڑ دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ارج کو لے کر وہ اوپر والے پورشن کی طرف گئی تھیں جو بہت کشادہ اور ہوادار تھا۔

اس پورشن میں بہت اسپیشل گیسٹ ولید حیدر کے آتے تھے، اکثر جب باہر سے کوئی ڈیلیگیشن آتا ولید حیدر بطور

سرپرائز گفٹ کے طور پر یہ کھول دیا جاتا تھا اس کی سجاوٹ اور ترتیب انٹرنیشنل ڈیکوریٹر سے کروائی گئی تھی، وہائٹ سلکی ساٹن کے لہراتے ہوئے پردے جب ہٹا دیئے جاتے تو پورے ساحل سمندر کی روشنی دکھائی دیتی تھی اور رات میں چودھویں شب کا منظر سمندر کی اچھلتی ہوئی لہریں چاند کو چھو لینے کا ایک حسین منظر کسی تاج محل سے کم نہ تھا، وسیع و عریض ٹیرس پر وہائٹ رنگ کی پھیلی ہوئی کرسیاں آہستہ آہستہ شبنمی رات کے پانی سے بھیگنے لگتیں تو اونچے اونچے گملوں میں لگے ہوئے پھولوں کی خوشبو پورے ماحول کو معطر کر دیتی تھی، آج بھی سب کچھ ویسا ہی تھا۔

"آؤ ارج! آؤ.....!" وہ ارج کے ساتھ چلتی ہوئیں اوپر بڑھ رہی تھیں اور تھکے تھکے قدموں سے اشمل پیچھے آیا تھا۔

"اسپیشل نائٹ تمہارے لیے، تم اور اشمل یہاں آج انجوائے کرو گے، سامنے دیکھو"۔ سمندر میں جلتی بجھتی روشنیاں، کشتیاں اور حرکت کرتے ہوئے بحری جہاز ایک خواب کا منظر تھا جو آنکھوں میں سما جانے کے لیے کافی تھا، ارج نے بیگ دھڑ سے زمین پر پھینکا اور دھڑ سے بیڈ پر گرتے ہی اس نے اپنے شوز دور پھینکے تھے۔

"او مائی گاڈ! میں تھک گئی مام! کرٹن بند کر دیں"۔ اپنی ماں کو بے ساختگی سے پکارتے ہوئے اس نے صبا کو دیکھا تھا۔

"اب تمہاری یہ ماں تمہارے سامنے ہے"۔ انہوں نے بہت پیار سے اس کے بالوں کو جھک کر لپیٹا۔

"نو پھپھو! مام اور پھپھو میں بہت فرق ہوتا ہے، میں کبھی آپ کو مام نہیں کہہ سکوں گی"۔ وہ کھلکھلاتے ہوئے ہنستی ہوئی نرم سے تکیے سے لپٹتے ہوئے الٹ گئی تھی، صبا کو ٹوٹ کر اس وقت اس پر پیار آیا تھا، وہ اس کی پشت پر جھک کر لپٹ کر اس کے بالوں میں پیار کر رہی تھیں، اس نے جلدی سے کروٹ بدل کر اپنے چہرے کو ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"پھپھو! شاید آپ نے برش نہیں کیا، آپ کے دانتوں سے اسمیل آرہی ہے"۔ وہ برا سا منہ بناتے ہوئے پھر ہنس پڑی تھی۔

"تمہاری مذاق اور شرارتوں کی عادت بچوں جیسی ہے، دوسرے لوگ مائنڈ کریں گے، میں تو تمہاری پھپھو ہوں، برداشت کر لوں گی"۔

"اوہ..... سوئیٹ پھپھو! یہ سب کچھ کتنا اچھا لگ رہا ہے"۔ اس کی نظر گلاس وال سے باہر گئی تھی، وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"اور تم کیوں اتنے مرے مرے سے بیگ لٹکائے دھیرے دھیرے آرہے ہو؟" وہ اشمل کو دیکھ کر بولی۔

"کم آن سوئیٹ ہارٹ!" وہ بڑی بے باکی سے بیڈ سے کود کر اٹھی تھی، اشمل کا اس نے ہاتھ پکڑ کر زور سے دھکا دیا تو وہ بیگ سمیت بیڈ پر ٹک گیا تھا، ارج کی ہنسی تھی کے رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی، اشمل نے حیران ہو کر اسے آنکھوں سے تنبیہہ کی کہ مام سامنے ہیں، مگر وہ ہنسی روک کر اپنا رخ پھیر گئی۔

"پھپھو جانی! اب آپ آرام کرنے جائیں، آپ تھک رہی ہیں"۔ صبا نے ایک نظر ہنس کر اشمل پر ڈالی جو بہت چپ چپ اور سہما ہوا کھڑا تھا، وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا، لیکن وہ صبا کے اشارے پر خاموش ہو گیا۔

"اچھا ٹھیک ہے تمہاری ساری ضروریات کی چیزیں یہاں موجود ہیں، یہ انٹر کام کا بٹن ہے، تمہیں جس چیز کی ضرورت ہوگی فوراً ملازم حاضر کر دیں گے"۔

"یس پھپھو! مجھے معلوم ہے سب، میں ایک آدھ بار بچپن میں بھی یہاں آئی ہوں، تھوڑا سا میں تھک گئی ہوں، آرام کرنا چاہتی ہوں"۔ صبا نیچے اتر آئی تھیں، اشمل ان کے ساتھ چلتا ہوا لفٹ تک آیا تھا۔

''مام.....!'' وہ بولا۔

''کیا مام، مام کررہے ہو تم، کس بات کی گھبراہٹ ہے تمہیں؟''

''یہ آپ نے اچھا نہیں کیا مام! ارج اچھی لڑکی ہے، لیکن بہت ماڈرن ہے، بہت مشکل ہے اس کا یہاں ایڈجسٹ ہونا، دادی اور پاپ بالکل نہیں اسے برداشت کرسکیں گے''۔

''ہاں تو..... یہ لوگ بیک ورڈ ہیں، تمہارے پاپ اور دادی، ان کی سوچ بہت مختلف ہے، یہ بہت ضروری تھا ارج کا یہاں آنا، تم جس طرح سے برباد ہورہے ہو کوئی ماں برداشت نہیں کرسکتی''۔

''مام! یہ بات نہیں ہے، جو آپ سمجھ رہی ہیں، میں رومی سے بیزار نہیں تھا، وہ بہت کوپریٹیو ہے، جیسا کہوں ویسا ہی کرتی ہے، مام! آپ نہیں جانتیں کہ ہمارے اور اس کے بیچ کیا ہوا ہے''۔

''بولو، بولو! کیا ہوا ہے؟ تمہارے اور اس کے بیچ؟'' انہوں نے اسے زور سے ایک دھکا دیا تو وہ دیوار سے جا لگا۔

''ولید کا لحاظ تھا ورنہ میں پہلے ہی دن اسے دھکے مار کر نکال سکتی تھی انڈر اسٹینڈ؟ مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے، وہ خود گھر چھوڑ کر گئی ہے، چلو اچھا ہوا مجھے آج پتہ چل گیا کہ تمہارے اس کے بیچ کچھ ہوا ہے''۔

''مام! پلیز.....!'' اشمل انہیں سہم کر دیکھنے لگا تھا۔

''تو پھر اب کیا پرابلم ہے تمہاری؟ تم نے ارج سے شادی کی، تم یہاں سے جانا چاہتے تھے، میں نے تمہارے لیے راستہ بنایا، اب تمہاری زندگی میں ارج آ گئی ہے، تم اس کے ساتھ ایڈجسٹ ہو اور جب تمہارا باپ آ جائے ناں تو تم یہ ظاہر کرو گے کہ تم رومی کے جانے کے بعد ارج سے بے حد قریب ہو اور ارج کو پسند کرتے ہو اور پھر پلان کے مطابق میں تمہاری یہاں روایتی انداز میں ارج سے شادی کروں گی، تم اس کو لے کر باہر جاؤ گے، میری کچھ مجبوریاں ہیں ورنہ میں پاکستان کو فوراً چھوڑ دوں، بس جب تک ہے تو ہوں، مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے، مجھے ولید اور ولید ہاؤس سے کچھ لینا دینا نہیں، میری بیٹی ہے وہاں، میں یہاں گھٹے ہوئے ماحول میں نہیں رہنا چاہتی، آزاد ماحول، آزاد ہی ہے اور سب سے بڑی بات میری بیٹی ہے وہاں، آخر میں کب تک رہوں گی یہاں؟ جتنی جلدی ہو میں تمہارا بھی یہاں سے چھٹکارا کروا دینا چاہتی ہوں، جاؤ تم یہاں سے، یہاں کچھ نہیں رکھا، ہارٹ پیشنٹ ہے تمہارا باپ، کتنے دن زندہ رہے گا؟''

مام.....!'' وہ اتنی زور سے چیخا تھا کہ بہت دیر تک اس کی آواز کی بازگشت سنائی دیتی رہی تھی۔

''آہستہ اشمل! آہستہ بولو، میں جو کچھ بھی کررہی ہوں، تمہارے لیے کررہی ہوں، انڈر اسٹینڈ؟ وہ لڑکی خود تمہاری زندگی سے جا چکی ہے''۔

''مام.....! وہ شاید دوبارہ پلٹ کر میری زندگی میں آ گئی ہے''۔ اس نے گھبرا کر مام کی جانب دیکھا تو صبا اسی کی جانب حیرانگی سے دیکھ رہی تھیں۔

''کب..... تمہیں کیسے پتہ چلا؟''

''مام! مجھے اس کے وجود کی خوشبو محسوس ہورہی ہے، مام! ایسا کیوں ہوتا ہے میرے ساتھ؟'' صبا نے اس کے دونوں شولڈر پکڑ کر اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

''میری طرف دیکھو، یہ جادو ہے، ایسا کچھ نہیں ہے، تم پر اس نے جادو کیا ہے، اس نے ولید کو اپنا دیوانہ بنا لیا ہے، جو

اس سے ملتا ہے وہ اس کے اندر ایک فیلنگ پیدا کردیتی ہے، میرا خود دل چاہتا ہے وہ مجھے اتنا اٹریکٹ کرتی ہے کہ دل چاہتا ہے میں بار بار اس سے بات کروں، اس کی ہنسی سنوں، اس کی آواز سنوں، مگر میں فوراً ہی قرآنی آیات پڑھ کر دم کرلیتی ہوں، اس کی آنکھوں میں تم غور سے دیکھو، جادو ئی کشش ہے اور کچھ نہیں اشمل! وہ نارمل لڑکی نہیں ہے، پہلے ہی دن سے جو تم نے کیا اس نے کہا میں بھی یہ کرنا جانتی ہوں، تم نے کہا آندھی آئے گی وہ نظریں اٹھا کر کہتی کہ بارش بھی ہوگی اور پھر بارش بھی آ جاتی ہے اور تم اس کی ہر بات پر یقین کرلیتے ہو، وہ آسیب زدہ روح ہے، اکثر راتوں میں، میں نے اسے دیکھا ہے، کبھی ٹیرس پر کبھی لان میں، کبھی باہر نکل جاتی ہے، خود سے باتیں کرتی رہتی ہے، اب اگر آئی تو میں اسے دھکے دے کر نکال دوں گی''۔

''مام! ایسا کچھ مت کریئے گا اس کے ساتھ''۔

''اگر وہ ارج کی موجودگی میں پلٹ کر آئی تو میں اس کا وہ حشر کروں گی کہ وہ یہاں کا رستہ بھول جائے گی''۔

''نہیں مام! ایسا آپ کچھ نہیں کریں گی''۔

''کیا کرلو گے تم میرا؟''

''میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا مام! میں تھک گیا ہوں، اب مجھ سے یہ ڈبل پالیسی کا کھیل نہیں کھیلا جاتا، میں مکمل طور پر آزاد رہنا چاہتا ہوں، پاپ کے آنے پر میں سب کچھ خود بتا دوں گا''۔

''انجام سے بے خبر؟'' صبا بڑے غصے سے پلٹ کر اس کی جانب آئی تھیں۔

''شاید.....!'' وہ سر جھکا کر بولا۔

''اشمل.....!'' انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ لیا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''مام! جو آپ چاہتی ہیں، میں وہ چاہتا ہوں، مگر آپ رومی کو ٹارچر نہیں کریں گی، وہ عام لڑکی نہیں ہے، وہ عام لڑکیوں سے ہٹ کر ہے، وہ یہاں سے چلی گئی تھی، اس کا لوٹ کر یہاں آنا یقینی طور پر کوئی اہم بات ہے اور مام! وہ میں ابھی کلیئر نہیں کرسکتا''۔

''کیا کہنا چاہتے ہو تم؟ ادھر آؤ''۔ وہ سختی سے ہاتھ پکڑ کر دوسری جانب گئیں، وہ چلتا ہوا دیوار کے آخری سرے پر رک گیا تھا، اس کا دل چاہا کہ وہ یہاں سے کود کر جان دے دے، ہواؤں کی سرسراہٹ سے اس کا وجود جیسے کانپ رہا ہو، وہ اندر سے بالکل خالی خالی محسوس کررہا تھا، اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی ختم ہوگئی تھی، صرف صبا کا وجود سامنے نظر آرہا تھا۔

''بولو! ایسا کیا ہے جو وہ دوبارہ پلٹ کر ہمارے گھر واپس آئی ہے؟ اشمل! کہیں تم نے اس کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے، جس کی وجہ سے تم اتنے نروس دکھائی دے رہے ہو؟'' صبا کا پورا وجود اکڑ سا گیا تھا، اور وہ نظریں جھکائے سامنے مجرم بنا کھڑا تھا۔

''گھٹیا انسان!'' ان کا ایک تھپڑ اس کے چہرے پر گرم گرم محسوس ہوا تو اس نے نظریں اٹھا کر صبا کو دیکھا تھا۔

''تم اس کا انجام جانتے ہو، کیا ہوتا ہے؟ میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اسے ہاتھ مت لگانا، میں جانتی ہوں تمہیں، تم

سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو تم نظریں جھکائے پھرتے ہو، اوہ مائی گاڈ! اتنی بلینڈر غلطی''۔ وہ چکرا کر دیوار سے لگ گئی تھیں، ان کی سلیو زلیس شرٹ اور ان کے شولڈر پر ان کے برکنڈی بال ہوا میں اڑ رہے تھے، ارج کی آمد پر اتنا بڑا دھماکہ دل پر ایک گھونسہ سا آن لگا تھا۔

''تم نے لمٹ کراس کی ہے اشمل! ایک کمٹمنٹ تھا میرے اور تمہارے درمیان، تم نے اس کو توڑا ہے، میسنی شکل آگے پیچھے اسی لیے تو گھومتی تھی، وہ جانتی تھی کہ تم کمزور ہو، آخر ہو ناں تم ولید حیدر کے بیٹے، زمانے بھر میں وہ عیاشیاں کرتا پھرتا ہے، آفس میں اس نے لڑکیاں رکھی ہوئی ہیں، فائزہ سے ہر وقت چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں، سعیدہ پر وہ عاشق تھے، ظاہر ہے کچھ تو باپ کا اثر آئے گا''۔ سعیدہ کے نام پر انہوں نے بہت غور سے اشمل کی جانب دیکھا تھا۔

''ٹھیک ہے اشمل! اگر اس کے نتیجے میں کچھ اور ہوا ناں تو میں واش کروا دوں گی''۔ اشمل بس ان کو یک ٹک دیکھے جا رہا تھا، ہوائیں سائیں سائیں چلنے لگیں تھیں۔

''تم ذہنی طور پر ڈسٹرب ہو، یاد رکھنا اگر تم نے ارج سے کوئی ایسی ویسی بات کی تو میں تمہارا حشر کر دوں گی، اب تم اندر جاؤ، وہ تمہارا انتظار کر رہی ہے، صبح ہم ملتے ہیں''۔ وہ بہت تیز پلٹ کر نیچے کی جانب چلی گئی تھیں، غصے سے ان کا برا حال تھا، وہ بہت تیز تیز چلتی ہوئیں رومی کے روم کی طرف آئیں، دروازہ لاک تھا، انہوں نے بہت زور سے ہینڈل پر ہاتھ مارا، رومی نے گھبرا کر روم کا دروازہ کھول دیا تھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ تم اب ولید ہاؤس چھوڑ دو، یونو آج ارج آ گئی ہے، فار گاڈ سیک اشمل کی زندگی سے تم نکل جاؤ، تمہیں جو بھی چاہیے وہ میں دوں گی''۔ وہ اس کی جانب بڑھتی جا رہی تھیں اور وہ آہستہ آہستہ پیچھے سرک رہی تھی۔

''خوفزدہ ہونے کی ایکٹنگ مت کرو، تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو، جتنی جلدی ہو سکے تم ولید ہاؤس چھوڑ دو، یقین جانو تم نے ابھی ہمارا صرف پیار اور محبت دیکھی ہے، ایک جملے سے میں تمہیں سب کی نظروں سے گرا دوں گی، اس سے پہلے کہ شیرازہ بکھر جائے ولید ہاؤس میں زلزلہ آئے اس سے پہلے تم چلی جاؤ، بولو تمہیں کیا چاہیے؟ آؤ میرے ساتھ آؤ، رات کی تاریکی میں تمہیں جو چاہیے لے لو''۔ وہ اس کا ہاتھ گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھیں، بڑے غصے سے دروازہ کھولا، شیلف میں سے چابی کا گچھا اٹھا کر نمبر والی تجوری کی طرف بڑھی تھیں، غصے میں اس وقت وہ لاکر کا نمبر بھول گئیں، بار بار لاکر نمبر وہ سیٹ کر رہی تھیں، تجوری کھل جانے پر انہوں نے رومی کے سامنے تمام ہیرے جواہرات کھول دیئے تھے۔

''بولو تمام عمر یہ میں نے جمع کیے ہیں جو تم لینا چاہتی ہو سب لے لو، میں تمہیں کیش دے دوں گی، لیکن تم ولید ہاؤس چھوڑ دو''۔ ان کے سامنے تمام زیورات بکھرے پڑے تھے، رومی ابھی تک خاموش تھی، وہ بولے جا رہی تھیں اور وہ چپ تھی، رومی نے آہستہ سے جڑاؤ حیدر آبادی سیٹ اٹھا کر بہت غور سے دیکھا۔

''سچ مامی! یہ بہت خوبصورت ہے، لیکن یہ مجھ پر نہیں آپ پر اچھا لگے گا، آپ چاہیں تو پہن کر دیکھ لیں''۔ اس نے بڑھ کر ان کے گلے سے ہار لگا کر شیشے کی جانب اشارہ کیا تھا، صبا نے ایک جھٹکے سے ہار تھام لیا اور بولیں۔

''یہ تو میں سب تمہیں دینا چاہ رہی ہوں''۔

''ٹھیک ہے مامی! مگر میں یہ سب لے کر کیا کروں گی؟ یہ ساری چیزیں اتنی نایاب ہیں، یہ مجھ پر سوٹ نہیں کریں گی، آپ کی پسند آپ پر سوٹ کرے گی''۔ پتہ نہیں کیا ہوا، کیسے ہوا، صبا بھربھری مٹی کی طرح خود کو اندر سے محسوس کر رہی تھیں،

صبا نے اس کی آنکھوں میں غور سے دیکھا جہاں نفرت نہیں محبت تھی، اس کے وجود میں بھی مہندی کی خوشبو رچی بسی تھی، ہاتھ سے زیور لیا تو یوں لگا کہ ہاتھوں میں موتیوں کے گہن پروئے ہوں جیسے، اور کانچ کی چوڑیاں کھنک رہی تھیں۔

''رومی! تم بہت اچھی ہو، یہ میں جانتی ہوں، مگر میری مجبوری یہ ہے کہ میں اشمل کی زندگی میں تمہیں برداشت نہیں کر سکتی، مجھے یقین ہے کہ تم سب کچھ جان چکی ہو، بہتر تو یہی ہے کہ تم یہاں سے چلی جاؤ، تم یہاں پر بھی اپنی محبت اور اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دے سکتی ہو''۔

''مامی! میں وعدہ کرتی ہوں، میں یہاں سے چلی جاؤں گی، مگر فی الحال میرے پاس کہیں اور رہنے کا ٹھکانہ نہیں ہے، مجھے کچھ دن، کچھ ماہ یہاں رہنے دیں''۔

''کیوں....؟ کیا کوئی خاص وجہ ہے؟'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''کتنے دن رہنا چاہتی ہو تم یہاں؟''

''بس کچھ دن''۔ وہ بہت دل کی گہرائی سے بولی ایک خوف اس کی آنکھوں میں اتر رہا تھا۔

''تم اتنی خوفزدہ کیوں ہو، کیا کوئی خاص بات ہے؟'' صبا نے بہت مایوس انداز میں سر سے پیر تک اسے دیکھا کہ وہ لرز سی گئی۔

☆.....☆.....☆

اشمل دبے دبے قدموں سے چلتا ہوا ارج کے کمرے کی طرف آیا تھا، جہاں ارج صوفے پر پیر اٹھائے ہوئے لمبے لمبے کش لے رہی تھی، اشمل بڑا سہما ہوا، ڈرا سا اس کی جانب بڑھا تھا۔

''کم آن اشمل! تم نے اتنی دیر لگا دی آنے میں؟'' ارج نے ایک گہرا کش لیا اور سارا دھواں اشمل کی جانب اچھال دیا۔

''کیا بات ہے اشمل؟'' اس نے جلدی سے اشمل کا بازو تھام لیا۔

''کچھ بجھے بجھے لگ رہے ہو تم، کیا میرے آنے کی خوشی نہیں ہوئی تمہیں؟ کیا پاپ اور دادی کا کوئی خوف ہے؟'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''یار! سب بھول جاؤ، دکھ، پریشانیاں آج کی رات، اب میں آ گئی ہوں تمہاری زندگی میں''۔ اشمل نے ہاتھ سے دھواں ہٹاتے ہوئے منہ بنایا تھا۔

''ارج! تم پھر پینے لگی ہو؟''

''اشمل! یہ چیزیں ایسی ہیں ایک بار منہ کو لگ جائیں ناں تو چھٹتی نہیں ہیں، مل بیٹھ کر پینے میں جو لطف ہے وہ تنہائی میں کہاں''۔ اس کے سلکی بال اشمل کے کندھے پر آ گرے تھے۔

''ارج! پلیز یہاں یہ سب نہیں چلتا''۔

''رئیلی....! تو پھر یہاں پر کیا چلتا ہے؟ رومی بیگم کی ناز برداریاں یا اور کچھ؟ اشمل! تم نے جانے کیوں دیا، دو چار دن میں بھی تو اس کے مزے لیتی، ہاؤ سوئیٹ گرل، کتنی بیوقوف سی، سیدھی سادھی بٹ پریٹی گرل''۔ ارج کو اس پل رومی پر بہت رحم آ رہا تھا۔

"وہ واپس آ گئی ہے"۔ اشمل بولا۔

"شیور؟ تو میں اس سے ملنا چاہوں گی"۔ اس کے اندر تجسس جاگ پڑا تھا۔

"ارج! ابھی نہیں، پھر کبھی"۔ اشمل نے اس کا بازو تھام لیا، تو بہت ہنس کر بے باکی سے اشمل کے گلے لگ کر بولی۔

"اُشو! سچ بتانا، تمہیں میں اس وقت کیسی لگ رہی ہوں؟ میں نے سارے ڈریسز اسپیشل تمہاری پسند کے بنوائے ہیں، یہ ہاف ٹراؤزر اور چھوٹی شرٹ تمہارے پسندیدہ ڈریسز ہیں"۔

"ارج! ایسے کپڑے یہاں پر نہیں پہنے جاتے، مام اور دادی کے سامنے تم ایسے کپڑے پہن کر مت جانا، وہ مائینڈ کریں گی"۔

"کم آن اشو! کیسی بیک ورڈ باتیں کر رہے ہو تم، پھپھو جان کو تو میرا ڈریس بہت پسند آیا"۔ اس نے اپنی لمبی سی کوٹ نما فراک کی بیلٹ کو کھول کر لوز کر کے اندر چھوٹی سی شرٹ کو کھینچا تھا، اشمل نے اسے دیکھ کر اپنا رخ پھیر لیا، تو وہ ہنستے ہنستے اشمل سے لپٹ گئی اور بولی۔

"اشو! تم تو بالکل تبدیل ہو گئے ہو، تمہارے اندر وہ پہلی سی بات نہیں رہی، بجھے بجھے اور کھوئے کھوئے سے لگ رہے ہو، بہت چینج لگ رہے ہو"۔ تو جواب میں وہ کچھ بھی نہیں بولا تھا۔

"تمہارے انداز میں پہلی سی گرمجوشی بھی نہیں ہے"۔ وہ بڑی متفکر سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں"۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب کر بولا۔

"ہماری اور تمہاری سیکریٹ میرج ظاہر ہے مجھے ہر وقت پاپ سے ڈر لگا رہتا ہے"۔

"وہاٹ نان سینس، پاپ، پاپ..... بچوں کی طرح کرتے رہتے ہو تم اشو! ان کی انگلی پکڑ کر چلنا چھوڑ دو، ہماری زندگی ہے یہ، ہم جس طرح چاہیں جئیں"۔ وہ جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میں پاپ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں ارج! تم نہیں سمجھتیں"۔

"آئی نو، تم ابھی چھوٹے سے بچے ہو یار! ایک بار یہ سب فیس کر لو، ہمیشہ کی ٹینشن ختم ہو جائے گی، یہ چھپ چھپ کر کھیل کھیلنا بچوں کا کھیل ہے، انکل آ جائیں تو میں خود ان سے بات کر لوں گی، آخر اس طرح ہم کب تک جی سکیں گے، ہمارے بھی ڈیڈ اور مام یہی چاہتے ہیں کہ جتنی جلدی ہو سکے سب کچھ کلیئر ہو جائے، عجیب تم لوگ بھی ہو، پاپ کو معلوم ہو جائے گا، پاپ یہ کر دیں گے، پاپ وہ کر دیں گے، یو نو..... میرا بینک بیلنس کچھ نہیں رہا، سارے کریڈٹ کارڈز کلوز ہو گئے ہیں، کب تک میں ڈیڈ سے لے لے کر کام چلاؤں گی؟ جان سے میں ادھار لے کر کام چلا رہی ہوں، تمہیں کچھ ہوش ہے، جتنا ہو سکے تم اپنے پاپ سے مال نکلواؤ"۔ وہ چٹکی بجاتے ہوئے بولی۔

"وہ بات نہیں ہے ارج! پاپ بہت کیئر فل ہو گئے ہیں، اس لیے میں بھی بہت محتاط رہتا ہوں، جلد ہی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، جلد بازی سے میں کوئی کام نہیں کرنا چاہتا، رومی کا معاملہ کچھ الجھتا جا رہا ہے، اور پاپ اس پر بہت مہربان ہیں"۔ تو ارج کو بہت زور کی ہنسی آئی۔

"اوہ..... کہیں تمہارے پاپ اس میں انٹرسٹڈ تو نہیں ہو گئے؟" ارج شرارت سے بولی۔

"شٹ اپ!" اشمل کو نجانے کیوں برا لگا تھا، اس نے چونک کر ارج کو دیکھا جو بے باکی سے بات کر رہی تھی۔

"ارج! دادی کے سامنے اس طرح کی تم بات مت کرنا"۔

"مجھے ڈکٹیشن لینے کی عادت نہیں ہے"۔ وہ اپنی عادت تبدیل نہیں کر سکی تھی، وہی لہجہ، وہی مزاج تھا، صبا کے کہنے پر وہ آ تو گئی تھی، مگر بہت بیزاری سی لگ رہی تھی، اسے پاکستان بالکل پسند نہیں تھا، نہ ہی اس کا یہاں کوئی دوست تھا، سال دو سال میں وہ اگر یہاں آ بھی جاتی تو ہفتے دو ہفتے سے زیادہ اس کا قیام نہ ہوتا، ہوٹلنگ، کرتے ہوئے وہ وقت گزارتی، بظاہر وہ اردو بولتی تھی، مگر وہ امریکن فطرت کی مالک تھی، ہوتا بھی یہی تھا لباس اور زبان تو پاکستانی ہوتی ہے، لیکن اب ایک بچہ جہاں بروٹ اپ ہوتا ہے اسی معاشرے کا وہ ایک حصہ بن جاتا ہے، یہی بھول ارج کے معاملے میں تھی، بظاہر زبان اردو مگر ذہن اس کا مغربی، اس کی سوچ کا انداز سب کچھ امریکن تھا، ایسی شادیوں کی یہی بدنصیبی ایک دن سامنے آتی ہے، اشمل بظاہر مغربی ڈریس میں ہوتا تھا لیکن اس کی سوچ پاکستانی تھی، یہ ایک ایسا تضاد ہے جو لوگوں کو بہت کم نظر آتا ہے، ہر شخص امریکن لڑکی کو دیکھ کر یہی سوچتا ہے کہ زبان اور لباس اپنے جیسا ہے لیکن ذہن اور دل ان کی اپنی سوچ سب کچھ الگ ہوتی ہے۔ مبین عباسی جو کہ صبا کے بڑے بھائی تھے انہیں حالات کا علم تھا، وہ امریکا میں سیٹل تھے، ولید حیدر اور مبین عباسی میں اختلاف رہا، مبین عباسی ایک لالچی انسان تھا، ولید حیدر کو وہ کئی بار چیٹ کر چکا تھا، اس لیے ولید حیدر مبین عباسی کو پسند نہیں کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ مبین عباسی نے ارج اور اشمل کی شادی کو خفیہ رکھا، ولید حیدر، مبین عباسی سے کوئی بھی تعلق نہیں رکھنا چاہتے تھے، اس بات کا صبا کو اندازہ تھا، اشمل اور ارج نے وہاں اپنی پسند سے شادی کی تھی اور ان کی شادی کرانے میں مبین عباسی کا ہاتھ تھا۔

☆.....☆.....☆

اشمل سے بات کرنے کے بعد کچھ عجیب سی فکرمندی میں گھری ہوئیں وہ آئینے میں بار بار اپنا فیگر دیکھ رہی تھیں، ان کا بہت سمپل سا پروگرام تھا کہ رومی خود اچانک منظر سے ہٹ جائے گی، انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ اشمل آہستہ آہستہ رومی کی طرف مائل ہو رہا ہے، اس کی حیثیت ولید ہاؤس میں ایک فرد کی سی ہوتی جا رہی ہے، گھر میں آج کیا پکے گا، مینو رومی کا چلتا، دادی ناشتے میں آج دلیہ لیں گی یا جوس، یہ رومی بتائے گی، آہستہ آہستہ انہوں نے محسوس کیا تھا کہ اشمل کی آفس ڈریسنگ میں رومی انوالو ہے، ہر جگہ رومی، رومی ہو رہا تھا۔ کوئی بھی اہم بات ہوتی ولید، رومی سے مشورہ کرتے، اس کی ذہانت کے چرچے تھے، وہ خود بھی اس بات کا اعتراف کرتیں تھیں کہ جب سے رومی اس گھر میں آئی ہے، انہوں نے اپنے اندر ینگ ہونے کا احساس محسوس کیا تھا، کبھی کبھی رومی کے لک، اس کی ڈریسنگ، اس کے بات کرنے کا انداز صبا خود کو ان ٹچ محسوس کرتی تھیں، بات یہاں پر نہ انا کی تھی اور نہ ضد کی، بات تھی ذاتی مفاد کی کہ کس کا کتنا مفاد ہے، لیکن اچانک اشمل کے رویے نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، ارج کے آنے کی خوشی سے وہ کسی حد تک مطمئن ہو گئی تھیں، لیکن اشمل کا رویہ ان سے بہت کچھ کہہ گیا تھا، وہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھیں کہ اب کیا کرنا ہے، بہت کشادہ سے بیڈروم میں بہت بے چینی سی ادھر سے ادھر گھوم رہی تھیں، آئینے میں وہ خود کو بار بار دیکھتے ہوئے آنے والے حالات کو کیسے ہینڈل کرنا ہے ولید حیدر کی موجودگی میں رومی کو ولید ہاؤس سے دور کرنا اتنا آسان نہ تھا۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

مکمل ناول

اِک روشن دِیا

ہاں سراج! میں سب کو جواب دے سکتی ہوں، میرے پاس بہت کچھ ہے، تم بس اپنے والدین کو میرے گھر بھیجو، باقی کا کام میں سنبھال لوں گی"۔ اس نے سراج کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کے تمام وہم دور کر دیئے۔

"مجھے آج تم پر فخر ہو رہا ہے"۔ وہ وارفتگی سے بولا۔

"مجھے بھی تم پر.....!"

"ویسے تم اتنی عقلمند بھی ہو سکتی ہو یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا"۔ وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"میں اتنی عقلمند کہاں ہوں، میں تو ایک بے وقوف لڑکی ہوں، مجھے عقلمند بنانے والی فریال ہے، میرے احساس کو

جگانے والی تو وہ ہی ہے، اسی نے مجھے پیار کی اہمیت کا صحیح سے احساس دلایا، تم درحقیقت میرے لیے کیا ہو یہ اس نے مجھے بتایا، اس نے مجھے سمجھایا، اسی نے مجھے عکس دکھلایا، میں تو پاگل تھی"۔ اسے سراج کا کہا برا نہیں لگا تھا بلکہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہی تھی۔

"فریال.... آئی تھنک یہ وہی لڑکی ہے ناں، تمہارے بھائی کے دوست کی بہن؟" سراج نے ذہن پر زور دیتے ہوئے تصدیق چاہی۔

"ہاں بالکل..... میں نے ہمیشہ اس کے ساتھ برا برتاؤ کیا، اسے کبھی اچھی نگاہ سے نہ دیکھا، لیکن اسی نے مجھے آئینہ دکھایا، اسی کی وجہ سے آج میں نے دوبارہ اپنی قیمتی چیز پالی ہے"۔ اسے بہت ندامت ہو رہی تھی۔

"ہوں..... اب تو جان گئی ہو نا کہ وہ ایسی ہے، اسی لیے کہتے ہیں کہ کسی کو بھی جانے بغیر اس کے بارے میں کچھ بھی کہنا نہیں چاہیے، اور ویسے بھی وہ جو بھی ہے میرے لیے تو فرشتہ ہے، تو پھر کب ملوا رہی ہو اس سے؟" وہ اس کے قریب آ کر شوخی سے بولا، وہ دونوں یہ بھول گئے تھے کہ وہ پبلک پارک میں موجود ہیں، آس پاس سے گزرتے لوگ انہیں دبی دبی مسکراہٹوں کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔

"بہت جلد ملواؤں گی"۔ وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی، پھر دونوں ہی مسکرا اٹھے، ان دونوں کے دل صاف ہو چکے تھے۔

☆.....☆.....☆

زیبا کو فریال کا سلیقہ بہت پسند تھا، اس نے بہت جلد ہی ان کے دل میں جگہ بنالی تھی، زیبا کو اس کے کام کرنے کا طریقہ اور سنجیدہ پن بے اختیار اچھا لگتا تھا، کبھی کبھی وہ سوچتی تھیں کہ کاش سنجیدہ بھی فریال کی طرح ہوتی تو اسے دوسرے گھر بھیجتے ہوئے پریشانی نہ ہوتی۔ اس وقت بھی وہ صوفے پر براجمان تھیں اور کسی چیز کی لسٹ تیار کر رہی تھیں، اور فریال خاموشی کے ساتھ ان کے روم کی سیٹنگ کر رہی تھی، فریال نے بیڈ پر رکھے تکیے کے نیچے آٹھ، دس تصویریں رکھی دیکھیں، اس نے تصویریں اٹھا کر ایک ایک کر کے ساری تصویریں دیکھیں، ہر لڑکی پرکشش، ماڈرن اور خوبصورت تھی، فریال کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ یہ تصویریں ان کے تکیے کے نیچے کیا کر رہی ہیں، اس نے ناسمجھی سے ڈائری پر جھکی ہوئی زیبا کو دیکھا، اس نے دوبارہ تصویروں کو وہیں پر رکھا، اور پھر آ کر زیبا کے ساتھ بیٹھی، انہوں نے مسکرا کر ڈائری بند کی اور اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"تمہارا بھائی کیسا ہے؟ تمہاری اس سے بات ہوتی ہے؟" ان کے لہجے میں ہمیشہ نرمی اور لبوں پر مسکراہٹ ہوا کرتی تھی۔

"جی! ان سے بات ہوتی ہے اور وہ ٹھیک ہیں"۔ اس نے جھکے سر کے ساتھ جواب دیا، ایسا جواب دیتے وقت شرمندگی بھی محسوس ہو رہی تھی کہ وہ جو بھی بول رہی ہے وہ جھوٹ ہے۔

"ویسے تو نوخیز کے دوست بہت کم ہیں اور وہ جتنے بھی ہیں ان سب کو میں جانتی ہوں، لیکن تمہارے بھائی کا کبھی ذکر نہیں کیا"۔ وہ پرسوچ انداز میں بولیں، فریال کی جھکی نگاہیں اور جھک گئیں۔

"ویسے بھی تو وہ اب بہت مصروف رہنے لگا ہے، گھر کو ٹائم ہی کہاں دے پاتا ہے"۔ وہ تاسف سے بولیں۔

"ایک بات پوچھوں؟" اس کی آواز نہایت دھیمی تھی۔

"ہاں بالکل بیٹا!"

"میں نے ابھی آپ کے تکیے کے نیچے کچھ تصویریں دیکھی ہیں، وہ کن کی ہیں؟" اس نے جھجک کر استفسار کیا، وہ ہنس دیں۔

"ایسی تصویریں تمہیں بہت دیکھنے کو ملیں گی، ایک عورت ہے جو رشتے کرواتی ہے، وہی لا کر دیتی ہے، دراصل میں نوخیز کی شادی کی بہت خواہشمند ہوں، لیکن وہ مانتا ہی نہیں"۔ انہوں نے بات کا خلاصہ کیا۔

"اگر نوخیز شاہ مان بھی جائے تو کوئی لڑکی نہیں مانے گی ان کے لیے"۔ فریال نے دل ہی دل میں سوچا۔

"کیا تمہارا بھائی بھی ایسا کہتا ہے؟" انہوں نے گہری سانس اپنے اندر اتارتے ہوئے پوچھا۔

"جی.....وہ کہتے ہیں کہ پہلے اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاؤں"۔ اس نے بہت سیدھے الفاظوں میں جھوٹ گھڑا، وہ سر ہلاتی رہیں، اور پھر وہ وہاں سے اٹھ کر ٹی وی لاؤنج میں چلی آئی۔

امبر کی ابھی ہاسپٹل سے واپسی نہیں ہوئی تھی، اور سنجیدہ بھی سراج سے ملنے گئی ہوئی تھی، فریال کو پورا یقین تھا کہ وہ اور سراج ایک دوسرے کے ساتھ ٹھیک ہو جائیں گے، ٹی وی پر نیوز چینل لگا ہوا تھا، اس کی نگاہیں ٹی وی اسکرین پر تھیں، نوخیز شاہ گردن اکڑائے لاؤنج میں داخل ہوا، کاٹن کے وائٹ سوٹ میں وہ بہت سوبر لگ رہا تھا، مگر چہرے پر

وہی سپاٹ تاثرات تھے، وہ اس کے برابر والے صوفے پر براجمان ہوا، اگر وہ گھر پر ہوتا تھا تو اس وقت وہ نیوز دیکھتا تھا وہ اس وقت بھی نیوز دیکھنے کی غرض سے آیا تھا، ایک نظر فریال پر ڈال کر وہ نیوز کی جانب متوجہ ہو گیا، فریال کو اس کی موجودگی میں کوفت ہو رہی تھی، اسے گھبراہٹ بھی ہو رہی تھی اور وہ وہاں سے اٹھنے کا سوچ رہی تھی، مگر ہمت بھی نہیں ہو پا رہی تھی، اس نے سر اپنی ہتھیلیوں پر جھکا دیا، ایک بار پھر نوخیز شاہ کی بھٹکتی ہوئی نگاہ اس پر جا رکی تھی۔ ذہن اسے نصیحت کرتا اور دل عجیب عجیب سوال کرتا۔ اسی دوران سنجیدہ دوڑتی ہوئی آئی اور اس کے ساتھ بیٹھ کر اس سے لپٹ گئی، فریال کو خوشی کے ساتھ حیرانگی بھی ہو رہی تھی، نوخیز شاہ کی بھی فریال سے ملتی جلتی حالت تھی، وہ سنجیدہ کے بدلتے ہوئے روپ کو دیکھ کر حیران تھا۔

"اٹھو اور میرے ساتھ چلو"۔ فریال سے الگ ہوتے ہوئے وہ خوشی سے بولی اور اسے لے کر وہاں سے چلی گئی، نوخیز شاہ لب کاٹتا رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

اگلے روز اچانک ہی میرزاد کی آمد ہو گئی، اسے دیکھ کر فریال اور سنجیدہ دونوں ہی بہت خوش ہوئیں، ان تینوں نے ساتھ بیٹھے ڈھیر ساری باتیں کیں، میرزاد انہیں ہنساتا رہا اور وہ دونوں ہنستی رہیں، وہ لاؤنج میں بیٹھے باتیں ہی کر رہے تھے کہ نوخیز شاہ اپنے مخصوص یونیفارم اور آنکھوں پر گلاسز لگائے داخل ہوا، اسے دیکھتے ہی ان تینوں کی ہنسی کو بریک لگے، میرزاد کو دیکھ کر جانے کیوں اسے اچھا نہیں لگا، اس کے چہرے پر بیزاریت کے تاثرات واضح تھے۔

"تم کب آئے؟" نروٹھے پن سے پوچھا۔

"آج صبح ہی آیا ہوں"۔ وہ ادب میں کھڑا ہو گیا اور خود ہی مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا، نوخیز شاہ نے بے دلی سے ہاتھ ملایا۔

"خیریت سے آئے ہو؟" اس نے مشکوک انداز میں پوچھا۔

"جی ہاں، وہ دراصل کسی کام کے لیے آیا تھا تو سوچا یہاں کا بھی چکر لگا لوں، بس ایک گھنٹے تک میری واپسی ہے"۔ وہ پولیس والا تھا جب تک پوری تفصیل نہ پوچھ لے، تب تک اس کے سوال ختم نہیں ہوتے تھے، مگر میرزاد کو اس کے سوال پوچھنا اچھا نہیں لگا تھا، وہ تھکاوٹ سے سر ہلاتا فریال پر نظر ڈالتا ہوا واپس چلا گیا۔

"نوخیز بھائی ہیں بڑے تیز"۔ وہ صوفے پر گرنے والے انداز میں بیٹھا۔

"ان کی نیچر ہی ایسی ہے، ورنہ وہ دل کے بہت اچھے ہیں"۔ سنجیدہ نے اپنے بھائی کی تعریف کی، میرزاد نے منہ چڑایا۔

"ہاں سنجیدہ ٹھیک بول رہی ہے، وہ واقعی میں دل کے بہت اچھے ہیں"۔ فریال نے بھی تائید کی۔

"ہم م م م.....بہت اچھے سے انہیں جانتی ہو"۔ وہ اس پر سر جھکا کر دلچسپی سے پوچھ رہا تھا، فریال نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"بلاشبہ وہ ایک پولیس آفیسر ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بدلحاظ اور برے کردار کے ہیں بلکہ وہ تو صاف دل کے ہیں، وہ دوسروں کا احساس کرنا جانتے ہیں، اتنا تو میں انہیں جان گئی ہوں، ویسے ان کی نیچر ذرا ایسی ہے،

مجھے خود ان سے گھبراہٹ ہوتی ہے"۔

"تم لوگوں کو بہت جلدی پرکھ لیتی ہو"۔ وہ بولا۔

"ہاں شاید ایسا بھی ہو"۔ میرزاد کو اس کی سوچ بہت امپریس کرتی تھی، وہ بغور اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"یہ بالکل ٹھیک بول رہی ہے، پہلے میری سوچ بھی فریال کے لیے غلط تھی مگر جب میں نے اسے قریب سے جانا تو یہ بہت سویٹ نکلی"۔ سنجیدہ نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔

"اس کا مطلب تو یہ بھی ہوسکتا ہے نا کہ جو تم نوخیز شاہ کے بارے میں رائے دے رہی ہو وہ غلط بھی ثابت ہوسکتی ہے؟"

"ایسا ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی، یہ میری رائے نہیں، یہ میرا یقین ہے کہ وہ بہت صاف دل کے انسان ہیں"۔ وہ پریقین لہجے میں بولی۔

"تو پھر میرے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جی؟" وہ کالر اچھال کر شوخی سے بولا۔ فریال کو ہنسی آ گئی۔

☆.....☆.....☆

ابلتے پانی میں اس نے چاول دھو کر ڈالے، نوخیز شاہ بلیک ٹراؤزر اور براؤن شرٹ میں ملبوس اس کے عقب سے آ کر اس سے تھوڑا فاصلے پر کھڑا ہوا، اس نے بے نیازی سے دوپٹہ گلے میں ڈالا ہوا تھا، نوخیز شاہ کی موجودگی پر ہڑبڑا گئی اس نے سرعت سے دوپٹہ سر پر اوڑھا۔

"اگر تمہیں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو تم مجھے بتا دینا"۔ وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا، فریال اس سے نگاہیں نہیں ملا پا رہی تھی۔

"مجھے بنا مانگے ہی یہاں سب کچھ مل جاتا ہے"۔ اس نے ایک ہاتھ ٹراؤزر کی پاکٹ میں ڈال کر اسے طائرانہ نگاہوں سے دیکھا۔

"میں سوچ رہا تھا، تم شاپنگ کر لو"۔ وہ جتنی اس سے بات کر رہا تھا وہ اتنی ہی نروس ہو رہی تھی۔

"امبر باجی! میرے لیے شاپنگ کر کے آئی تھیں، میرے پاس سب کچھ ہے"۔ اسے مطمئن کرنے کے لیے تفصیلی جواب دینا ضروری تھا۔

"ٹھیک ہے تمہاری مرضی، لیکن پھر بھی کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک مجھ سے کہہ دینا"۔ وہ اس کے بالکل ساتھ کھڑا تھا، وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔

"اور اگر کوئی پریشانی ہو تو مجھ سے شیئر کر سکتی ہو"۔ اس نے یونہی گلاس اٹھانا چاہا مگر اس کا شولڈر فریال کے شولڈر سے ٹکرایا، وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔

"اگر تمہیں کوئی بھی کچھ کہے، تم مجھے بتانا"۔ وہ بات کرنے کے لیے کچھ بھی بولے جا رہا تھا، اس نے چونک کر نوخیز شاہ کو دیکھا، پھر محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"اگر تم احد سے ملنا چاہتی ہو تو تم کل شام اس سے مل سکتی ہو"۔ تھوڑا سوچنے کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا۔

"سچ میں؟" اس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات دیکھ کر نوخیز شاہ بھی مطمئن ہو گیا۔

"میں ان سے ضرور ملنا چاہوں گی"۔ وہ پرجوش ہوئی۔

"ٹھیک ہے، تم کل شام کو تیار رہنا، میں تمہیں لے چلوں گا"۔ وہ بول کر چلا گیا۔

چاولوں کو دم لگا کر اس نے چائے کا پانی رکھا، احد کیسا بھی تھا لیکن اس کا بھائی تھا، وہ خود اس سے ملنا چاہتی تھی، اسے اپنے گھر اور گھر والوں کی بہت یاد آ رہی تھی، اس کی آنکھیں بھر آئیں، آنسو پونچھ کر اس نے چائے انڈیلی اور امبر کے روم میں چلی آئی۔

"سنجیدہ کہاں گئی؟" اس نے ٹرے رکھتے ہوئے پوچھا۔

"سراج کا فون آیا تھا، اس لیے وہ اپنے روم میں گئی ہے، میں تو ان کے لیے پریشان ہوں، اب پہلے سنجیدہ کو مام، ڈیڈ سے بات کرنی ہوگی، اس کے بعد ہی بات آگے بڑھ سکتی ہے"۔

"تو کیا انکل اور آنٹی مان جائیں گے؟" فریال کو تشویش ہوئی۔

"بہت مشکل لگ رہا ہے، لیکن وہ سنجیدہ سے بہت پیار کرتے ہیں اور مجھے یہ بھی لگتا ہے کہ سراج سے ملنے کے بعد شاید وہ مان جائیں"۔ وہ پرامید سی ہوئی۔

"زیبا آنٹی نوخیز شاہ کی شادی کے لیے پریشان ہیں اور سنجیدہ بھی اب شادی کرنا چاہتی ہے، تو آپ کا ارادہ کیا ہے؟" وہ تھوڑا الجھی ہوئی تھی اور اس کے ہونٹوں پر شریر مسکراہٹ بھی تھی، امبر یک لخت چند سیکنڈ کے لیے ساکت ہو گئی، پھر دھیرے سے کپ ٹرے میں رکھ کر گویا ہوئی۔

"میں ایک طلاق یافتہ لڑکی ہوں"۔ وہ افسردہ ہو گئی تھی، اتنے بڑے انکشاف پر وہ آنکھیں پھاڑے امبر کو دیکھ رہی تھی۔

"مجھے دیکھ کر شاید کوئی ایسا نہیں بول سکتا کہ مجھے زندگی میں اتنا بڑا غم بھی ملا ہو"۔ اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ رینگ گئی۔

"مجھے بھی عام لڑکیوں کی طرح کم عمری میں ہی کوئی پسند آ گیا تھا، اسد میرا کلاس فیلو تھا، ہم ایک ساتھ بیٹھتے، ایک ساتھ اسٹڈی کرتے، ایسا لگتا کہ بس زندگی اسی کا نام ہے، ایف۔ایس۔سی کے بعد اس نے اچانک ہی کالج چھوڑ دیا، اس نے کہا کہ گھر کی ذمے داری اسی پر ہے، اب اسٹڈی کے لیے اس کے پاس ٹائم نہیں، میں نے بھی زیادہ اس سے سوال نہیں کیے، لیکن پھر بھی ہمارا ملنا جلنا لگا رہتا، وہ مجھے بہت خوبصورت خواب دکھاتا تھا، اور میں یہی سمجھنے لگی تھی کہ میری دنیا اسی سے شروع ہے اور اسی پر ختم، وقت گزرتا گیا، وہ مجھ سے شادی کرنے کا کہتا تھا، لیکن میری شرط یہ تھی کہ میں پہلے ڈاکٹر بن جاؤں اور پھر بعد میں شادی کروں گی۔

پھر وہ دن بھی آ گیا، میرا خواب پورا ہو گیا، میں ڈاکٹر بن گئی اور پھر اسی دوران میں نے گھر والوں کو اسد کے بارے میں بتایا، پہلے مام، ڈیڈ کو اعتراض ہوا، لیکن نوخیز بھائی میرے ساتھ تھے، انہوں نے ہی مام، ڈیڈ کو راضی کیا، پھر وہ اسد اور اس کی فیملی سے ملے، اس کی فیملی سادہ اور پڑھی لکھی تھی، اور اس طرح میں شادی کر کے اسد کے گھر رخصت ہو گئی، اس کا گھر میرے گھر کی طرح وسیع تو نہ تھا، مگر میں بہت مطمئن تھی کہ جن دو چیزوں کی میں خواہش مند تھی، وہ مل گئیں، پہلے تو اسد نے مجھے بہت اہمیت دی، دھیرے دھیرے وہ بدلتا گیا"۔ غم کے مارے ان سے آگے

بولا نہ گیا تو وہ خاموش ہوگئی، فریال بغور انہیں سن رہی تھی، اسے حیرت بھی ہو رہی تھی۔

"وہ مجھے مجبور کرنے لگا کے میں اپنے ڈیڈ سے رقم لے کر اسے دوں، پہلے جو وہ معمولی جاب کرتا تھا، وہ بھی اس نے چھوڑ دی، اس کی تینوں بہنیں شادی شدہ تھیں، اس کے ماں، باپ اسے کمانے کا کہتے نہیں تھے، شاید اس لیے کہ وہ بہت بدتمیز تھا، یہ بھی مجھے شادی کے بعد معلوم ہوا تھا، اور وہ کسی کو بھی دوٹوک سنانے سے گریز نہیں کرتا تھا، شروع میں تو میں ڈیڈ سے کسی طور پیسے لے کر دے دیتی تھی، گھر بھی میری سیلری سے چلتا تھا، آہستہ آہستہ اس کی فرمائشیں بڑھتی جا رہی تھیں، وہ بھاری سے بھاری رقم مانگتا، اس کی ہمت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ مجھ پر ہاتھ بھی اٹھانے لگا، میں اپنا گھر بچانے کے لیے یہ بھی برداشت کرتی رہی، کبھی اپنے گھر والوں کو خبر تک نہیں ہونے دی، لیکن وہ بھی والدین تھے سب سمجھ رہے تھے، میں بھلا ان سے کہتی بھی کیا، اسد کا انتخاب بھی تو میرا ہی تھا۔ میں کب تک ڈیڈ سے اسے رقم لے کر دیتی؟ پھر میں انکار کرنے لگی، میں اسے سمجھانے کی بھی کوشش کرتی مگر وہ مجھ پر لعن، طعن کرتا، ایک دن اس نے مجھے طلاق کی دھمکی دی اور میں کمزور عورت اس کی اس دھمکی پر اور بھی کمزور ہوگئی، اور میری جو بھی بینک میں جمع شدہ رقم تھی وہ سب اسے دے دی، اس کے بعد اس کا منہ نہیں بند ہوا۔ اس میں احساس ہی نہیں رہا تھا، میں کب تک اسے سمجھاتی، پھر میں نے اسے کچھ سمجھانا ہی چھوڑ دیا، اس گھر میں مجھے چین نہیں آ رہا تھا، مجھے سکون نہیں ملتا تھا، ایک دن اسد کی موجودگی میں مام گھر پر آئیں، اس نے مام سے بدتمیزی سے بات کی، مام کو اس کے بات کرنے کے انداز پر غصہ آیا، انہوں نے اسے کھری کھری سنا دیں، تو وہ ان سے اور بدتمیزی پر اتر آیا، تب مام مجھے غصے میں اسی وقت گھر لے آئیں، لیکن پھر بھی میں اسد کے پاس جانے کے لیے بضد تھی، کہ میرے لیے اپنے والدین سے نگاہیں بھی ملانا شرمناک ہو رہا تھا، نوخیز بھائی کو بھی میں نے روکا ہوا تھا ورنہ وہ اس کا حال بہت برا کر دیتے۔ ایک ہفتے بعد اسد آیا اور کچھ بحث کے بعد اس نے مجھے سب کے سامنے طلاق دے دی، میرے ساتھ ساتھ گھر کا ہر فرد سکتے میں تھا، وہ طلاق دے کر چلا گیا، اس نے مجھے ہمیشہ کے لیے آزاد کر دیا، میرے گھر والے خاموش تھے، وہ مجھے سنبھال رہے تھے، اور پھر ایک مہینے کے اندر اس نے پیپرز بھی بھجوا دیے، مجھے کسی نے بھی ایک حرف نہیں کہا، سب مجھے حوصلہ دیتے رہے، تب سے میرا مرد ذات سے بھروسہ ہی ختم ہوگیا، بظاہر میں خوش ہوتی ہوں مگر کبھی کبھی خود کو اندر سے بہت اداس محسوس کرتی ہوں"۔ اس کی آواز رندھ گئی، اس سے مزید نہیں بولا جا رہا تھا، فریال کی آنکھیں بھی نم تھیں، اس نے سسکتی ہوئی امبر کو خود سے لگا لیا، دل ہلکا کرنے کے بعد اس سے الگ ہوئی، ہاتھ کی ہتھیلی سے آنسو صاف کیے اور بولی۔

"جب سنجیدہ نے مجھے سراج کے بارے میں بتایا تو مجھے اچھا نہیں لگا، میں آج بھی اندر سے بہت ڈری ہوئی ہوں، میں نے سنجیدہ کو بہت سمجھایا، کہ پیار اور پسند یہ سب بچکانا باتیں ہیں، بعد میں اس کی حقیقت بہت بھیانک نکلتی ہے، ابھی اسے ان باتوں سے آزاد رہنا چاہیے، میں نے اپنے مطابق اسے خوب سمجھانے کی کوشش کی، لیکن سنجیدہ میری ہر بات کو غلط ثابت کرتی، وہ سراج کے بارے میں بتاتی اور بے انتہا خوش ہوتی، میں پھر بھی نہ مانتی، پھر ایک دن اس نے مجھے سراج سے ملوایا اور سچ میں مجھے بھی سراج میں کوئی کمی نظر نہ آئی، مجھے بھی بہت اچھا لگا، اس نے بھی مجھے یقین دلایا کہ وہ سنجیدہ کے ساتھ ہمیشہ وفا نبھائے گا، پھر میں نے خود بھی سوچا کہ ہر انسان ایک جیسا تو نہیں ہوتا،

خدا کرے وہ بھی سنجیدہ کو دکھ نہ دے، وہ اسے ہمیشہ خوش رکھے، کیونکہ سنجیدہ بہت حساس ہے اور اب دوسری حقیقت بھی اس کی معلوم ہوگئی ہے۔ بس اب یہی دعا ہے کہ مام، ڈیڈ اور بھائی بھی راضی ہو جائیں"۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ وہ ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر صرف اتنا ہی کہہ پائی۔

☆..........☆..........☆

سنجیدہ اس کے لیے گرین ٹراؤزر اور ایپرلائن شرٹ اور ہم رنگ دوپٹہ لائی تھی، وہ ڈریس قابل تعریف تھا، وہ اسے سراج سے ملوانے جا رہی تھی، جس پر وہ مسلسل انکار کیے جا رہی تھی، لیکن سنجیدہ بھی اسے لے جانے کے لیے بضد تھی، فریال کو ہچکچاہٹ ہو رہی تھی۔

"ڈر کیوں رہی ہو یار! سراج بہت اچھا ہے"۔ بالوں پر برش کرتے ہوئے اس نے فریال کو تسلی دی۔

"میں ان سے آپ کی شادی میں مل لوں گی"۔ وہ منمنائی۔

"کچھ بھی کر لو، میں تو تمہیں آج لے جاؤں گی"۔ وہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے کندھے اچکا کر بولی۔ گاڑی میں وہ دونوں ہلکی پھلکی باتیں کرتی رہیں، سنجیدہ گاڑی بہت تیز رفتاری میں چلا رہی تھی، مین روڈ پر لوگوں کی بھیڑ تھی، گاڑی روک کر وہ دونوں باہر آئیں، آگے جا کر دیکھا تو تین چار آدمی ایک نوجوان مگر نشے میں دھت لڑکے کو بری طرح پیٹ رہے تھے، وہ متوحش زدہ حمزہ کو دیکھ رہی تھی، وہ سر جھکائے مار کھا رہا تھا، اس کا دل تڑپ اٹھا، وہ تیزی سے جا کر اس کے آگے کھڑی ہوگئی، سنجیدہ کو تشویش ہوئی، وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ فریال نے ایسا کیوں کیا؟

"اسے کیوں مار رہے ہو؟" سنجیدہ نے پاس کھڑی عورت سے پوچھا۔

"یہ لڑکا اس میڈم کا بیگ لے کر بھاگ رہا تھا، موقع پر پکڑا گیا"۔ عورت نے اسے حقارت سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ کیوں اسے بچا رہی ہیں، ایسے لوگوں کی تو حالت خراب کر دینی چاہیے، اور پھر پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے"۔ ان میں سے ایک آدمی نے زہریلے انداز میں کہا، فریال رو پڑی۔

"پلیز اسے چھوڑ دو"۔ وہ سہمی ہوئی تھی، سسک کر التجا کر رہی تھی۔

"ارے میڈم! ایسے لوگوں پر ترس مت کھاؤ، جب یہ آپ کے ساتھ بھی ایسا کریں گے تو آپ کو پتہ چلے گا"۔ ساتھ کھڑے دوسرے آدمی نے تلخی سے کہا۔

"میں نے کہا نا اسے معاف کر دو، آپ کو آپ کا پرس مل گیا نا؟" اس بار اس کا لہجہ بھی تلخ ہوگیا۔

"بہت رحم دل ہو تو اسے اپنے گھر ہی لے جاؤ"۔ ایک عورت نے ہاتھ نچا نچا کر کہا۔

"آپ لوگوں کا بھی پسندیدہ مشغلہ بس تماشا دیکھنا ہی ہوتا ہے، آپ سب میں سے تو کسی کا نقصان نہیں ہوا ناں؟ کتنے تھے بیگ میں پیسے؟" سنجیدہ کو بلاوجہ تماشے پر غصہ آیا۔

"آٹھ ہزار روپے تھے اس بیگ میں"۔ وہی عورت پھر بولی۔

"بس.... لیکن آپ کو آپ کا بیگ صحیح سلامت مل گیا ناں؟ آپ لوگ کہاں کے مسلمان ہیں، کچھ پیسوں کے لیے آپ کسی کو اس طرح پیٹ رہے ہیں، اسے ذرا ایک بار غور سے دیکھو، اگر یہ ہوش و حواس میں ہوتا تو آپ لوگوں

کا اس پر غصہ بھی اچھا لگتا، مگر وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے، اگر خدانخواستہ اس کی جگہ آپ کا کوئی اپنا ہوتا تو پھر بھی ایسا کرتے؟'' سنجیدہ غصے سے بولی، ہر کوئی بڑبڑاتا ہوا ادھر ادھر چلا گیا، فریال حمزہ کے ساتھ کھڑی آنسو بہا رہی تھی، سنجیدہ ان دونوں کے پاس آئی، اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ ایساری ایکٹ کیوں کر رہی ہے۔

''فریال! یہ کون ہے؟ کیا تم اسے جانتی ہو؟'' اس نے ان دونوں کو بغور دیکھا، حمزہ نظریں جھکائے کھڑا تھا، اس کا حلیہ بری طرح بگڑا ہوا تھا۔

''یہ میرا حمزہ ہے''۔ وہ ہچکچاتے ہوئے بولی، وہ مزید جھوٹ نہیں بول سکتی تھی، سنجیدہ دم بخود اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''یہ تمہارا بھائی ہے؟'' اس نے سر تھام لیا۔

''ہاں! میں ایسے ہی بھائیوں کی بہن ہوں، میرا ایک بھائی احد ہے جو ایک مجرم ہے، جو جیل میں اپنی سزا کاٹ رہا ہے، میں نوخیز شاہ کے کسی دوست کی بہن نہیں ہوں، انہوں نے سب سے جھوٹ بولا ہے، محض اس لیے کہ سب مجھے اچھی نگاہ سے دیکھیں''۔ وہ منہ پر ہاتھ کی پشت رکھ کر سنجیدہ پر انکشافات کیے جا رہی تھی۔

''ریلیکس.... چلو چل کر گاڑی میں بیٹھو اور اپنے بھائی کو بھی پیچھے والی سیٹ پر بٹھاؤ، سراج ہمارا ریسٹورنٹ میں انتظار کر رہا ہوگا''۔ یہ بول کر اس نے فریال کے دل سے سارا خوف نکال دیا، وہ ستائشی نظروں سے اسے دیکھتی رہی، حمزہ کو پچھلی سیٹ پر بٹھا کر وہ خود فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اور سنجیدہ نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''مجھے ہمیشہ یہی ڈر لگا رہتا ہے کہ اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو اتنے پیار کرنے والے رشتے مجھ سے الگ ہو جائیں گے''۔ وہ لرز رہی تھی۔

''لیکن بھائی نے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولا؟'' سنجیدہ ابھی تک الجھی ہوئی تھی۔

''مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا وہ یہ جھوٹ بولیں گے، اس وقت تو میں بھی حیران تھی، لیکن ان [illegible] سے مجھے بہت اہمیت و پیار ملا، میں ان کی بہت مشکور ہوں''۔ وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آ[illegible] لہجے میں بتا رہی تھی اور پھر سنجیدہ کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی، باتوں ہی باتوں میں وہ ریسٹورنٹ پہنچ گئے، اس نے گاڑی پارک کی۔

''تم بھی چلو، سراج ہمارا ویٹ کر رہا ہوگا''۔ وہ گاڑی سے اترتے ہوئے بولی۔

''نہیں، میں حمزہ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی''۔ اس نے پچھلی سیٹ پر تقریباً لیٹے ہوئے حمزہ کو دیکھا، اس پر بے ہوشی طاری تھی۔

''ٹھیک ہے، میں سراج کو ہی یہاں لے کر آتی ہوں''۔ وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی، اس نے تاسف سے حمزہ کو دیکھا۔ سراج تقریباً دس منٹ بعد سنجیدہ کے ہمراہ ریسٹورنٹ سے نکلا۔

''السلام علیکم!'' نہایت مودب انداز میں اس نے سلام کیا، اس کے ہونٹوں پر نہایت پرسکون مسکراہٹ تھی۔ وہ سلام کا جواب دے کر فرنٹ ڈور کھول کر باہر آگئی، سنجیدہ اس کے ساتھ کھڑی تھی، فریال کو حمزہ کی وجہ سے ہچکچاہٹ بھی ہو رہی تھی کہ سراج اس کے بارے میں کیا سوچے گا۔

''اتنی اداس کیوں ہو بھئی؟'' اس کا لہجہ متبسم تھا، فریال نے سر اٹھا کر نفی میں سر ہلایا۔

''گھبراؤ مت، سنجیدہ مجھے سب کچھ بتا چکی ہے''۔

''آپ بھی میرے لیے پتہ نہیں کیا سوچ رہے ہوں گے''۔ اسے شرمندگی ہوئی، گردن خود بخود جھک گئی۔

''اگر ایسی بات ہوتی تو میں آپ سے اس طرح بات نہ کرتا، آپ بہت سمجھدار ہو، اگر آپ کے ساتھ ایسا ہوا تو یہ آپ کا مقدر ہے، اس میں آپ کی کوئی غلطی نہیں ہے، میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں''۔ سراج نے اتنے خوبصورت انداز میں کہا، اس کے آنسو متواتر بہنے لگے۔

''کچھ نہیں ہوگا، ہم کسی کو بھی نہیں بتائیں گے، اگر نوخیز بھائی نے جھوٹ بولا ہے تو ظاہر ہے کچھ سوچ سمجھ کر ہی بولا ہوگا، تم پہلی لڑکی ہو جس نے سنجیدہ کو امپریس کیا ہے''۔ سنجیدہ نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر تسلی دی۔

''باقی رہا مسئلہ تمہارے بھائی کا، تو اس کے لیے بھی میں نے کچھ سوچا ہے''۔ سراج نے پرسوچ انداز میں کہا، وہ حمزہ ہی کو دیکھ رہا تھا، فریال نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''اسے میں اسپیشل ہاسٹل میں ایڈمٹ کروا رہا ہوں، جہاں اس کا علاج ہوگا، بس کچھ مہینے لگیں گے یہ پھر عام انسانوں کی طرح نارمل زندگی گزارنے لگے گا''۔ اس نے ذرا سی گردن موڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔

''لیکن اس سب کا خرچ وغیرہ.....!'' اسے تشویش ہوئی۔

''میں ہوں نا''۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''آپ کیوں؟''

''اچھا تو مطلب آپ کو یہ پسند نہیں ہے''۔ وہ خفا ہوا۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے، پہلے ہی سب کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں''۔

''تو میں تم پر کوئی احسان نہیں کر رہا ہوں، چلو ایسا کرتے ہیں آج سے آپ میری بہن اور میں آپ کا بھائی ہوں''۔ اس نے مسکرا کر کہا، فریال کی جھجک ہی ختم ہوگئی۔

''لو بھئی! یہاں تو رشتے بھی بن گئے''۔ سنجیدہ بولی۔

''اب چلیں....؟'' سراج نے ان دونوں سے پوچھا، دونوں نے اثبات میں سر ہلایا، سراج نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور سنجیدہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اور فریال پچھلی سیٹ پر آگئی، اس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا، آج اسے سراج کی شکل میں ایک اچھا بھائی مل گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

وہ نوخیز شاہ کے ساتھ اس کی پولیس جیپ میں سینٹرل جیل آئی، وہ اسے اپنے آفس میں بٹھا کر باہر چلا گیا تھا، اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد احد آفس میں داخل ہوا، اسے دیکھ کر فریال کی آنکھیں جھلملائیں، شرمندگی احد کی آنکھوں میں نمایاں تھی۔

''کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو؟'' اس نے انگلیوں کی پوروں سے آنسو صاف کرتے ہوئے جواب کے ساتھ سوال کیا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں، تمہارے لیے پریشان بھی تھا، بھائی ہوتے ہوئے بھی زندگی میں کبھی تمہارے لیے کچھ نہ کر سکا، تمہیں ہمیشہ جھڑکتا رہا اور ایسی دلدل میں پھنستا چلا گیا، جہاں سے دوبارہ نکلنے کا راستہ ہی نہ ملا، میں بہت شرمندہ ہوں کہ میں اماں اور بابا کے بعد تمہارا خیال بھی نہ رکھ سکا، لیکن جب نوخیز شاہ نے بتایا کہ تم ان کے گھر میں رہ رہی ہو، اور وہاں تم خوش ہو، تو میں بہت مطمئن ہو گیا۔ پھر میں نے ان سے درخواست کی کہ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں''۔ وہ بولا تو بولتا چلا گیا، اس کا چہرہ سپاٹ اور لہجہ شرمندہ تھا، پہلی بار احد کو خود کے لیے فکر مند دیکھ کر اسے خوشی بھی ہو رہی تھی، وہ ہر بات بھلا کر مسکرا دی۔

''میں واقعی اس گھر میں بہت خوش ہوں، وہاں سب بہت اچھے ہیں، نوخیز شاہ کے ہم پر بہت احسان ہیں''۔ نوخیز شاہ کا چہرہ اس کی آنکھوں میں چمک رہا تھا، فریال کی نگاہوں میں اس کی عزت بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

''ہاں.... ورنہ کیا ہوتا تمہارا؟''

''اگر خدا ایک راستہ بند کر دیتا ہے تو دوسرا کھول دیتا ہے''۔

''تمہارے جانے کے بعد اماں کی حالت اتنی بگڑی کے وہ ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں''۔

''مجھے بہت افسوس ہے کہ اس وقت میں تمہارے ساتھ نہیں تھا''۔ اسے افسوس ہو رہا تھا۔

''پھر اس کے بعد حسنہ خالہ گھر پر آئی تھیں، اور بول رہی تھی کہ میں ان کے بیٹے بلو سے شادی کر لوں اور اس کے بعد ہمارا گھر کسی کام کا نہیں رہے گا تو وہ ہمارا گھر بیچ دیں گی، میری تو یہ سن کر ہی جان نکل گئی''۔

''وہ ایسے کیسے ہمارا گھر بیچ سکتی ہیں، اور ان کا بیٹا ایک نمبر کا عیاش ہے، وہ تمہارے پاؤں کے بھی برابر نہیں ہے''۔ احد نے طیش میں مٹھیاں بھینچیں، اسے بھی بلو بچپن سے ہی ناپسند تھا۔

''نوخیز شاہ نے ہی مجھے سمجھایا کہ میرا گھر میں اکیلے رہنا ٹھیک نہیں ہے''۔ وہ دھیرے دھیرے اسے سب بتا رہی تھی۔

''اچھا احد! چھوڑو سب باتیں، تمہیں ایک اچھی خبر سناؤں؟'' اس نے خوش ہوتے ہوئے استفسار کیا، احد نے تیزی سے سر ہلایا۔

''حمزہ مل گیا ہے اور سنجیدہ جو نوخیز شاہ کی بہن ہے اس نے اسے ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروایا ہے، جہاں وہ اپنی تمام بری عادتوں سے آزاد ہو جائے گا''۔ خوشی اس کے چہرے اور آنکھوں میں چمک رہی تھی، احد کو یقین نہیں آ رہا تھا، وہ خوشی اور حیرانی کے ملے جلے تاثرات سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم سچ بول رہی ہو ناں؟'' اس نے تصدیق چاہی اور پوری طرح اس کی جانب پہلو بدلا۔

''ہاں میں سچ بول رہی ہوں، مجھے میرے دونوں بھائی مل گئے، مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے''۔ احد کی کیفیت اس سے جدا نہ تھی، وہ دونوں اسی طرح باتیں کرتے رہے۔

''بھائی! جو ہو گیا وہ ہماری تقدیر تھی، اس میں کسی کا بھی کوئی بھی قصور نہیں''۔ اس نے اس کے دونوں جڑے

ہاتھوں کو الگ کیا، نوخیز شاہ خاموش کھڑا ان دونوں کو دیکھ رہا تھا، احد اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر چلا گیا، پھر وہ چپ چاپ نوخیز شاہ کے ساتھ واپسی کے لیے چل پڑی۔

☆.....☆.....☆

سنجیدہ کی غیر متوقع بات سن کر ہال روم میں بالکل خاموشی ہو گئی تھی، طارق شاہ غصے سے سرخ ہو رہے تھے، نوخیز شاہ کو بھی اس کی احمقانہ باتوں پر غصہ آ رہا تھا۔

''ہاں پاپا! میں سچ بول رہی ہوں، میں آپ سب کی رضامندی سے اسے ہمسفر بنانا چاہتی ہوں''۔ وہ پھر سے پرسوچ انداز میں گویا ہوئی۔

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، وہ ہماری حیثیت کا نہیں ہے''۔ زیبا سے رہا نہ گیا، وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولیں، طارق شاہ پشت پر ہاتھ باندھے خاموش کھڑے تھے۔

''مام! اچھی جگہ رشتہ جوڑنے میں حیثیت کوئی معنی نہیں رکھتی''۔ وہ بضد ہوئی۔

''یہ کہنے کی باتیں ہیں اور یہ فالتو باتیں اپنے ذہن سے نکال دو''۔ وہ دوٹوک لہجے میں بولیں۔

''سنجیدہ! میں بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ تمہارا ہر شوق ایک حد تک ہوتا ہے اور جب وہ چیز تمہیں مل جاتی ہے تو اس کے بعد وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی، وہ تمہارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی''۔ انہوں نے ایک اور بار اسے دلیل دے کر سمجھانا چاہا۔

''سراج کوئی چیز نہیں ہے مام!'' اسے برا لگا تھا۔

''ہم ایک بار دھوکا کھا چکے ہیں، اپنی ایک بیٹی کی زندگی برباد کر چکے ہیں، محض اس کی پسند کو ترجیح دے کر، اب دوبارہ ہم وہ غلطی نہیں کریں گے''۔ اسے اب کوفت ہوئی۔

''آپ ایک بار سراج سے مل کر تو دیکھیں''۔ وہ التجائیہ بولی۔

''خاموش ہو جاؤ''۔ طارق شاہ کی آواز اتنی اونچی اور سخت تھی کہ سب چونک گئے۔

''تمہاری ہر ضد پوری ہوتی آئی ہے اسی لیے آج تم اتنی بگڑ گئی ہو کہ اپنے والدین سے اختلافات کرنے لگی ہو''۔ ان کا انداز اتنا سخت اور روکھا تھا کہ بے اختیار سنجیدہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''لیکن ڈیڈ....!''

''بالکل خاموش، اب میں سراج کے بارے میں کچھ نہیں سنوں گا، تم اپنے روم میں جاؤ''۔ انہوں نے اس کی بات کاٹ کر اسے روم میں جانے کا اشارہ کیا، وہ پیر پٹختی ہوئی روم کے بجائے باہر نکل گئی اور اپنی گاڑی لے کر روڈ پر نکل پڑی، پھر مغرب کے بعد وہ واپس لوٹی۔ طارق شاہ پشت پر ہاتھ باندھے بے قراری سے چکر کاٹ رہے تھے، نوخیز شاہ مسلسل اسے کال کر رہا تھا، اس نے ایک کال بھی ریسیو نہیں کی۔

''کہاں چلی گئی تھیں؟'' زیبا متفکر ہو رہی تھیں۔

''سنجیدہ! یہ کیا بدتمیزی ہے، ایٹ لیسٹ ایک تو کال ریسیو کر سکتی تھیں''۔ وہ اس کے سپاٹ چہرے پر غصیلی نگاہ ڈال کر ڈانٹ کر بولا۔ طارق شاہ خود پر ضبط کیے اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئے۔

''مجھ سے یا میری خوشیوں سے کس کو غرض ہے؟'' وہ ہٹ دھرمی سے کہتی ہوئی زیبا کے برابر سے گزر کر اپنے روم میں چلی گئی، بہت دیر سوچنے اور زیبا اور نوخیز شاہ سے مشورہ کرنے کے بعد طارق شاہ نے سنجیدہ تک یہ بات پہنچادی کہ وہ سراج سے ملنا چاہتے ہیں، پھر اس کے بعد ہی وہ کچھ فیصلہ کر پائیں گے۔

☆.....☆.....☆

پندرہ منٹ ڈرائنگ روم میں ویٹ کرنے کے بعد طارق شاہ، زیبا اور نوخیز شاہ داخل ہوئے، انہیں دیکھ کر وہ سیدھا ہو بیٹھا، وہ تینوں ہی اس کے سامنے بیٹھے تھے، اس نے خوش اخلاقی سے مسکرا کر تینوں کو سلام کیا، جس کا ان تینوں نے ہی مسکرا کر ایک ساتھ جواب دیا، وہ بظاہر تو خود اعتماد نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن اندر ہی اندر بہت ڈرا ہوا تھا۔

''میں نے دو تین بار کمپنی میں تمہیں دیکھا تھا، مگر تفصیلی ملاقات کبھی نہیں ہو پائی''۔ طارق شاہ ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ رکھتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئے۔

''جی بالکل! کبھی ایسا موقع ہی میسر نہیں ہوا''۔ وہ مودب انداز میں بہ مشکل بول پایا، اسے اپنا آپ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی جنگ کے میدان میں کھڑا ہو اور کچھ ہی دیر میں زندگی اور موت کا فیصلہ ہونے والا ہو، اس کی زندگی کا یہ سب سے مشکل ترین امتحان تھا اور کچھ بھی کر کے اسے اس امتحان میں پاس ہونا تھا۔

''وہ ٹھیک ہے، لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری عزیز از جان بیٹی کو تم اتنے پسند آؤ گے کہ وہ کسی بھی حد سے گزر جانے سے باز نہیں آئے گی''۔ طارق شاہ اس پر طنز کر رہے تھے۔

''سنجیدہ کو تم اتنا تو جان گئے ہو گے ناں کہ وہ بہت ضدی اور خود سر ہے، اسے جو چیز پسند آجائے وہ اسے پانے کی جستجو کرتی ہے اور پھر جب اسے حاصل کر لیتی ہے تو وہ چیز اس کے لیے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی''۔ اس بار زیبا نے اسے باور کروایا، ان کی پوری بات سن کر وہ مسکرا دیا۔

''آنٹی! پہلی بات تو میں کوئی چیز نہیں بلکہ ایک جیتا جاگتا انسان ہوں اور یہ پسند سنجیدہ کی وہ پسند ہے جو اس کے دل کے کونے میں گھر کر چکی ہے اور کبھی ختم نہیں ہو سکتی''۔ سراج نے طمانیت سے بہت خوبصورت جواب دیا، نوخیز شاہ اس کے اطمینان بھرے جواب پر کچھ چونکا تھا۔

''میں جانتا ہوں، آپ لوگوں کے لیے مجھ پر بھروسہ کرنا تھوڑا مشکل ہے، دیکھیں بھروسہ قطرہ قطرہ جمع ہو کر سمندر بنتا ہے، اور اگر ٹوٹ جائے تو ایک جھرنے کی طرح بہہ جاتا ہے، لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ بھروسہ کریں گے تو میں کبھی بھی اسے ٹوٹنے نہیں دوں گا، اور میں یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا، یہ لفظی اظہار نہیں ہے بلکہ یہ عملی اظہار بھی ہوگا''۔ اس کی باتیں نوخیز شاہ کے دل پر لگ رہی تھیں، اس کا دل سراج پر یقین کر چکا تھا، طارق شاہ نے نوخیز شاہ کی جانب دیکھا۔

''ڈیڈ! ہر کوئی ایک جیسا نہیں ہوتا، مجھے لگتا ہے کہ سراج کو ایک موقع دینا چاہیے''۔ اس نے اپنی رائے پیش کی، کچھ دیر سوچنے کے بعد طارق شاہ گویا ہوئے۔

''ٹھیک ہے، مجھے تم ایماندار لگ رہے ہو، تم اب کے سنڈے اپنے والدین کو لا سکتے ہو، باقاعدہ رشتہ مانگنے کے

لیے''۔ بولتے ہوئے طارق شاہ مسکرا رہے تھے، زیبا بھی مطمئن نظر آ رہی تھیں۔

سراج کی فیملی کے بارے میں سنجیدہ نے پہلے ہی اپنے گھر والوں کو بتا دیا تھا، پہلے انہیں اس بات پر بھی سخت اعتراض تھا مگر سراج سے ملاقات کے بعد وہ سب مطمئن ہو گئے تھے، پھر سراج کے والدین گاؤں سے آ کر سنجیدہ کے والدین سے مل کر رشتہ پکا کر گئے۔

☆.....☆.....☆

پچھلے کچھ دنوں سے وہ ہر کام فراموش کیے اپنی ہی الجھنوں میں الجھا ہوا تھا، وہ خود کو سمجھ نہیں پا رہا تھا، اس وقت بھی وہ آفس میں اضطرابی کیفیت میں بیٹھا ہوا تھا، گذشتہ رات بھی زیبا نے اسے بے شمار ایک سے ایک خوبصورت لڑکیاں دکھائی تھیں اور ان تصویریوں کو دیکھ کر اسے وہی ہمیشہ والی بیزاری ہو رہی تھی، زیبا سنجیدہ سے پہلے اس کی شادی کر دینا چاہتی تھیں، وہ تو ہتھیلی پر سرسوں جمائے بیٹھی تھیں اور جلد از جلد حتمی فیصلہ کر دینا چاہتی تھیں، انہیں لوگوں کی پرواہ بھی تھی کہ لوگ کیا سوچیں گے کہ بڑا بیٹا کنوارہ ہے اور چھوٹی بیٹی کی شادی ہو رہی ہے۔

''کیوں مجھے ہزاروں لڑکیوں میں ایک اس کا ہی چہرہ نظر آ رہا ہے''۔ اس نے خود سے استفسار کیا، مگر جواب کہیں سے نہیں پایا۔

''کیا فریال میں وہ سب ہے جو مجھے اب تک کسی اور لڑکی میں پسند نہیں آیا؟'' انگلیوں سے پین کے ساتھ کھیلتے ہوئے اس نے دوبارہ استفسار کیا۔

''نوخیز شاہ! کیا تم بھی ظاہری خوبصورتی کو ترجیح دینے لگے ہو، بھلے ہی وہ زیادہ خوبصورت نہیں ہے، لیکن اس میں وہ سب خوبیاں ہیں جسے پا کر تم ایک خوشحال زندگی بسر کر سکتے ہو''۔

اس کے گھر کے علاوہ اس کا کہیں اور ٹھکانہ بھی نہ تھا، اسے اپنی زندگی کسی نہ کسی کے ساتھ تو گزارنی تھی، تو پھر وہ خود ہی کیوں نہ اسے اپنا لے، وہ اسے خود سے دور نہیں کرنا چاہتا تھا، یہ تصور کرنا بھی اب محال ہو رہا تھا، اس کا پتھر کا دل فریال کے لیے پگھل رہا تھا، وہ کسی قیمت پر اس سے دستبرداری نہیں چاہتا تھا، الجھنوں میں گھرا ہوا اس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکایا اور آنکھیں بند کر دیں۔

☆.....☆.....☆

سنجیدہ نے پوری فیملی کو ٹریٹ دی اور وہ سب شہر کے اعلیٰ ترین ہوٹل میں ڈنر کرنے پہنچ گئے، سنجیدہ بہت خوش تھی اس کے چہرے سے خوشی جھلک رہی تھی، اسے دنیا کی سب سے انمول چیز مل گئی تھی، فریال اس کے اور نوخیز شاہ کے لیے بھی بہت خوش تھی، نوخیز شاہ کی بھٹکتی ہوئی نگاہیں اس کے چہرے پر جا رکیں، وہ اس حرکت سے خود کو باز رکھنا چاہتا تھا، مگر کر نہیں پا رہا تھا۔ ڈنر کر کے وہ سب خوشی خوشی پارکنگ ایریا میں آئے؛ حسنہ خالہ وہاں جانے کیا کر رہی تھیں، وہ فریال کو دیکھتے ہی چونک اٹھیں، اور عجلت سے چلتی ہوئیں اس کے پاس آئیں، سنجیدہ اس کے ساتھ کھڑی تھی، باقی تمام افراد ان کے پیچھے تھے، فریال کا پورا وجود پسینے سے بھیگ گیا تھا، اور وہی ہوا جو وہ کبھی نہیں چاہتی تھی۔

''اچھا تو تم یہاں گھومتی پھر رہی ہو، اور میرا بیٹا جیل میں بیٹھا ہے''۔ فریال کو دیکھتے ہی وہ خطرناک تیوریوں کے ساتھ شروع ہو گئیں۔

''آخر تمہارا کیا بگڑ جاتا تم میرے بیٹے کے ساتھ شادی کرلیتیں، اور اوپر سے میرے معصوم بیٹے کو جیل بھجوادیا''۔ حسنہ خالہ کا لہجہ اتنا کاٹ دار تھا کہ وہ کچھ بول ہی نہیں پارہی تھی۔ اس نے متوحش زدہ ہوکر پیچھے مڑ کر سب کو دیکھا، سنجیدہ اور نوخیز شاہ کے علاوہ سب حیران و پریشان تھے۔

''تم جتنی بھولی دکھتی ہو، اتنی ہو نہیں، اپنا گھر کرائے پر دے کر جانے خود کہاں گھوم رہی ہو، مجھے یقین نہیں آرہا کہ میں جسے اپنی بہو بنانا چاہتی تھی اس کے پچھن یہ ہوں گے، اچھا ہوا یہ قدم اٹھانے سے پہلے ہی تمہاری اصلیت سامنے آگئی کہ تمہارا کیسا کردار ہے اور جہاں تک بلّو کا سوال ہے تو میں بہت جلد اسے چھڑوالوں گی اور اس کے لیے چاندسی بہو لاؤں گی''۔ خالہ ہاتھ نچا نچا کر بول رہی تھیں، فریال کے لیے وہاں کھڑا ہونا دشوار ہورہا تھا، اس کا چیخ چیخ کر رونے کے لیے دل کررہا تھا، اس کے اعصاب ہولے ہولے کانپ رہے تھے۔

''آپ یہ کیا بولے جارہی ہیں، آپ میں ذرا بھی تمیز نہیں کہ انسانوں سے کیسے بات کی جاتی ہے؟'' سنجیدہ کے لہجے میں کڑواہٹ در آئی۔

''تم کون ہوتی ہو مجھے تمیز سکھانے والی؟'' خالہ تنک کر ذرا آگے آکر بولیں۔

''یہ میری بہن ہے اور میں ایس۔پی نوخیز شاہ ہوں، آپ کا بیٹا اگر جیل گیا ہے تو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے''۔ اس کا انداز اتنا سخت اور اتنا پاورفل تھا کہ خالہ ایک لفظ بھی ادا نہ کرسکیں اور طنزیہ نگاہ فریال پر ڈالتی ہوئیں چلی گئیں۔ وہ سب خاموشی کے ساتھ گھر چلے آئے، اور نہایت خاموشی میں طارق شاہ کی کڑک دار آواز گونجی۔

''یہ لڑکی کون ہے؟''

''ڈیڈ! یہ لڑکی ایک مجرم کی بہن ہے''۔ نوخیز شاہ نے سچائی کے ساتھ جواب دیا، وہ کسی بھی موقع پر ہچکچاتا نہیں تھا۔

''تو تم نے ہم سے جھوٹ کیوں بولا؟'' پشت پر ہاتھ باندھے وہ غصے سے اس کی طرف مڑے۔

''کیونکہ جھوٹ بولنے کی ضرورت تھی''۔ وہ دوبدو بولا۔

''میں پوچھ سکتا ہوں، ایس۔پی نوخیز شاہ کو ایک عام سی لڑکی کے لیے جھوٹ کیوں بولنا پڑا؟'' اس کے نام پر زور دیتے ہوئے انہوں نے گہرا طنز کیا۔

''فریال عام لڑکی نہیں ہے ڈیڈ!'' وہ تڑپ کر بولا، طارق شاہ سمیت سب ہی حیرت زدہ تھے۔

''اور میں نے جھوٹ اس لیے بولا کہ اگر میں سچ بولتا تو کیا فریال کو وہ عزت و اہمیت ملتی جو پہلے ملتی آئی ہے، کیا اسے اچھی نگاہوں سے دیکھا جاتا؟''

''لیکن اس کی ضرورت پیش ہی کیوں آئی، اگر یہ مجرم کی بہن ہے تو تم اسے اپنے گھر لے آؤ گے وہ بھی جھوٹ بول کر؟ کیا اس کے باقی گھر والے نہیں ہیں؟''

''نہیں ہیں''۔ وہ بھی اسی انداز میں بولا۔

''تو اس کے کوئی قریبی رشتے دار تو ہوں گے، نوخیز تمہیں اندازہ بھی ہے کہ اگر دنیا کو معلوم ہو تو وہ ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے، ہمارے گھرانے کے بارے میں کیا سوچیں گے؟'' غصے سے ان کا چہرہ سرخ تھا، فریال،

سنجیدہ کے ساتھ سمٹی کھڑی تھی۔

''دنیا کی پرواہ نوخیز شاہ کو نہ پہلے تھی، نہ آج ہے اور نہ کبھی رہے گی''۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''جیسا کہ آپ لوگ بھی جانتے ہیں کہ میں کبھی ایسا فیصلہ نہیں کرتا جو غلط ہو، اس کے کوئی رشتے دار نہیں ہیں، اس کا کوئی نہیں ہے، جس عورت کو آپ لوگوں نے کچھ دیر پہلے دیکھا وہ ان کی پڑوسن تھی جو اپنے گھٹیا بیٹے سے اس کی شادی کردینا چاہتی تھی اور بغیر اس کی مرضی کے اس کا گھر بھی بیچ دینا چاہتی تھی اور یہ ظلم میں دیکھ نہیں سکا، اگر میں پولیس والا نہ بھی ہوتا اور ایک عام انسان بھی ہوتا تو بھی میں کسی کے ساتھ ایسا ظلم کرنے نہیں دیتا، اور اتنے عرصے میں تو آپ بھی فریال کو اچھی طرح سے جان گئے ہوں گے، بہتر یہی ہوگا کہ اس بات کو یہیں پر ختم کرلیا جائے، اور فریال کی اہمیت پہلے جیسی ہی قائم رہے''۔ سرد سانس لے کر وہ گویا ہوا، طارق شاہ خاموش ہوگئے ان کے پاس بولنے کو باقی کچھ بچا ہی نہیں، زیبا بھی خاموش تھیں وہ سب کچھ سمجھ گئی تھیں، امبر نے فریال کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

☆............☆............☆

اگلے روز گھر کا ہر فرد نارمل ہوگیا تھا، سب کچھ پہلے جیسا ہی تھا، فریال کو کچھ بھی بدلا ہوا نہیں لگ رہا تھا، طارق شاہ کا موڈ اور رویہ بالکل ٹھیک تھا، وہ پہلے بھی اس سے کم ہی مخاطب ہوا کرتے تھے، زیبا اسے وہی اہمیت اور پیار دے رہی تھیں، انہوں نے گزشتہ رات والی بات کے بارے میں ذرا بھی تذکرہ نہیں کیا، سنجیدہ کی انگیجمنٹ کی تیاریاں بھی شروع ہوچکی تھیں، اور وہ اس سب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی، اس کے ہاتھ بٹانے سے زیبا کی پریشانی دور ہوگئی تھی، سنجیدہ اور امبر اس کی موجودگی میں نوخیز شاہ کا ذکر کرکے زیر لب مسکرا اٹھتیں، اور وہ پزل ہوکر رہ جاتی، یہ اس کے لیے پریشانی کا باعث بھی ہورہا تھا اور پھر اس شام زیبا نے اسے اپنے روم میں بلوا کر ایسی بات کی کہ اس کے اوسان ہی خطا ہوگئے، جیسے یقین ہی نہ آرہا ہو کہ اس نے جو سنا ہے وہ حقیقت ہے، وہ بے یقینی و حیرانگی کی سی کیفیت میں منہ کھولے انہیں دیکھ رہی تھی، جیسے انہوں نے کوئی مذاق کیا ہو، اس نے ایسا سوچا بھی کب تھا، اور زیبا اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے اطمینان سے مسکرادیں۔

☆............☆............☆

زیبا کی بات نے اسے پریشانی میں مبتلا کردیا تھا، نوخیز شاہ نے خود اس سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی، یہ سن کر اس کا رنگ ہی اڑ گیا تھا، نوخیز شاہ سے تو بات کرتے ہوئے بھی وہ گھبراتی تھی، اس کے ساتھ پوری زندگی بسر کرنا اسے دشوار ترین لگ رہا تھا، وہ دل کا صاف اور ایک اچھا انسان تھا، لیکن اس کی نیچر سے فریال کو خوف آتا تھا، وہ خود کو نوخیز شاہ کے لائق بھی نہیں سمجھ رہی تھی اور یہی سوچ رہی تھی کہ نوخیز شاہ مجبوری کے تحت اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تاکہ لوگ مزید اس کے بارے میں کچھ غلط نہ بول سکیں۔ فریال کا ذہن سوچ سوچ کر بھٹک گیا تھا، وہ گم صم سی ہوگئی تھی، نوخیز شاہ بھی ان دنوں اپنے کام میں مصروف تھا، اس لیے ابھی اس سے سامنا نہیں ہو پایا تھا۔

زیبا نے اپنے بہن اور بھائی اور ان کی تمام فیملیز کو خاص دعوت دی تھی اور نوخیز شاہ کے کہنے پر انہوں نے سب پر فریال کی حقیقت عیاں کردی تھی، کیونکہ وہ فریال کے دل سے سارا خوف دور کردینا چاہتا تھا، وہ چاہتا تھا کہ فریال

سر اٹھا کر جیئے، فریال کو جیسے اندر تک سکون مل گیا تھا وہ سب دلوں اور چہروں پر خوشیاں سجا کر ہال پہنچے۔ سنجیدہ پر پل شرارے میں بے حد خوبصورت لگ رہی تھی اور اس کے ساتھ بیٹھا سراج بھی خوب سج رہا تھا، وہ ایک دوسرے کے ساتھ بے حد خوبصورت لگ رہے تھے، ان دونوں کی جوڑی کو سراہا جا رہا تھا۔ فریال وائٹ فینسی فراک میں پہلے سے مختلف اور عمدہ و خاص لگ رہی تھی، نوخیز شاہ تو اسے دیکھتے ہی چونک اٹھا تھا، اس کا دل زور سے دھڑکا تھا اور اس کی نگاہیں بار بار فریال کی طرف بھٹک رہی تھیں۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو''۔ میر زاد اس کے پیچھے ہی چلا آیا، وہ مسکرا دی۔

''شکریہ!'' زیر لب مسکرا کر جواب دیا۔

''ویسے میڈم! مجھے بہت دکھ ہوا کہ تم نے مجھ سے بھی سچ کو پوشیدہ رکھا''۔ جب سے اسے معلوم ہوا تھا وہ اکڑا ہوا تھا، اسے فریال سے شکوہ تھا۔

''سوری:.... پر تم ہی پہلے شخص تھے جس نے مجھے سمجھا اور مجھے خاص اہمیت دی اور میں یہ بھی سوچتی رہی کہ میری حقیقت جان کر تمہارا رویہ میرے ساتھ بدل نہ جائے، بس مجھے اسی بات کا بہت ڈر تھا''۔ وہ بے جھجک بولے گئی، دور بیٹھا نوخیز شاہ ان دونوں کو ہی دیکھ رہا تھا، اور اندر ہی اندر سلگ رہا تھا، میر زاد کا فریال سے بات کرنا اسے پسند نہیں تھا۔

''میں اس بات کو لے کر جتنا پریشان رہتی تھی، ویسا کچھ بھی نہیں ہوا، ہاں طارق انکل تھوڑا غصہ ہوئے تھے، ان کا غصہ بھی بجا تھا، مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا کہ اب جانے کیا ہوگا، لیکن اگلے دن سب کچھ نارمل ہوگیا، بالکل ایسے ہی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہو، اور مجھے خود بہت اطمینان و سکون مل رہا ہے، اب دل کے تمام ڈر و خوف نکل گئے ہیں، میں خود کو آزاد محسوس کر رہی ہوں، مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا''۔ وہ خوش اور مطمئن تھی۔

''ہم م م م..... دیکھو نا تم اتنی اچھی ہو کہ سب کچھ معلوم ہو جانے کے بعد بھی سب تمہارے ساتھ ہیں، کوئی نہیں بدلا اور سونے پر سہاگہ بھی ہوگیا، مطلب نوخیز بھائی سے آپ کا رشتہ بھی ہو رہا ہے، وہ بھی ہمارے بہادر نوخیز شاہ سے''۔ وہ سینہ تان کر اکڑ کر بولا، گویا وہ نوخیز شاہ کی نقل کر رہا تھا، فریال کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

''لیکن میں پریشان ہوں''۔ وہ ذرا چل کر پاس رکھی چیئر پر بیٹھی، ہنسی اس کے چہرے سے غائب ہوگئی۔

''وہ کیوں؟'' وہ بھی دوسری چیئر گھسیٹ کر اس کے مقابل بیٹھا۔

''میں جانتی ہوں، انہوں نے یہ فیصلہ مجھے لوگوں کی نظروں سے بچانے کے لیے کیا ہے، کیونکہ انہوں نے ہمیشہ میرے ساتھ بہت ہمدردی کی ہے، وہ رحم دل ہیں، انہوں نے مجھ پر بہت احسان کیے ہیں اور اب بھی وہ مجھ پر احسان ہی کر رہے ہیں''۔ اس نے دل کھول کر اپنی پریشانی میر زاد سے بیان کی، وہ اسے اپنا لگتا تھا، وہ بلا جھجک اس سے اپنی باتیں شیئر کر سکتی تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے، تم غلط سوچ رہی ہو، اگر بھائی تم پر احسان کر رہے ہوتے تو میں ان کی آنکھوں میں تمہارے لیے وہ چمک نہیں دیکھ رہا ہوتا، وہ تمہیں سچ میں پسند کرتے ہیں، اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی تمہارے لیے کچھ بھی الٹا سیدھا کہے اس لیے وہ تمہیں سچے دل سے اپنا بنانا چاہتے ہیں''۔ یہ سب سن کر وہ چونکی تھی، کہ واقعی نوخیز شاہ کی آنکھوں میں اس کے لیے کچھ خاص ہے، جو وہ کبھی دیکھ نہ پائی، کیا وہ سچ میں اتنی خوش نصیب ہے؟

''اب اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو، اصل میں، میں بھی یہی چاہتا تھا کہ تم نوخیز بھائی کی ہمسفر اور ہمراہ بنو''۔ وہ اپنے ہاتھ لہرا کر شوخی سے بولا، شرم سے اس کا چہرہ جھک گیا، ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ بھی پھیلی تھی۔

''اب تم اپنے دل میں یہ احساس کمتری لے کر مت بیٹھ جانا کہ وہ یہ مجبوری کے تحت ایسا کر رہے ہیں، انہوں نے بہت لڑکیوں کو ریجیکٹ کیا ہے، انہوں نے ڈھیر ساری لڑکیوں میں سے تمہارا انتخاب کیا ہے، تو بس نوخیز شاہ کو تم پسند آ گئی ہو، انہیں تم میں وہ سب نظر آ گیا ہے جو کسی دوسری میں نہیں نظر آیا، اس لیے تم سر اٹھا کر جیو، یوں بے وقوفوں کی طرح نہیں، اور سب سے اچھی بات یہ ہے اس رشتے سے کسی کو بھی اعتراض نہیں ہے، بس خدا کا شکر ادا کرو کہ انہوں نے تمہاری قسمت بہت اچھی لکھی''۔ وہ بولتا رہا اور وہ سنتی رہی۔

''ویسے مانا کہ وہ ذرا اکڑو ہیں، مگر دل کے بہت اچھے ہیں، یہ تو تم بھی مانتی ہو ناں؟'' اس کے جھکے سر کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہ شرارتاً بولا۔

''اور ذرا ہٹلر ٹائپ بھی ہیں''۔ وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا، فریال نے یک لخت جھکا سر اٹھا کر اسے آنکھیں دکھائیں۔

''اوہو.... تو ابھی سے اپنے ہونے والے مجازی خدا کے بارے میں برا لگنے لگا''۔ وہ دونوں ہاتھ کانوں کو لگاتے ہوئے بولا، فریال نے ہلکی سی چپت اسے رسید کی، نوخیز شاہ سے یہ سب دیکھنا برداشت نہیں ہو رہا تھا، پھر فریال کو زیبا نے بلایا تو وہ چلی گئی، نوخیز شاہ کے علاوہ بھی کوئی تھا جو ان دونوں کو ساتھ بولتے اور ساتھ ہنستے دیکھ سلگ رہا تھا، اور وہ تھی لاریب۔

سنجیدہ اور سراج نے ایک دوسرے کو رنگ پہنا کر نئی زندگی کو خوش آمدید کہا، دونوں بہت خوش تھے، دونوں کے چہرے چمک رہے تھے، طارق شاہ نے سب سے یہ بات چھپائے رکھنے کا کہا تھا کہ سراج کیسی فیملی سے تعلق رکھتا ہے، اور اس بات سے سراج کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا، کیونکہ وہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر بڑے مسئلے کھڑے کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔

''فریال سے اتنے فری کیوں ہوتے ہو؟'' تقریب کے اختتام پر لاریب نے آخر اسے گھیر ہی لیا۔

''تو تمہیں کیا پرابلم ہے، میں کسی سے بھی بات کروں''۔ اس نے کندھے اچکا کر کہا۔

''مجھے بہت زیادہ پرابلم ہے، اسی لیے تو بول رہی ہوں''۔ اس کے نروٹھے جوا۔ ہمیشہ لاریب [illegible] تکلیف پہنچاتے تھے۔

''میں نے کتنی بار کہا ہے کہ میری کسی بات میں دخل اندازی مت کیا کرو، مجھے یہ پسند نہیں ہے'' [illegible] بولا، وہ لہرا کر اس کے مقابل ہوئی۔

''مجھے نہیں پسند، تم اس سے ہنس ہنس کر بات کرو اور اسے اتنی اہمیت دو، جو چیز تم نے مجھے کبھی نہیں دی، تم اسے کیسے دے سکتے ہو؟'' متواتر اس کے آنسو جاری تھے۔

"اگر میں تمہیں سمجھانے بیٹھوں تو تم کبھی سمجھ نہیں پاؤ گی، اور ہمیشہ اپنا نظریہ غلط مت رکھا کرو، کبھی کسی کو اچھی نگاہ سے بھی دیکھا کرو، ایک لڑکی، لڑکے کا ہنس کر بولنا یا بات کرنا اس بات کا ثبوت نہیں ہوتا کہ ان دونوں کے درمیان میں کچھ چل رہا ہے، اگر تم غلط سوچو گی تو نظر بھی غلط ہی آئے گا"۔ اسے لاریب کا یہ والہانہ پن بہت برا لگا تھا۔

"تو تم پھر اسے اہمیت کیوں دے رہے ہو، فریال کو دیکھ کر تو مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اچھے گھر کی لڑکی نہیں ہے، مجھے تو بے چارے نوخیز بھائی پر ترس آ رہا ہے، اس لڑکی کی تو عادت ہے، سب کو اپنا بنانے کی، جانے اس میں لوگوں کو کیا خاص نظر آتا ہے"۔ وہ غصے میں بہت زیادہ بول گئی تھی، میرزاد کا تو پارہ ہائی ہو گیا تھا۔

"لاریب.....! چلی جاؤ یہاں سے، ورنہ میرا ہاتھ اٹھ جائے گا"۔ میرزاد کو اس وقت اس پر شدید غصہ آ رہا تھا۔

"اوہ.....تو تم اس کے لیے مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ گے؟" وہ بے یقینی سے بولی۔

"ہاں تمہاری ان گھٹیا باتوں اور سوچ سے مجھے نفرت ہے اور تم کوئی نہیں ہوتی جسے میں صفائی دیتا پھروں، اور مجھ سے زیادہ شاید ہی کوئی خوش ہو کہ نوخیز بھائی، فریال کو اپنی زندگی میں شامل کر رہے ہیں، آہ.....! مگر تم کیا جانو"۔ وہ اس پر تمسخرانہ نگاہ ڈالتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ لاریب کی طرح نوخیز شاہ کو بھی بہت بڑی غلط فہمی ہو گئی تھی، اس لیے اگلے دن میرزاد کو کچن میں فریال کے پاس کھڑا دیکھ کر اس کے زخم تازہ ہو گئے، وہ فریال کے سامنے اپنا کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لیے فریال کے جاتے ہی اس نے میرزاد کو آڑے ہاتھوں لیا۔

☆.....☆.....☆

"مجھے تمہارا فریال کے ساتھ زیادہ فری ہونا پسند نہیں ہے اور تم یہ بات تو جان ہی چکے ہو کہ بہت جلد فریال اور میری شادی ہو جائے گی، سو مجھے تمہاری زبردستی والی دخل اندازی پسند نہیں ہے، اب خیال رکھنا اور دور رہنا"۔ وہ کھرے اور اکڑو انداز میں بولا، لائٹ بلو کاٹن کے سوٹ میں اس کی پرسنالٹی اور بھی پرکشش لگ رہی تھی، سن گلاسز اس نے بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے، میرزاد کو دل ہی دل میں بہت خوشی ہو رہی تھی، اس کا مطلب یہ تھا کہ فریال اس کے لیے بہت اہم تھی اور وہ بھی تو یہی چاہتا تھا کہ فریال کے لیے نوخیز شاہ کے دل میں ایسے جذبات پیدا ہو جائیں، وہ سخت تیوروں سے اسے دیکھ رہا تھا، مگر وہ معصوم بنا رہا۔

"آپ غلط سوچ رہے ہیں"۔ اس کے سامنے میرزاد کا سر جھک گیا۔

"جو نظر آ رہا ہے اس کا مطلب تو کوئی بھی غلط نکال سکتا ہے"۔ اس نے دانت پیسے۔

"اصل میں شروع میں، میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس نے فریال کو سمجھا اور پھر آپ کو بھی۔ دراصل میں چاہتا تھا کہ فریال اور آپ کا رشتہ ہو جائے، معلوم نہیں میرے دل میں یہ خواہش کیوں جاگی، پھر میں نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ آپ کو میرا فریال کے ساتھ بات کرنا اچھا نہیں لگتا، اس کے بعد تو میں یہ جان بوجھ کر کرنے لگا، میں آپ کی طنزیہ نگاہوں کا بھی سامنا کرتا رہا، لیکن اس سب میں فریال بالکل معصوم ہے"۔ وہ دھیرے دھیرے بول رہا تھا، نوخیز شاہ کو حیرت ہو رہی تھی۔

"لیکن تم ایسا کیوں چاہتے تھے؟" حیرت چھپاتے ہوئے اس نے استفسار کیا۔

"کیونکہ فریال بہت معصوم اور سادہ ہے، میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ بہت احساس کمتری میں مبتلا ہے، وہ خود کو

دوسروں سے بہت کمتر اور الگ پاتی ہے، اور اسے کبھی کسی نے اس طرح ٹریٹ نہیں کیا جس طرح کی اسے ضرورت تھی، پھر میں نے اسے بہت اہمیت دی، اس کے ساتھ ہمیشہ دوستانہ رویہ رکھا، تاکہ اس کے اندر خود اعتمادی پیدا کر سکوں اور وہ خود کو دوسروں کے برابر سمجھ سکے، لیکن اس کے باوجود اس نے کبھی مجھے اپنی حقیقت کے بارے میں نہیں بتایا، مگر پھر بھی مجھے اس سے ہمدردی تھی، اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کو بھی اس سے بہت ہمدردی ہے، اور میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ آپ کی آنکھیں اس کے لیے ایک انوکھے پن سے مسکرانے لگتی ہیں، اور آپ کے چہرے پر حسد کے تاثرات بھی دیکھے، جب فریال مجھ سے بات کرتی، یا میرے ساتھ ہنستی تو کتنا برا لگتا ہے آپ کو، بس پھر یہی خواہش جاگ اٹھی کہ کیوں نہ آپ جیسے کامیاب اور پراعتماد شخص کے لیے فریال کا انتخاب ہو اور وہ جب آپ کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلے تو وہ سر اٹھا کر چلے"۔ اس نے نوخیز شاہ کو بغور دیکھا، وہ غور سے اس کی بات سن رہا تھا۔

"اور ویسے بھی فریال اور آپ کی فیملی ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں، اس کے لیے آپ کے گھر سے بہتر کوئی اور جگہ ہے ہی نہیں، بس میں دعا گو ہوں کہ آپ دونوں ہمیشہ خوش رہو"۔ وہ مسکرایا۔

"تو تم چہرے اور آنکھیں بھی پڑھ لیتے ہو"۔ میرزاد کی باتیں اسے بہت امپریس کر رہی تھیں۔

"جی ہاں"۔ وہ فخریہ بولا۔

"میں نے فریال کو اعتماد دے کر خود سے اتنا فری کر لیا ہے کہ وہ ہر بات مجھ سے شیئر کر لیتی ہے اور کل رات بھی وہ مجھ سے یہی بات شیئر کر رہی تھی کہ آپ اپنی مرضی سے اس سے شادی نہیں کر رہے بلکہ کسی مجبوری کے تحت کر رہے ہیں، اور میں آپ کے فیور میں ہی بول رہا تھا اسے سمجھا رہا تھا کہ وہ غلط سوچ رہی ہے، وہ سمجھ بھی گئی، اب آپ خود اسے اتنا اعتماد دیں کہ وہ مجھ سے نہیں بلکہ آپ سے اپنی ہر بات شیئر کر سکے، آپ اس کا دل اتنا صاف کر دیں کہ آپ کا یہ فیصلہ آپ کی خوشی جان کر آپ کے ساتھ نئی زندگی خوشی سے شروع کر سکے"۔

"تھینک یو"۔ اس نے میرزاد کا شانہ تھپکایا۔

"وہ بہت حساس ہے، بچپن سے ہی وہ ایسے حساس حالات سے گزری ہے، اب آپ ہی اسے بدل سکتے ہو، اور اسے حقیقی خوشیاں دے سکتے ہو"۔ وہ ہنوز مسکراتا ہوا بولتا چلا گیا اور وہ کھل کر مسکرا بھی نہ سکا، اسے حیرانگی کے ساتھ خوشی بھی ہو رہی تھی کہ میرزاد نے اسے عکس دکھایا، اسے زندگی کی حقیقت اور جینے کا درست طریقہ بتایا، اس کے ذہن کے پردے کھل گئے تھے، اس کا دل ایک دم صاف ہو گیا، وہ دل سے فریال کو چاہتا تھا۔

☆.....☆.....☆

روم کی صفائی کر کے ماسی کو باقی گھر کی صفائی کی ہدایت کر کے وہ خود واش روم چلی گئی، شاور لے کر خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی، بال تولیے سے رگڑتی ہوئی بالکنی میں چلی گئی، پھر آئینے کے سامنے سراپا دیکھا اور برش کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ نوخیز شاہ کی آمد پر وہ ہڑبڑا گئی، نوخیز شاہ نے نظر بھر کر اس کے بالوں کو دیکھا پھر دھیرے سے فاصلہ طے کرتا ہوا اس کے قریب آیا۔

"مجھ سے اتنا مت گھبرایا کرو، میں بھی تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں"۔ لہجہ نرم مگر انداز وہی تھا، وہ جز بز سی

ہوگئی۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم اتنی بااعتماد ہوجاؤ کہ مجھ سے نہ گھبراؤ، بلکہ تم مجھ سے اپنی ہر بات شیئر کرسکو، آفٹر آل میں تمہارا ہونے والا شوہر ہوں''۔ آخر میں اس کا لہجہ سحر انگیز تھا، فریال سے وہاں کھڑا ہونا محال ہورہا تھا، ٹانگیں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں، وہ اعتماد سے بنا ہچکچاتے بول رہا تھا۔

''تم شاید یہ سمجھ بیٹھی ہو کہ میں اپنی قربانی دے رہا ہوں، محض اس لیے کہ کوئی تمہیں برا بھلا نہ کہہ سکے اور میں اسی وجہ سے تم سے شادی کررہا ہوں، حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہے، میں نے خود ہی مام، ڈیڈ سے تمہارے لیے خواہش ظاہر کی''۔ اس نے دھیمے لہجے میں بتایا، وہ خاموش کھڑی رہی اور اس کا ایک ایک لفظ بغور سن رہی تھی۔

''اب اصل بات یہ ہے کہ تم سمجھ رہی ہو کہ میں مجبوری کے تحت یہ رشتہ کررہا ہوں، تو ایسا کچھ نہیں ہے''۔ وہ دو قدم اور قریب آیا، فریال کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہورہی تھیں، اعصاب کانپ رہے تھے، گھبراہٹ میں اس نے سر پر دوپٹہ بھی نہیں کیا تھا، اس کے گیلے اور ایک دوسرے میں الجھے بال نوخیز شاہ کو بہت اچھے لگ رہے تھے، دل چاہ رہا تھا کہ کبھی اس پر سے نظر نہ ہٹے، بس اس کا یہ روپ ہی دیکھتا رہا۔

''فریال! میری دلہن بنوگی؟ کیا میرے دل کی چاہت کو قبول کروگی؟'' اس کے ایک ایک حرف میں سچائی کے ساتھ محبت تھی۔

''جواب دو...!'' اسے ہنوز خاموش دیکھتے ہوئے وہ دوبارہ بولا۔ فریال کے دل کی تمام الجھنیں دور ہوگئیں، جو باتیں اسے اتنے دنوں میں پریشان کیے ہوئے تھیں وہ تمام کی تمام غلط فہمیاں دور ہوگئیں، نوخیز شاہ نے اس کے لیے اپنی چاہت کے بے شمار دروازے کھول دیئے تھے، اس کے چاروں اور پھول بکھیر دیئے، اس کی آنکھوں میں بے حساب تارے سجا دیئے تھے، شرم کے ساتھ جھکا چہرہ خوشیوں سے کھل اٹھا، اس نے ہچکچاتے ہوئے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''نوخیز شاہ نے کبھی کسی لڑکی کو نظر بھر کر بھی نہیں دیکھا، اس لیے مجھے اندازہ بھی نہیں ہے کہ لڑکی سے حال دل کیسے کہا جاتا ہے، میں ایک کامیاب شخص ہوں، کبھی کسی کام میں نہیں ہچکچایا، لیکن اظہار محبت میں تھوڑا نروس ہورہا ہوں، بس میں تمہیں ساتھ لیے ہر کسی کو دکھانا چاہتا ہوں کہ یہ ہے میری ہمسفر، میری زندگی، میری پسند''۔ اس کے انداز میں سحر انگیزی تھی۔

''اگر تم زبان سے جواب دیتی تو مجھے اور زیادہ اچھا لگتا''۔ اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''آپ نے مشکل وقت میں مجھے سہارا دیا، میرے لیے اپنے گھر والوں سے جھوٹ بولا اور پھر مجھے اتنی عزت دی، یہ سب اس لڑکی کے لیے، جسے کسی نے کبھی دوستی کے بھی قابل نہیں سمجھا، ہر انسان کو ایک ایسا ہی تو ہمسفر چاہیے ہوتا ہے جو اس کی ہر مشکل میں اس کا ساتھ دے، ہر طرح کے حالات سے مقابلہ کرے، اور ایسی چاہت کبھی بھی ناکام نہیں ہوسکتی، مجھے آپ کا ساتھ خوشی خوشی قبول ہے''۔ نوخیز شاہ کے جذبات اور اس کی محبت دیکھ کر وہ خود کو بولے بنا نہ روک پائی، وہ بھی اس کی چاہت کا دیا نتداری سے جواب دینا چاہتی تھی، وہ خود کو بااعتماد ثابت کرنا چاہتی تھی، نوخیز شاہ کی مسکراہٹ گہری ہوگئی، وہ مسکراتے ہوئے اور بھی اچھا لگ رہا تھا، فریال نے اسے پہلی بار بغور اور

مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''تم نے نوخیز شاہ کے دل پر ڈاکہ ڈالا ہے، اس لیے تمہارے لیے سزا بھی بڑی ہونی چاہیے، اور وہ یہ کہ ہم ایک دو ماہ بعد شادی کررہے ہیں اور ہم ہمیشہ کے لیے تمہیں اپنے دل میں قیدی بنا کر رکھیں گے''۔ نوخیز شاہ اس کی نکھری صورت پر طائرانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

☆.....☆.....☆

ایک ہفتے بعد وہ نوخیز شاہ اور سراج کے ہمراہ ہاسپٹل چلی آئی۔ وہ حمزہ سے ملنے کے تجسس میں سراج اور نوخیز شاہ کی تائید میں چل رہی تھی، چار روم چھوڑ کر پانچواں روم حمزہ کا تھا، وہ بیڈ پر دراز انہماک سے میگزین پڑھ رہا تھا، ان پر نظر پڑتے ہی وہ خوشی سے اچھل پڑا، بہت عرصے بعد وہ اپنی بہن کو دیکھ رہا تھا، وہ اٹھ کر فریال سے لپٹ گیا، سراج نے اسے فریال کے متعلق تمام حالات سے آگاہ کردیا تھا، اور اسے اس دن فریال کے آنے کا بھی بتا دیا تھا، وہ خود بھی چاہتا تھا کہ وہ فریال سے ملے۔ اس کے ہاسپٹل کا پورا خرچ سراج کررہا تھا، حمزہ کو تین ماہ ہونے والے تھے، وہ اس کا ہر طرح سے خیال رکھتا تھا، ایک ہفتے میں دو بار مریض سے ملنے کی اجازت تھی، اور سراج اسے باقاعدگی سے ملنے جاتا تھا، نوخیز شاہ کو کچھ عرصہ پہلے ہی حمزہ کے بارے میں بتایا گیا تھا، وہ بھی دو بار اس سے مل کر گیا تھا۔

''آپی! میں برا ہوں نا؟'' دونوں بیڈ کے کنارے بیٹھے تھے، سراج اور نوخیز شاہ انہیں اکیلا چھوڑ کر جاچکے تھے۔

''نہیں، تم بہت اچھے ہو''۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے بولی۔

''میں نے آپ سب کو بہت دکھ دیئے ہیں، اماں، ابا بھی چھوڑ کر چلے گئے، میں تو ٹھیک سے ان کو آخری بار بھی نہ دیکھ پایا، میں بہت بدقسمت بیٹا ہوں''۔ وہ بلک بلک کر بچوں کی طرح رو پڑا، فریال نے تڑپ کر دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا۔

''ایسا ہونا لکھا تھا، ممکن کو ناممکن بھلا کون کرسکتا ہے، تم رو مت''۔ انگلیوں کی پوروں سے اس کے شفاف آنسو صاف کرتے ہوئے وہ بولی۔

''میں تو اب بہت سکون میں ہوں کہ میرے دونوں بھائی محفوظ ہیں، احد کو آٹھ سال کی سزا ہوگئی، وہ جیل میں ہے، مگر پھر بھی ایک تسلی ہے، مجھے اس کا ٹھکانہ تو معلوم ہے، اور خوشی اس بات کی ہے کہ اسے احساس ہوگیا ہے، تم بھی انشاء اللہ بہت جلد بالکل ٹھیک ہوجاؤ گے، اور اپنی زندگی کی طرف لوٹ آؤ گے، اور بہت جلد تم بالکل صحت یاب ہوجاؤ گے اور پھر ہم سب مل کر رہیں گے''۔ وہ دھیرے دھیرے اسے سمجھا رہی تھی۔

''سراج بھائی نے مجھے احد بھائی کے بارے میں بتایا تھا، مجھے زیادہ فکر تمہاری ہے، سراج بھائی نے مجھے بتایا تھا کہ آپ وہاں خوش ہو، مگر ٹھیک سے تسلی نہیں تھی، پھر جب میں نوخیز بھائی سے ملا تو وہ مجھے بہت اچھے لگے، اور آج تم کو دیکھ کر بہت خوشی ہورہی ہے''۔ اس وقت فریال کو حمزہ بالکل چھوٹا بچہ لگ رہا تھا۔

''آپی! سراج بھائی بہت اچھے ہیں، میری ہر ضرورت پوری کرتے ہیں، میرے لیے یہ اچھے اچھے میگزین اور اسٹوری بکس لاتے ہیں''۔ وہ بہت ایکسائیٹڈ تھا، وہ غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی اور اس کی معصومانہ باتوں پر

مسکرا بھی رہی تھی۔

"آپی! کبھی کبھی میں اکتا جاتا ہوں، دل کرتا ہے کہ میرا بھی گھر ہو، جہاں بنا کسی کے بتائے ہوئے طریقوں سے رہوں، ایک آزادانہ زندگی، مگر ایک نیک انسان بن کر گزاروں، نہ کوئی پابندی ہو اور نہ کوئی دوائیوں اور انجکشنوں کی ٹینشن"۔ وہ حسرت سے بول رہا تھا، کیونکہ سراج نے بتایا تھا کہ ابھی بھی وہ مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوا ہے۔ ڈاکٹر مزید اسے وہاں رکھنا چاہتے تھے، وہ کم عمری میں ہی نشہ کرنے لگا تھا، اور خود کو بہت اذیتیں دیتا تھا، اس لیے اس کی یہ عادتیں بھی یکدم ختم ہونے والی نہیں تھیں، کبھی کبھی وہ آپے سے باہر ہو جاتا تھا، اور وہ چیز مانگتا تھا جو اب اس کے لیے زہر سے کم نہ تھی۔

"ہاں حمزہ! بہت مزہ آئے گا، ہم مل کر بہت انجوائے کریں گے، تم جو چاہو گے تمہیں ملے گا"۔ اس نے پیار سے اس کے گال کو تھپکا۔

"اچھا اب مجھے چلنا ہوگا، ٹائم ہو گیا ہے"۔ اس نے وال کلاک پر دیکھتے ہوئے اٹھنا چاہا۔

"دل تو نہیں کر رہا کہ تمہیں جانے دوں، پر کیا کروں تمہیں پاسپٹل میں تو نہیں روک سکتا، لیکن تمہیں ہر ہفتے مجھ سے ایک بار ملنے ضرور آنا پڑے گا"۔ وہ اداسی سے بولا۔

"ضرور.... میرا بھی دل کرتا ہے کہ میں ہمیشہ تمہیں اپنے پاس رکھوں"۔ اس نے حمزہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اٹھ گئی، حمزہ نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے روکا، فریال نے نا سمجھتے ہوئے مڑ کر اسے دیکھا۔

"ویسے نوخیز بھائی بہت اچھے ہیں، آپ دونوں کی جوڑی بہت خوب رہے گی"۔ وہ شرارت سے بول کر ہنس دیا، اس کی شرارت سے محظوظ ہوتے ہوئے فریال نے اس کے سر پر چپت ماری، اتنے میں نوخیز شاہ اور سراج بھی روم میں داخل ہوئے۔

"آپی سے مل کر کیسا لگا؟" سراج نے بازو سینے پر لپیٹ کر اسے دلچسپی سے دیکھ کر پوچھا، کیونکہ حمزہ اور فریال ابھی تک مسکرا رہے تھے۔

"بہت اچھا لگا، تھینک یُو یار!"

"اب تھینک یُو چھوڑ یار! یہ میری بھی بہن ہے"۔ وہ فریال کے برابر میں کھڑا تھا، جبکہ نوخیز شاہ اس سے تھوڑا فاصلے پر کھڑا تھا۔

"اب میں بھی آتا رہوں گا اور نوخیز بھائی بھی تمہاری آپی کو لے کر تمہارے پاس آیا کریں گے"۔

"ہاں، نوخیز بھائی بھی بہت سویٹ ہیں، اس دن تو انہوں نے مجھ سے خوب باتیں کیں، مجھے بہت مزہ آیا"۔ حمزہ، فریال سے مخاطب ہوا۔

"ہاں بھئی! سالے تو ہوتے ہی پیارے ہیں، میرے سالے نوخیز شاہ بھائی ہیں اور نوخیز شاہ بھائی کے سالے تم ہو"۔ وہ اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا، نوخیز شاہ بھی زیر لب مسکرا رہا تھا، حمزہ اس کی بات سمجھتے ہوئے زور زور سے ہنس دیا اور فریال جھینپ گئی۔

☆.....☆.....☆

رضوانہ آفتاب

ناولٹ

بچھڑا کچھ اس ادا سے

وہ آغا خان ہاسپٹل کے ویٹنگ روم میں بیٹھی انگلش نیوز پیپر پڑھنے میں مگن تھی، بڑی استحقاق سے کوئی اس کے برابر نشست پر براجمان ہوا تھا۔

"محترمہ! پلیز نیوز پیپر ذرا جلدی پڑھیں، میں کب سے انتظار کر رہا ہوں، ڈیلی یہ اخبار نہ پڑھوں تو میری صبح نہیں ہوتی"۔ کسی خوبرو سی آواز میں برابر براجمان بیٹھے شخص نے کہا تھا، دلکشاء سحر آفندی نے اخبار بے ساختہ آنکھوں سے ہٹایا تھا۔

"آپ کے ساتھ کیا مسئلہ ہے محترم؟ شیلف پر کئی نیوز پیپر رکھے ہوئے ہیں، آپ برائے مہربانی وہاں سے دوسرا لے لیں"۔ دلکشاء نے برابر براجمان جاذب نظر شخص کو قدرے نظر انداز کر کے اخبار دوبارہ آنکھوں سے لگا لیا تھا۔

"ہمیں محترم نہیں سید سادان شاہ کہتے ہیں اور مجھے یہی نیوز پیپر چاہیے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے"۔ برابر براجمان شخص نے اسے زچ کر دیا تھا۔

"آپ کے ساتھ کیا پرابلم ہے، آپ کیوں مجھے پریشان کر رہے ہیں؟" دلکشاء نے اخبار فولڈ کرتے ہوئے غصیلے لہجے میں قدرے آہستگی سے کہا تھا، تاکہ برابر بیٹھے لوگ ان کے مابین گفتگو نہ سن لیں۔

"میں آپ کو کیوں پریشان کروں گا؟ بس آپ مجھے نیوز پیپر دے دیں"۔ سادان نے نہایت معصومیت سے کہا تھا، دلکشاء نے پہلی نظر اس پر ڈالی تھی جو کیمل ڈریس پینٹ، بلیو شرٹ میں ملبوس تھا، بال انتہائی چھوٹے تھے، ناک تلوار جیسی، ریڈ لائٹ سے ہیئر وہ واقعی بے حد جاذب نظر تھا، وہ اسے سیکنڈ ایئر انگلش ڈرامہ The Prisoner of Zenda کا روڈلف رسنڈیل جیسا لگا تھا، وہ کریکٹر اسے بے حد پسند تھا۔

"محترمہ! مجھے دیکھنے میں ٹائم ویسٹ نہ کریں، پلیز نیوز پیپر مجھے دے دیں"۔ خوبرو شخص نے جان لیا تھا کہ دلکشاء اس کے سحر میں کھو رہی ہے، دلکشاء نے نیوز پیپرز اسے تھما دیا وہ "تھینکس" کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا، اس کی ہائٹ، اس کی چال بے حد منفرد تھی، دلکشاء سحر اسے جاتا دیکھنے لگی۔

☆.....☆.....☆

وہ فارمیسی سے لوٹی تو مما کسی خاتون سے باتوں میں مگن تھیں۔

"عائشہ! یہ میری بیٹی دلکشاء سحر آفندی ہے، ایم اے اِن آئی۔ آر کر رہی ہے"۔ مما نے متعارف کروایا۔

"السلام علیکم!" دلکشاء نے خوش دلی سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا! جیتی رہو، رائمہ! بہت پیاری بچی ہے تمہاری، اتنے دنوں بعد تمہیں دیکھ کر بے حد خوشی

ہوئی"۔ عائشہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کتنی گہری دوستی تھی ہماری، تم شادی کر کے لاہور چلی گئیں اور ہماری دوستی ختم سی ہوگئی تھی اور آج کراچی کے اس ہاسپٹل میں تمہیں دیکھ کر میں بے حد خوش ہوں"۔ عائشہ بیگم، رائمہ بیگم سے مخاطب تھیں، دونوں بچپن کی سہیلیاں خوش گپیوں میں مگن تھیں اور دلکشاء کی سوچوں کا محور سید سادان شاہ کی طرف تھا، وہ سر جھکائے اپنے ناخنوں کو دیکھنے میں مگن تھی۔

"مام! چلیں اب ہماری باری ہے"۔ جانی پہچانی آواز پر دلکشاء نے سرعت سے سر اٹھایا تھا، سادان شاہ، عائشہ بیگم کے پاس کھڑا تھا اور اس کی نگاہیں دلکشاء سحر آفندی پر تھیں۔

"رائمہ! یہ میرا بیٹا ہے سید سادان شاہ، آرمی میں ہے، ابھی چھٹیوں میں آیا ہوا ہے، میری آنکھوں کی سرجری کے بعد واپس چلا جائے گا میرا بچہ!" عائشہ بیگم نے محبت سے کہا تھا۔

"اور بیٹا! یہ رائمہ آنٹی ہیں، میری بچپن کی واحد سہیلی، جن کا تم سے اکثر ذکر کرتی ہوں ناں؟" عائشہ بیگم

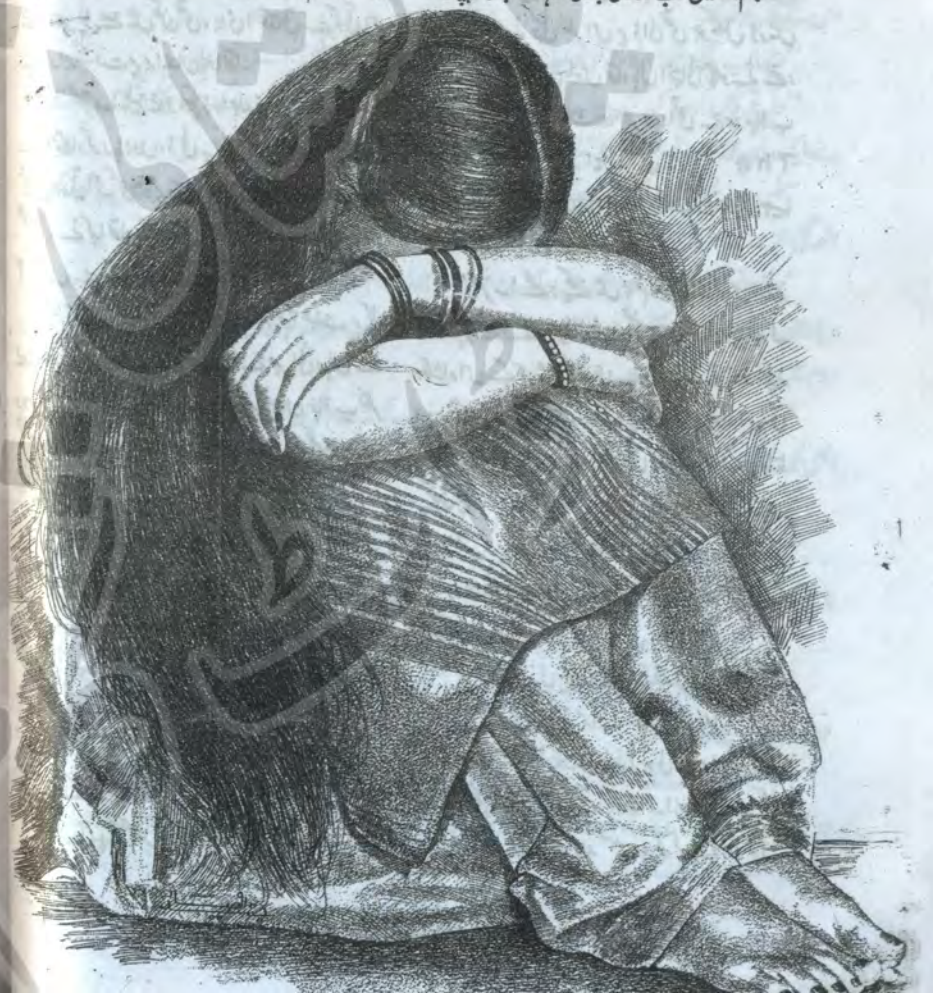

نے یاد دلایا۔

"جی آنٹی! مام آپ کے متعلق ہمیشہ مجھ سے باتیں کرتی نہیں تھکتی ہیں"۔ سادان وہیں کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اور بیٹا! یہ دلکشاء سحر آفندی ہے، رائمہ کی بیٹی ہے"۔ عائشہ بیگم نے دلکشاء کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی اچھا، ان سے تو میں پہلے ہی مل چکا ہوں"۔ سادان نے دلکشاء کی طرف دیکھ کر کہا، دلکشاء نے بے ساختہ اسے دیکھا تھا۔

"اچھا بھئی! کب ملاقات ہوئی؟" عائشہ بیگم نے معنی خیز لہجے میں استفسار کیا، رائمہ بیگم خاموش بیٹھی تھیں۔

"ان سے مجھے نیوز پیپر چاہیے تھا، اسی وقت ملاقات ہوئی"۔ سادان نے معلومات فراہم کیں، دلکشاء کو بے انتہا غصہ آ رہا تھا، جونیئر ڈاکٹر نے رائمہ آفندی کا نام پکارا تو دلکشاء نے چین کا سانس لیا اور مما کا ہاتھ تھامے دوسرے روم کی طرف جانے لگی۔

☆.....☆.....☆

کچھ دیر بعد عائشہ بیگم اور سید سادان شاہ بھی اسی کمرے میں داخل ہوگئے، عائشہ بیگم کی بھی آنکھوں کی تیسری سرجری تھی، دلکشاء سحر آفندی کو کوفت محسوس ہو رہی تھی، جانے وہ کون سا جذبہ تھا جو اس کی نظریں سید سادان شاہ کے گرد ہی احاطہ کر رہی تھیں، سادان جوتوں سے فرش کریدنے میں منہمک تھا، سرجری کے لیے دونوں پیشنٹ آپریشن تھیٹر میں جا چکے تھے، دلکشاء اکیلی بیٹھی I.R کی کتاب تھامے پڑھنے میں مگن تھی۔

"محترمہ!?May i sit here"۔ سادان شاہ نے برابر بیٹھنے کے لیے اجازت طلب کی۔

"As you wish"۔ دلکشاء نے یہ کہہ کر اپنی نظریں کتاب پر مرکوز کر لی تھیں۔

"آپ نے بے حد اچھے سبجیکٹ کا انتخاب کیا ہے"۔ سید سادان شاہ نے اسے چائے پکڑاتے ہوئے کہا تھا۔

"دیکھیں مسٹر! مجھے چائے نہیں پینی اور خواہ مخواہ آپ فری نہ ہوں"۔ دلکشاء نے دوٹوک الفاظ میں کہا تھا۔

"محترمہ دلکشاء! میں فری کیوں ہوں گا، بس مما کی تھرڈ سرجری خیر و عافیت سے ہو جائے، پھر میں آپ سے نکاح کے بعد سیاچن کی وادیوں میں چلا جاؤں گا، بس چند دن رہ گئے ہیں میری چھٹیاں ختم ہو جائیں گی"۔ سادان نے تمام معلومات فراہم کیں۔

"آپ لگ رہا ہے اپنے حواسوں میں نہیں ہیں، آپ اور مجھ سے نکاح.... آپ کا دماغ شاید خراب ہے"۔ دلکشاء نے کتاب بند کر کے پر اعتماد لہجے میں کہا تھا۔

"آپ کی مما سے میری مما نے بات کر لی ہے"۔ سادان نے بتایا، دلکشاء پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"دلکشاء! آپ پریشان نہ ہوں، پلیز"۔ سید سادان نے کہا تھا، بلیو سوٹ میں ملبوس، نرم و نازک سی دلکشاء اسے بے حد پسند آئی تھی اور اس نے مما کو آگاہ کر دیا تھا، اس کی مما ان خاتون تک اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر گئی تھیں اور ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی، جب انہیں دیکھ کر وہ سمجھ گئیں وہ ان کی بچپن کی واحد سہیلی رائمہ ہیں، اپنے بیٹے اور فیملی کے متعلق تمام چیزیں آگاہ کر کے انہوں نے دلکشاء کا ہاتھ مانگا تھا، رائمہ کو کوئی اعتراض نہیں تھا، بس وہ ایک بار دلکشاء کی مرضی پوچھنا چاہتی تھیں، سرجری ہو جانے کے بعد وہ مما کے ساتھ گھر آ گئی، مگر اس کی سوچ میں سید سادان نے بسیرا کر رکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

"دلکشاء!" وہ پڑھنے میں مگن تھی جب مما نے آواز دی۔

"جی مما!" وہ کتاب بند کر کے مما تک آئی تھی۔

"تمہیں سید سادان شاہ کیسا لگتا ہے؟" مما نے اسے اپنے پاس بٹھا کر استفسار کیا۔

"کیوں مما؟" دلکشاء نے الٹا سوال کیا۔

"بیٹا! عائشہ نے تمہیں سادان کے لیے مانگا ہے، وہ ہماری دوستی کو رشتے داری میں بدلنے کی متمنی ہے، سادان آرمی میں ہے، بس چند دنوں بعد اس کی واپسی ہے، وہ چاہتی ہے سادان سے تمہارا نکاح ہو جائے، آج آرہے ہیں عظیم بھائی، عائشہ اور سادان"۔ مما نے تمام معلومات گوش گزار کی تھیں۔

"مما! پر یہ سب اتنی اچانک.....؟ میں تو ذہنی طور پر تیار بھی نہیں ہوں"۔ دلکشاء نے رسانیت سے جواب دیا۔

"بیٹا! تم پریشان نہ ہو، بس ابھی تو فی الحال نکاح ہوگا، رخصتی اس وقت ہوگی، جب وہ چھٹیوں میں آئے گا، تم پریشان نہ ہو، میں ہوں ناں پریشان ہونے کے لیے"۔ رائمہ بیگم نے اپنی اکلوتی بیٹی کو گلے لگاتے ہوئے کہا تھا، شوہر کی وفات کے بعد وہ اپنی بیٹی کے لیے ہی زندہ تھیں، دلکشاء نے ڈنر کی تمام تیاری خود کی تھی، اسے سادان پسند تو تھا، مگر اچانک نکاح پر وہ قدرے حیران تھی، رات 8 بجے عظیم صاحب، عائشہ بیگم اور سید سادان شاہ کی تشریف آوری ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

"السلام علیکم!" کمرے میں داخل ہوتے ہی دلکشاء نے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام!" بیک وقت سب نے جواب دیا تھا، سید سادان شاہ کی نگاہیں پرہی مرکوز تھیں۔

"آؤ بیٹا! میرے پاس بیٹھو"۔ عائشہ بیگم نے اسے اپنے پاس بلایا، وہ ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی، عائشہ بیگم نے دیدہ زیب انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنائی تھی۔

"شکریہ!" دلکشاء نے جھجک کر کہا تھا۔

"رائمہ! اب یہ میری بیٹی ہے، پرسوں ہی میں اسے اپنا بنالوں گی"۔ عائشہ بیگم نے کہا تھا۔

"کیوں نہیں، اب یہ تمہاری ہی ہے"۔ رائمہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا، عظیم صاحب نے مسکراتے ہوئے بیٹے اور ہونے والی بہو کی جانب دیکھا تھا، وہ بے حد خوش تھے، دلکشاء نے سر اٹھایا، سادان مسکراتی نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا، بلیک پینٹ شرٹ میں وہ بے حد جاذب نظر لگ رہا تھا، تمام وقت سادان کی نگاہیں دلکشاء پر ہی تھیں، ڈنر کے بعد وہ لوگ جا چکے تھے، مما بھی سونے جا چکی تھیں، وہ چائے کا مگ تھامے چاند دیکھنے میں مگن تھی، یہی اس کا من پسند مشغلہ تھا۔

☆.....☆.....☆

دو دن ایسے ہی گزر گئے تھے، آج اس کا نکاح تھا، وہ دلہن بنی بیٹھی تھی، جبھی مولوی صاحب، عظیم صاحب، عائشہ بیگم، رائمہ بیگم اور دیگر عزیز و اقارب کے ساتھ تشریف لائے تھے، نکاح کے وقت وہ بے تحاشہ روئی تھی، نکاح کے بعد اسے اسٹیج تک لایا گیا تھا، جہاں سید سادان شاہ گرے شیروانی سوٹ میں جاذب نظر لگ رہا تھا، اسے سادان کے پہلو میں بٹھا دیا گیا۔

"بے حد حسین لگ رہی ہو"۔ سادان نے سراہا، وہ واقعی گرے اینڈ شائننگ پنک شرارے میں بے انتہا حسین لگ رہی تھی، دلکشاء کی دلکشی سے ماحول جگمگا اٹھا تھا، ان کی جوڑی کو سب سراہ رہے تھے۔

"تم نے نہیں بتایا، بتاؤ میں کیسا لگ رہا ہوں؟" سادان نے استفسار کیا۔

"میں نے آپ کو دیکھا نہیں ہے، جو بتاؤں کہ کیسے لگ رہے ہیں"۔ دلکشاء نے چوری چوری اسے دیکھ کر کہا۔

"اچھا تو یہ بات ہے؟" وہ یہ کہہ کر اسٹیج سے اٹھ کھڑا

ہوا اور دلکشاء کے عین سامنے آ کھڑا ہوا، دلکشاء اس کی اس حرکت پر جل بھن گئی، تمام حاضرین کے قہقہے بے ساختہ تھے، چند لمحوں بعد وہ اس کے برابر نشست پر براجمان ہو گیا۔

"اب دیکھ لیا ناں؟ اب بتاؤ کیسا لگ رہا ہوں؟" سادان نے دوبارہ استفسار کیا۔

"بے حد برے لگ رہے ہیں"۔ دلکشاء نے تپ کر کہا۔

"اچھا بھئی! میں برا ہی بھلا، مگر تم تو بے تحاشہ پیاری لگ رہی ہو، بالکل میرے خوابوں جیسی، بے حد دلکش"۔ سادان جانے کیا کیا کہہ رہا تھا، دلکشاء کے لیے یہ سب نیا نیا سا تھا، ڈنر کے بعد وہ لوگ جانے لگے تھے، پرسوں سادان شاہ کی واپسی تھی، دلکشاء کو اللہ حافظ کہہ کر سادان جانے لگا۔

"آپ واپس آئیں گے ناں؟" جانے وہ کون سا جذبہ تھا اسی کے تحت دلکشاء نے گھبرا کر استفسار کیا تھا۔

"میں ضرور آؤں گا اگر زندگی نے مہلت دی تو، تم اپنا بے حد دھیان رکھنا"۔ سادان نے کہا، دلکشاء سحر کی آنکھیں مسلسل بھیگ رہی تھیں۔

"رو کیوں رہی ہو؟ مت روؤ پلیز"۔ وہ پریشان سا وہیں بیٹھ گیا۔

"رات کال کروں گا، تمہیں اعتراض تو نہیں ہوگا ناں؟" سادان نے اجازت طلب کی، دلکشاء نے نفی میں سر ہلایا۔

"تھینکس اور تم روئیں تو میں نہیں جاؤں گا"۔ سادان نے کہا۔

"آپ جائیں، میں نہیں روؤں گی"۔ دلکشاء نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"That's like a good girl!" خوش رہنا، اللہ حافظ!" کہہ کر وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، دلکشاء کا من کر رہا تھا وہ سادان کو جانے ہی نہ دے، مگر رخصتی سادان کی واپسی تک ملتوی تھی، اس نے انتظار میں عافیت جانی۔

☆.....☆.....☆

وہ جیولری وغیرہ سمیٹ رہی تھی، جبھی سیل فون نے رنگ کرنا شروع کر دیا۔

"السلام علیکم! میری نئی نویلی دلہن پلس وائف کیا کر رہی ہے؟" کال پک کرتے ہی سید سادان شاہ کی محبت سے مخمور آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"وعلیکم السلام! میں جیولری، چوڑیاں سمیٹ رہی تھی"۔ دلکشاء نے بتایا۔

"ہوں.....آج تو تم بے حد حسین لگیں، مما سے نظر اتروالینا، تمہیں میری نظر لگی ہوگی"۔ سادان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب اتنی بھی حسین نہیں ہوں کہ مجھے نظر لگ جائے"۔ دلکشاء نے معصومیت سے کہا۔

"اتنی نہیں بے حد حسین ہے میری زندگی"۔ سادان نے کہا۔

"چپ کیوں ہو؟ کچھ کہو!" سادان نے فرمائش کی۔

"کیا کہوں، میرا دل بے حد ڈر رہا ہے، میں بے حد مضطرب ہوں"۔ دلکشاء نے بوجھل دل سے جملہ ادا کیا۔

"کیوں مضطرب ہو تم، کیا تم ہمارے نکاح سے خوش نہیں ہو؟" سادان نے استحقاق بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

"نہیں تو ایسی کوئی بات نہیں، مگر میں آپ کو کھونا نہیں چاہتی، کسی بھی قیمت پر نہیں"۔ دلکشاء نے قدرے آہستگی سے کہا، سید سادان شاہ اپنی خوش قسمتی پر بے حد نازاں تھا۔

"میں تمہیں کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤں گا، فقط اتنا کہہ سکتا

ہوں، اگر زندگی نے مہلت نہ دی تو معذرت، کیونکہ میں خود تمہاری ہمراہی میں اپنی زیست گزارنے کا متمنی ہوں، میں خود تمہیں اپنے پاس، اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں، بس تم اپنا دھیان رکھنا، میرے آتے ہی تم میرے گھر، میری زیست میں شامل ہو جاؤ گی، اب اتنا تو اطمینان ہے کہ تم میری شریکِ حیات ہو، میں بے حد خوش ہوں''۔ سادان محبت سے کہہ رہا تھا اور دلکشاء آنکھیں بند کیے اس کے جذبات سن رہی تھی، ایسا ہی تو اس کا دل بھی کرتا تھا، بات کرتے کرتے کب صبح ہوئی، انہیں اندازہ نہ ہوا، فجر کی نماز ادا کر کے وہ سونے لگی تھی۔

☆..........☆..........☆

وہ شاور لے کر لان میں آئی تو مما کہنے لگیں۔

''بیٹا! عائشہ نے تمہیں آج بلوایا ہے، میں تو منع کرتی رہ گئی، مگر عظیم بھائی، عائشہ اور سادان نے بے تحاشہ ریکوئیسٹ کی ہے اور تمہیں ساتھ لانے کی بھی عائشہ نے فرمائش کی ہے، تم تیار ہو جاؤ، ایک گھنٹے میں نکلتے ہیں، چند جوڑے بھی بیگ میں رکھ لینا''۔ مما نے تاکید بھی کی وہ بے حد حیران ہو رہی تھی۔

''مما! کیا ہم وہاں رہنے جا رہے ہیں؟ کل تو ان لوگوں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا تھا''۔ دلکشاء نے استفسار کیا۔

''بیٹا! مجھ سے کہا تھا انہوں نے اور میں تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہی تھی''۔ مما نے اسے خود سے لگاتے ہوئے کہا۔

''سادان نے تو ذکر تک نہیں کیا''۔ وہ یہ سوچ کر تیار ہونے چل دی، کاہی گرین رنگ اس پر خوب جچ رہا تھا، مما نے چوڑیاں اور نوز پن بھی پہننے کا کہا تھا، نازک سے ہی سہی اس نے کانوں میں آویزے بھی ڈال لیے تھے، پنک میک اپ کے ہمراہ وہ بھی پنک ہو رہی تھی، مما نے بے ساختہ اس کی نظر اتاری تھی، وہ مکمل تیار تھی، جبھی ہارن کی آواز پر ٹھٹکی۔

''چلو بیٹا! سادان آیا ہوگا''۔ مما یہ کہہ کر آگے بڑھیں۔

''مما! سادان کیوں لینے آئے ہیں، ہم خود چلے جاتے؟'' دلکشاء سحر نے رسانیت سے کہا۔

''بیٹا! عائشہ نے بھیجا ہے، تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟ وہ تمہارا شوہر ہے''۔ مما یہ کہہ کر آگے جانے لگیں، وہ بھی ہولے ہولے ان کے پیچھے چل دی، فرنٹ اینڈ بیک ڈور وا کر کے سادان ان کا انتظار کر رہا تھا۔

''السلام علیکم!'' دلکشاء نے سلام میں پہل کی۔

''علیکم السلام! جیتی رہیں''۔ کہہ کر وہ مما کو سلام کرنے لگا اور ان کے آگے اپنا سر جھکا دیا، مما نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا، مما پیچھے بیٹھ گئی تھیں، وہ بھی ان کے پاس بیٹھنے لگی۔

''محترمہ! پلیز آپ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ جائیں، ورنہ میں آپ کا شوفر لگوں گا''۔ سادان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ دلکشاء کچھ کہے بغیر اس کے مدمقابل براجمان ہو گئی، مما تسبیح پڑھنے میں مگن تھیں، تمام سفر دونوں خاموش رہے، آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ''شاہ ولا'' پر گاڑی رکی تھی، عظیم صاحب اور عائشہ بیگم نے ان کا بھرپور استقبال کیا تھا۔

☆..........☆..........☆

ان کا گھر بے حد عالیشان تھا، انٹیریئر ڈیزائنر نے گھر کیا خوب سنوارا تھا، شاہ ولا واقعی قابلِ دید تھا۔

''آپ لوگوں نے بے حد خوبصورت گھر ڈیکوریٹ کیا ہے''۔ دلکشاء نے بے ساختہ سراہا تھا۔

''بے حد شکریہ!'' سادان نے مسکرا کر کہا تھا۔

''بیٹا! گھر ڈیکوریٹ کرنے والے انٹیریئر ڈیزائنر

سادان خود ہیں''۔ عظیم صاحب نے دلکشاء کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

''واقعی....؟'' دلکشاء سے پہلے رائمہ بیگم نے اشتیاق بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

''جی مما!'' سادان کے کہنے پر مما نہال ہو گئیں، اس نے سادان کی طرف دیکھا جو بلیک پینٹ اور کاہی گرین شرٹ میں بے حد چارمنگ لگ رہا تھا۔

ناشتے سے مزین ڈائننگ میں سب ہی خوش گپیوں میں مگن تھے، عظیم صاحب، دلکشاء کو پورا گھر دکھانے کی تاکید کر کے آفس جا چکے تھے، بیٹے نے نہایت فرمانبرداری سے سرِ تسلیم خم کیا تھا۔ دونوں سہیلیاں اپنی کہانیوں میں مگن تھیں۔

''سادان! دلکشاء کو گھر تو دکھاؤ''۔ چند لمحے باتیں اسٹاپ کر کے عائشہ بیگم نے جلدی سے کہا تھا۔

''جی مما!'' کہہ کر وہ دلکشاء کو گھر دکھانے لگا تھا۔

☆..........☆..........☆

''یہ دیکھیں جانِ عزیز بیگم صاحبہ! یہ ہمارا بیڈ روم ہے''۔ سادان نے کوپر اینڈ اسکائی بلیو آراستہ کمرے میں قدم رکھتے ہوئے کہا، کاپر دیدہ زیب فرنیچر اسکائی بلیو ود کاپر کنٹراس کارپٹ، اسکائی بلیو پردے، اسکائی پینٹ اور دیواروں پر سادان کی کئی تصویریں آویزاں تھیں، سادان کی بڑی سی آرمی ڈریس میں مسکراتی تصویر نگاہوں کا مرکز تھی، دلکشاء اسے دیکھنے میں مگن ہو گئی، اس کا روم اسے بے تحاشہ پسند آیا تھا۔

''تصویر میں کیوں؟ مجھے ایسے ہی دیکھ لو''۔ سادان تصویر کے سامنے آ کھڑا ہوا، اور دلکشاء نے نظریں نیچی کر لیں۔

''شرما رہی ہو؟'' سادان نے محبت سے چھیڑا۔

''نہیں تو''۔ دلکشاء نے مختصر جواب دیا۔

''آؤ بیٹھو''۔ وہ اسے بیڈ پر بٹھا کر خود صوفے پر براجمان ہو گیا۔ اس کی نظریں دلکشاء پر ہی مرکوز تھیں۔

''بے تحاشہ پیاری لگ رہی ہو، بالکل دلہن جیسی''۔ سادان ہنوز اسے دیکھ رہا تھا۔

''دلکشاء! میں چلا جاؤں گا تب بھی ایسے تیار رہا کرو گی ناں؟'' سادان صوفے سے اٹھ کر اس کے مقابل براجمان ہو گیا، اور سبز چوڑیوں اور مہندی سے مزین کلائی تھام کر استفسار کرنے لگا۔

''جی!'' دلکشاء نے بس اتنا ہی کہا تھا، وہ اس کی نظروں سے پزل ہو رہی تھی، ایسے تو اس میں بلا کا اعتماد تھا، مگر سادان کی نظروں میں جانے وہ کون سی بات تھی، اسے ایسا لگتا تھا، اگر وہ اسے دیکھ لے گی تو کرچی کرچی ہو جائے گی۔

''میری طرف دیکھو''۔ سادان نے کہا، دلکشاء نے نظریں اٹھائی تھیں۔

''تم اداس کیوں ہو؟'' سادان نے استفسار کیا۔

''میں اداس نہیں ہوں''۔ دلکشاء نے جواب دیا۔

''پھر مجھے کیوں ایسا لگتا ہے؟'' سادان نے جزبز ہوتی کیفیت میں استفسار کیا تھا۔

''میرے دل میں ڈر سا ہے''۔ دلکشاء نے رات والی بات دہرائی۔

''میری جان! ڈر کو خود پر حاوی مت ہونے دو، اکثر آپ کا ڈر یقین میں بدل جاتا ہے، اب تمہیں نہیں ڈرنا کیونکہ تم ایک سپاہی کی منکوحہ ہو''۔ سادان نے اس کے ہاتھوں کو مٹھیوں میں بھینچ کر کہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، میں خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہوں''۔ وہ خود کلامی کرنے لگی۔

''جو نصیب میں ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، مجھے اللہ نے جتنی زندگی دی ہے، میں جیوں گا دلکشاء! تمہاری

رفاقت میں، بس تم دعا کرو، اکثر دعاؤں سے تقدیر بھی بدل جایا کرتی ہے"۔ سادان ہولے ہولے اسے سمجھا رہا تھا، کتنا پیارا دل تھا اس کا اور وہ کتنا پیارا انسان تھا، وہ اسے بغور دیکھنے لگی، اس کے چہرے کی طرح اس کا دل بھی بے تحاشہ خوبصورت تھا۔

"چہرہ شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے"۔ اسے لگا اس نے یہ بالکل ٹھیک سنا ہے، وہ بے حد نازاں تھی، جو محبت لٹانے والا ہمسفر اس کا ہمسفر تھا۔

☆............☆............☆

لنچ کے بعد مما نے کہا تھا وہ دلکشاء کو باہر گھما لائے تاکہ انہیں ساتھ وقت گزارنے کا کچھ موقع ملے، کیونکہ کل سادان کی واپسی تھی، رائمہ بیگم کو کوئی اعتراض نہیں تھا کیونکہ وہ سادان کی منکوحہ تھی، وہ تیار ہو کر آئی تو سادان فرنٹ ڈور وا کیے اس کا انتظار کر رہا تھا، شاکنگ پنک ڈریس، چوڑیوں اور ہلکے پھلکے میک اپ کے ہمراہ دلکشاء کا روپ الگ تھا، سادان مبہوت ہو گیا، وہ اس کے مقابل بیٹھ گئی، وہ فراٹے سے گاڑی لے اڑا، سی ڈی پلیئر کی آواز دھن بکھیرنے لگی۔

زندگی میں تو سبھی پیار کیا کرتے ہیں
میں تو مر کر بھی میری جان تجھے چاہوں گا

دلکشاء کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"دلکشاء! رو کیوں رہی ہو؟" سادان نے پریشانی سے استفسار کیا۔

"میرا دل ڈوب رہا ہے"۔ دلکشاء نے بمشکل جملہ ادا کیا۔

"معاف کر دو مجھے، بس خاموش ہو جاؤ"۔ سادان نے ہاتھ جوڑے، دلکشاء کے آنسو اب بھی اس کے رخسار پر لڑھک رہے تھے۔

"تم بے حد حساس ہو، بہادر بنو لڑکی!" سادان نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو، تمہیں تاکید کر رہا ہوں، میرے جانے کے بعد بھی ایسے شوخ رنگ اور چوڑیاں پہننا سمجھیں؟" سادان نے یاد دہانی کروائی، دلکشاء نے ہنکارا بھرا، وہ اسے لیے شاپنگ سینٹر لے گیا۔

"شاپنگ کیوں؟" دلکشاء نے استفسار کیا۔

"میں چاہتا ہوں میری پسند کی کچھ چیزیں تمہارے پاس رہیں اور تم یہ تمام چیزیں زیب تن کرو، مجھے بے حد خوشی ہوگی"۔ سادان اسے لیے بوتیک میں انٹر ہوا، کئی دیدہ زیب ملبوسات اسے دلا کر وہ جیولری شاپ آ پہنچا۔

"سادان! بس بھی کریں، کیا تمام شاپنگ سینٹر خریدنے کا ارادہ ہے؟" دلکشاء نے نروٹھے پن سے کہا۔

"بس لے لو ناں، جانے پھر موقع ملے نہ ملے"۔ سادان نے مسکراتے ہوئے کہا، دلکشاء کے دل میں پھر وہی وہم آ سمایا تھا۔

"یہ چوڑیاں دیکھو، کتنی پیاری ہیں، انہیں تمہاری کلائی میں ہونا چاہیے"۔ وہ نیلم کی دیدہ زیب چوڑیاں اسے پہنانے لگا، کپڑے، چوڑیاں، جیولری، سینڈلز جانے اور کیا کیا لے رہا تھا، دلکشاء اس کی دیوانگی دیکھنے لگی، اپنے لیے سادان کا والہانہ انداز دیکھ کر اسے خاصی حیرت ہو رہی تھی۔

"خاموش کیوں ہو، تمہیں اچھا نہیں لگا؟" سادان نے استفسار کیا۔

"نہیں، بے حد اچھا لگا، آپ کی پسند آپ کی طرح خوبصورت ہے"۔ دلکشاء نے سراہا۔

"اور تم ان سب سے خوبصورت، میری زندگی ہو تم"۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے ریسٹورنٹ کی طرف بڑھا اور اوپن ایئر ریسٹورنٹ میں براجمان ہو گیا۔

"ڈنر کرتے ہیں، پھر تمہیں ساحل سمندر لے چلوں گا"۔ سادان نے محبت سے مخمور لہجے میں کہا۔

"نہیں، اب گھر چلیں گے، مما پریشان ہو رہی ہوں گی"۔ دلکشاء نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

"نہیں ہوں گی پریشان، میں نے دونوں ماؤں کو کہہ دیا تھا لیٹ آؤں گا، تم میری منکوحہ ہو، مجھے تمہاری زیادہ فکر ہے، اور تمہاری فکر کرنے کے لیے میں ہوں ناں؟ جب مر جاؤں تب تم اپنی فکر کرنا، اب ان تمام ٹینشنز سے آزاد رہو سمجھیں؟" سادان نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھیں مرنے کی باتیں ہر وقت اچھی نہیں لگتیں"۔ دلکشاء نے اداسی سے کہا تھا۔

"او کے جان عزیز! نہیں کہوں گا"۔ سادان نے گرمجوشی سے اس کے ہاتھ تھام کر کہا تھا، شاندار ڈنر کر کے ان دونوں نے ساحل سمندر کا رخ کیا تھا، تمام چیزیں اسے خواب کی مانند لگ رہی تھیں۔

"سادان! کیا ہم خواب دیکھ رہے ہیں؟" دلکشاء نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر استفسار کیا تھا، جہاں اس کے لیے محبتوں کا جہاں آباد تھا۔

"نہیں، ہم حقیقت میں ہیں"۔ سادان نے بھٹے کے دانے اس کی ہتھیلی میں رکھتے ہوئے کہا تھا، اور بے حد مدہم آواز میں اس کے کانوں میں سرگوشی کرنے لگا۔

"آج میری شریک حیات کو میری ہمراہی میں کیسا لگ رہا ہے؟" سادان نے دلکشاء کی آنکھوں میں جھانک کر استفسار کیا۔

"مجھے آپ کا ساتھ بے حد اچھا لگا، میں آج بے تحاشہ خوش ہوں"۔ وہ ہاتھ میں چائے تھامے بے حد مسرور نظر آ رہی تھی، سادان شاہ کے دل میں ڈھیروں اطمینان اترتا محسوس ہوا۔

"میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ خوش رہو اور تمہاری زندگی میں اداسی کا کبھی گزر نہ ہو"۔ اسٹریٹ لائٹ کی مدہم روشنی میں گیلی ریت پر چہل قدمی کرتے سادان محبت سے مخمور لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"پہلی ہی نظر میں، میں نے تمہیں دیکھ کر فیصلہ کر لیا تھا کہ تم ہی وہ شخصیت ہو، جو ایک فوجی کی سخت زندگی میں محبت کی پھوار بن کر برس سکتی ہو، اور جس کے ساتھ میں پرسکون زیست گزار سکتا ہوں، دو گی نا میرا ساتھ؟" سادان نے اپنی ہتھیلی پھیلا کر استفسار کیا، اس کی آنکھوں میں ایک محبت کا پرسکون و دلکش جہان آباد تھا۔

"انشاء اللہ! میں ہر قدم پر آپ کا ساتھ دوں گی"۔ دلکشاء نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا، ننگے پاؤں ساحل پر چلتے چلتے بہت سارا وقت گزارنے کے بعد مشرق سے سورج نکلنے کا دلکش منظر دونوں نے اپنی آنکھوں کے کینوس پر اتارا تھا، سورج اپنی آب و تاب کے ساتھ پہاڑوں کے عقب سے جلوہ گر ہوا تھا، اندھیرے کی پو پھٹ چکی تھی، ہر جگہ ہلکی ہلکی روشنی کا راج تھا، نارنجی اور زرد رنگ کے ملے جلے سحر زدہ ماحول سے نظریں چراتے ہوئے انہوں نے گھر لوٹنے کا قصد کیا تھا، شام کو سادان کی فلائٹ تھی، زندگی کے پرمسرت لمحے گزار کر سادان، دلکشاء کی کلائی تھامے کار کی طرف بڑھنے لگا۔

☆............☆............☆

"صبح بخیر زندگی!" وہ ڈائننگ پر نیوز پیپر پڑھنے میں منہمک تھی، انہیں آئے فقط ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا، ویسے ہی سادان ٹاول سے بال خشک کرتا اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا۔

"صبح بخیر!" دلکشاء نے چہرہ موڑ کر قدرے خوش دلی سے وش کیا۔

"ہماری مائیں سو رہی ہیں؟" سادان نے ٹاول سائیڈ پر رکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"جی، سب ہی سو رہے ہیں، کیونکہ صبح کے ساڑھے چھ بج رہے ہیں"۔ دلکشاء نے معلومات فراہم کیں، سیاہ شلوار سوٹ میں سادان کی جاذبیت ہی الگ تھی، دلکشاء نے اسے محویت سے دیکھا تھا۔

"جان عزیز! زندگی پڑی ہے، اتنی محویت سے دیکھنے کے لیے"۔ سادان نے مسکرا کر کہا، دلکشاء نے گڑبڑا کر اخبار آنکھوں سے لگالیا۔

"چائے پلاؤ گی؟ سرونٹ کی بھی صبح نہیں ہوئی ہوگی"۔ سادان کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے کہنے لگا، اس کی سرخ آنکھیں رت جگے کا بھید وا کیے دے رہی تھیں۔

"بے حد حسین اور فریش لگ رہی ہو"۔ سادان نے پرپل چوڑیوں سے مزین کلائی تھام کر کہا، وہ چکن کے ڈارک پرپل ڈریس میں بے حد انوسینٹ لگ رہی تھی۔

"اور آپ بھی بے حد خوبرو لگ رہے ہیں، مگر تھکن آپ کی آنکھوں سے نمایاں ہے، خواہ مخواہ آپ نے رات برباد کی، آج آپ نے جانا ہے، آپ کو بھرپور نیند لینی چاہیے تھی"۔ دلکشاء نے فکرمندی سے کہا۔

"جاناں! تم سے بڑھ کر میرے لیے کچھ بھی نہیں ہے"۔ سادان نے محبت سے بھرپور لہجے میں کہا، دلکشاء اٹھ کھڑی ہوئی، لاؤنج کراس کر کے اس نے کچن کا رخ کیا اور چائے کا پانی چولہے پر رکھنے لگی، سادان نے بھی اس کے پیچھے قدم بڑھائے تھے، آملیٹ بنانے کی غرض سے سادان نے سبزیاں شیلف پر رکھی تھیں۔

"آپ کیا کر رہے ہیں، میں بنا رہی ہوں ناں؟" سادان کو کام کرتا دیکھ کر دلکشاء چھری اس کے ہاتھوں سے لیے ہوئے گویا ہوئی۔

"نہیں ناں، تم توس بناؤ، میں آملیٹ بنا رہا ہوں"۔ سادان نے چھری واپس لے کر اس کی معلومات میں اضافہ کیا اور بڑی مہارت سے ٹماٹر پیاز اور ہری مرچیں کاٹنے لگا۔

"ان تمام کاموں میں آپ تو ماہر ہیں"۔ دلکشاء نے شیلف سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا، ہال نما کچن، جدید کراکریز و مشینریز سے آراستہ، اس گھر کے مکینوں کے ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھا، وائٹ ماربل سے آراستہ در و دیوار شیشے کی طرح چمک رہے تھے، ہر وال پر شیلف بنے ہوئے تھے، کبرڈ میں ضرورت کی تمام اشیاء موجود تھیں، دلکشاء نے طائرانہ نظر سے کچن کو بغور دیکھا تھا، واقعی شاہ ولا سراہے جانے کے قابل تھا، گھر کا ایک ایک گوشہ بے حد نفاست سے آراستہ تھا، اس کی نفاست پسند طبیعت کو یہ ماحول بے حد بھایا تھا۔

"مما کے ساتھ کوکنگ میں ہیلپ کیا کرتا تھا، اور اکثر وہاں بھی دوستوں کی فرمائش پوری کر دیا کرتا ہوں اور مما کی کوئی بیٹی تو ہے نہیں، تو میں یہ کمی اکثر و بیشتر پوری کر دیا کرتا تھا"۔ سادان نے سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا جی، یہ تو واقعی بہت اچھی بات ہے"۔ دلکشاء مسکرا کر گویا ہوئی، بریک فاسٹ تیار ہو جانے کے بعد دلکشاء نے لوازمات ڈائننگ ٹیبل پر سجا دیئے تھے۔

"آملیٹ تو واقعی بے حد لذیز ہے"۔ آملیٹ کا پیس منہ میں ڈالتے ہوئے دلکشاء نے سراہا۔

"تھینکس جناب! خادم حاضر ہے، جب آپ کہیں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا"۔ سادان نے ایپرن شیلف میں رکھتے ہوئے کہا اور اس کے برابر کرسی پر براجمان ہو کر چائے کے سپ لینے لگا۔

"ویسے تمہاری چائے بھی لاجواب ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ مجھ سے آج تک ڈھنگ کی چائے نہیں بنی"۔ سادان نے اس کے گلابی مکھڑے پر نظر جما کر بتایا۔

"کوئی بات نہیں، آپ بے فکر رہیں، میں ہوں ناں، آپ کو امور خانہ داری میں تاک کر دوں گی"۔ دلکشاء نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

"جی نہیں بیگم صاحبہ! بقول بڑے بوڑھوں کے چمچہ اس لیے لایا جاتا ہے تاکہ آپ کا ہاتھ نہ جلے"۔ سادان نے یہ کہہ کر جلدی سے اخبار آنکھوں سے لگالیا تھا، اندازہ تو تھا وہ "چمچہ" کہے جانے پر پیچ و تاب کھا رہی ہوگی۔

☆.....☆.....☆

مما بھی جاگ گئی تھیں، گھر کے تمام مکین لان میں کرسیاں ڈالے خوش گپیوں میں مگن تھے، ملازمین وہیں میز پر لوازمات سجا رہے تھے، گھر کا یہ حصہ بے حد پرسکون تھا، پھولوں اور بیلوں کی مسحور کن خوشبو وہاں کے ماحول کو سحر زدہ کیے ہوئے تھی۔ وہ اخبار کے مطالعے میں غرق تھا، جبھی مما اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"میری بیٹی کو گھما دیا ناں تم نے کراچی؟" عائشہ بیگم نے استفسار کیا۔

"جی مما! کراچی کی تھوڑی ہی دلکشی دکھائی ہے، باقی انشاء اللہ آؤں گا تو پورا کراچی دکھاؤں گا"۔ سادان شاہ نے دلکشاء کی طرف دیکھتے ہوئے خوش دلی سے کہا، جو اپنے ناخنوں کو دیکھنے میں مگن تھی، سادان اخبار سے نظریں ہٹا کر مسکرا کر دلکشاء کو دیکھنا نہیں بھول رہا تھا، سادان کو بار بار اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ کچھ نروس ہو رہی تھی، وہ محویت سے اسے تک رہا تھا اور اس کی نروسنس اسے لطف دے رہی تھی، دلکشاء نے شکایتی نگاہ اس پر ڈالی تھی، عائشہ اور رائنہ بیگم بیڈ روم میں جا چکی تھیں، دلکشاء نے بھی اٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

"رکو جان دل! خفا نہیں ہو، ورنہ تمہارا سادان برداشت نہیں کر پائے گا"۔ سادان نے فلمی انداز اپنایا۔

"آپ بھی ناں"۔ دلکشاء ہنوز ناراض تھی، سادان نے کان پکڑ لیے تھے۔

"اب تو معاف کر دو"۔ سادان نے منت کی، دلکشاء نے مسکراتی نگاہوں سے اپنے ہمسفر کو بغور دیکھا جو محویت سے اسے ہی دیکھ رہا تھا، یہ تمام پل اسے خواب کی مانند لگ رہے تھے، وہ بے انتہا خوش تھی، مگر سادان کی واپسی کا سوچ کر اس کا دل ڈوب سا رہا تھا۔

"کہاں کھو گئیں دلکشاء؟" سادان نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرائے تھے۔

"کہیں نہیں"۔ دلکشاء نے مسکرا کر جواب دیا، یونہی بے حد خوشی اور تھوڑے سے دکھ کے ساتھ شام ہوئی اور سادان شاہ کو الوداع کہنے کا کٹھن مرحلہ آ پہنچا۔

☆.....☆.....☆

جب وہ تیار ہو کر آئی تو سادان گاڑی میں سامان رکھوا رہا تھا، رائنہ اور عائشہ بیگم اسے ڈھیروں ہدایت دے رہی تھیں، اور وہ مسکرا کر سر ہلا رہا تھا۔

"وہاں کیوں کھڑی ہو؟ آؤ بیٹھو گاڑی میں"۔ سادان شاہ نے ڈوروا کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا، وہ چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی، وہ ڈرائیور کے برابر براجمان ہو گیا۔ بار بار پلٹ کر وہ مما اور عائشہ بیگم سے مخاطب ہونے لگا، دلکشاء کا موڈ بے حد آف تھا، بس آنکھیں چھلکنا باقی تھیں۔

"کیوں اداس ہو؟" سیل کی بیپ پر ایس ایم ایس اوپن کرتے ہی اس نے یہ جملہ پڑھا تھا، دلکشاء نے نظریں اٹھائی تھیں اور Text لکھنے لگی۔

"جی ہاں، میں اداس ہوں، کیونکہ میرا دل نہیں چاہ رہا ہے کہ آپ چلے جائیں"۔ دلکشاء نے Reply کیا۔

"جاناں! جانا تو ضروری ہے، انشاء اللہ ضرور آؤں گا، تم انتظار کرنا"۔ سادان کے Text پر اسے کچھ اطمینان ہوا۔

"میں آپ کا انتظار کروں گی، اور ہاں، بلیک اینڈ گرے ڈریسز ڈھیر سارے اپنے ہمراہ لیتے آیئے گا، آپ پر بہت سوٹ کر رہا ہے"۔ دلکشاء نے پھر میسج کیا۔

"اچھا جان سے عزیز بیگم صاحبہ! اتفاق سے آپ نے بھی بلیک اینڈ گرے ڈریس پہنا ہوا ہے، میری میچنگ کے ساتھ دلکشاء واقعی بے حد دلکش لگ رہی ہے، آؤں گا تو ڈھیر سارے تمہارے لیے بھی لیتا آؤں گا"۔ ساداں نے تفصیلی جواب دیا تھا۔

"جی ٹھیک ہے"۔ دلکشاء نے بس اتنا ہی لکھا تھا، اسے پٹڑی سے اترتا دیکھ کر اس نے خاموشی اختیار کرنے میں ہی عافیت جانی تھی، ساداں نے "I love You" کا میسج بھیجا تھا، دلکشاء سحر نے کوئی جواب نہیں دیا، سیل فون پرس میں ڈال کر اس کی پشت دیکھنے لگی، جناح ٹرمینل پر گاڑی رکی تھی، سب ساداں کو الوداع کرنے لگے۔

"اپنا دھیان رکھنا"۔ ساداں نے دلکشاء سحر سے کہا تھا، اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

"جان ساداں! روؤ تو نہیں، انشاء اللہ جلد لوٹوں گا"۔ وہ اسے سمجھا کر عائشہ اور رائمہ بیگم سے ملنے لگا، اور ایئرپورٹ کے اندرونی دروازے کی طرف بڑھنے لگا، دلکشاء سحر کی نگاہیں بدستور اس پر مرکوز تھیں، سید ساداں شاہ نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا اور بے ساختہ اپنا دایاں ہاتھ دل پر رکھا تھا، دلکشاء سحر نے مسکراتی نگاہ ساداں پر ڈالی تھی، ہاتھ ہلا کر اسے الوداع کہنے لگی، جب تک گلاس وال سے ساداں نظر آتا رہا، وہ وہیں کھڑی رہی، پھر مما اور عائشہ بیگم کے ہمراہ گھر آ گئی۔

☆............☆............☆

دن سبک رفتاری سے گزرنے لگے تھے، ساداں روزانہ فجر میں اسے کال کیا کرتا تھا، اور کبھی کبھار میسج بھی کر دیا کرتا تھا، اتنی ٹف روٹین میں وہ اسے نہیں بھولا تھا، وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوئی ہی تھی کہ سیل نے رنگ شروع کر دیا۔

"صبح بخیر زندگی!" ساداں شاہ کی محبت سے مخمور آ... اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"صبح بخیر!" دلکشاء نے بھی جواباً کہا تھا۔

"کیسی ہو؟" ساداں نے گرمجوشی سے استفسار کیا۔

"میں تو بالکل ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟ وہاں ٹھنڈ ہو گی ناں؟" دلکشاء سحر نے فکرمند لہجے میں استف... کیا۔

"جی ہاں جان دل! یہاں تو بے حد ٹھنڈ ہے پہاڑوں پر برف نے اپنا گھیرا کیا ہوا ہے، تند و تیز ہوا... نے سیاچن کی وادی میں احاطہ کیا ہوا ہے، تمام پرند... نے بھی کہیں اور بسیرا کرنے کے ارادے سے کہیں اور آشیانہ منتخب کر لیا ہے، ہر جگہ خوبصورتی و رعنائی ہے"۔ ساداں ایک جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

"واؤ....! مجھے ایسے موسم اور ماحول سے بے تحا... محبت ہے، سوچ کر ہی ذہن و دل پر عجیب سی سرشار... طاری ہو جاتی ہے، خیر! آپ گرم کپڑے تو پہن رہے ہیں ناں؟ ایسا نہ ہو ٹھنڈ لگ جائے"۔ دلکشاء سحر نے کہا تھا۔

"سپاہی مضبوط ہوتے ہیں میری زندگی! انہیں اب... وطن کی محبت میں کسی ٹھنڈ کا احساس نہیں ہوتا"۔ ساداں گویا ہوا۔

"وطن سے محبت تو مجھے بھی ہے، سادی! وطن سے محبت کرنا بے حد اچھی بات ہے، پھر بھی اپنا دھیان رکھ... بھی تو ضروری ہے، میری خاطر آپ گرم کپڑے پہننے کے ساتھ ساتھ اپنا ڈھیر سارا دھیان بھی رکھیں"۔ دلکشاء نے حکم صادر کیا تھا۔

"او کے جان سادی!" ساداں شاہ نے محبت بھر... لہجے میں کہا تھا، اسے کہتے کہتے دھیان ہی نہیں رہا تھا کہ...

اس کے سادی کہنے پر ساداں اتنا نوٹ کرے گا۔

"کہاں کھو گئی؟ اچھا یہ تو بتاؤ تم اداس تو نہیں ہو ناں دلکش؟" ساداں شرارتی انداز ہٹا کر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"نہیں تو میں اداس تو نہیں ہوں، مگر کبھی کبھی آپ کی یادیں مجھے اداس کر دیتی ہیں"۔ دلکشاء نے بھیگے لہجے میں کہا تھا۔

"یادیں تو انسان کو خوشی دیتی ہیں، اور تم اداس ہو جاتی ہو لڑکی!" ساداں نے نروٹھے پن سے کہا۔

"میں ان تمام یادوں کو ہمیشہ حقیقت کا روپ دیتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں، میں آپ کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں، میں آپ کو کبھی بھی کھونا نہیں چاہتی، آپ بس جلد واپس آ ئیں"۔ دلکشاء نے جزبز ہو کر کہا تھا، وہ اپنے متاع جان کو ہرگز بھی کھونا نہیں چاہتی تھی، اس کے لہجے میں واضح اس کی محبت تھی۔

"دلکشاء! تمہیں مجھ سے اتنی محبت کیسے ہو گئی؟" ساداں اس کی محبت سے سرشار ہو کر استفسار کرنے لگا۔

"پتہ نہیں مجھے آج تک کسی سے محبت نہیں ہوئی، میرے تمام جذبے اس انسان کے لیے تھے جو میرا شریک حیات ہو گا، میں نے کبھی امانت میں خیانت نہیں کی ساداں! اور نکاح کے مقدس بندھن میں بے حد اثر ہوتا ہے، دل خود بخود محبت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے"۔ دلکشاء آنکھیں بند کیے کہہ رہی تھی۔

"یہ تو حقیقت ہے، تمہاری باتیں، تمہارا چہرہ ہر پل مجھے یاد آتا ہے، تمہارا یہ والہانہ انداز محبت اور تمہاری یاد مجھے یہاں رہنے نہیں دے رہی، میں جلد آؤں گا دلکش! بس تم میری واپسی کی دعا کرنا، تمہارے ساتھ اپنی زیست بتانے کا متمنی ہوں"۔ ساداں شدت جذبات سے کہہ رہا تھا۔

"ساداں! کال ڈراپ کرو، سر Visit پر ہیں"۔ کوئی ناشناسا سی آواز دلکشاء کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"او کے زندگی! تمہیں بعد میں کال کروں گا، اپنا بے حد دھیان رکھنا"۔ اسے تاکید کر کے ساداں شاہ نے لائن منقطع کر دی تھی، سیل فون تھامے دلکشاء بیڈ پر بیٹھ گئی، اس کی سوچ کا محور ساداں کی جانب تھا، وہ تہہ دل سے اس کی واپسی کے لیے دعاگو تھی۔

☆............☆............☆

دن گزرتے گزرتے ساداں کی واپسی کے دن قریب آ ہی گئے تھے، اس کی واپسی میں چند دن باقی تھے، ساداں نے عائشہ بیگم سے کہہ دیا تھا کہ وہ دلکشاء کی شاپنگ کروانا شروع کر دیں، رخصتی میں دس دن باقی تھے، عائشہ و رائمہ بیگم دلکشاء کے ہمراہ شاپنگ کرنے میں مگن تھیں، بری کے جوڑے چوڑیاں سب ہی خریدی گئی تھیں، تیاریاں زور و شور سے جاری و ساری تھیں، وہ فریش ہو کر بیٹھی ہی تھی کہ ساداں کی کال آ گئی۔

"السلام علیکم! کیسی ہے میری منکوحہ؟" کال پک کرتے ہی ساداں کی محبت سے مخمور آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"میں تو بالکل ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟" دلکشاء نے دلکش لب و لہجے میں استفسار کیا۔

"میں میری زندگی کی دعا سے بالکل ٹھیک ہوں، پرسوں آؤں گا تو دیکھ لیجیے گا جناب!" ساداں نے کہا، اس کی خوشی اس کے لہجے سے نمایاں تھی، وہ دلکشاء تک پہنچنے کی خوشی سے بے حد سرشار تھا۔

"ہوں.... پھر ٹھیک ہے"۔ دلکشاء نے کھنکتے لہجے میں کہا۔

"دلکش! تم خوش ہو ناں؟" ساداں نے استفسار کیا۔

"جی ہاں! میں بے حد خوش ہوں، ابھی مما نے بری کے جوڑے دلائے ہیں، کچھ دیر قبل ہی شاپنگ سے لوٹی

ہوں"۔ دلکشاء نے بتایا۔

"ویری گڈ! کیسے ڈریس لیے؟" سادان نے اشتیاق سے استفسار کیا۔

"بے حد پیارے ہیں، ریڈ اینڈ اورنج شرارہ، رخصتی کے لیے لیا ہے اور ولیمے ریسپشن کے لیے Aqua Marine اور بلیو فش لہنگا، اچھے ہیں ناں؟" دلکشاء نے بتانے کے بعد رائے طلب کی۔

"ہوں..... بے حد اچھے ہیں، جب تم انہیں زیب تن کروگی تو واقعی ان کی شان مزید بڑھ جائے گی"۔ سادان نے مسکرا کر کہا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے"۔ دلکشاء نے نفی کی۔

"پھر کیسی بات ہے؟" سادان نے مزید استفسار کیا۔

"سادی! آپ بھی ناں، اب جائیں بہت بات ہوگئی ہے"۔ دلکشاء نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے کہا، وہ اس کی باتوں سے پزل ہو رہی تھی۔

"او کے میری جان! کچھ وقت اور باتیں کرلو، جانے پھر موقع ملے نہ ملے"۔ سادان نے اصرار کیا۔

"میں خفا ہو جاؤں گی، آپ بہت برے ہیں"۔ دلکشاء نے روٹھے پن سے کہا، اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئی تھیں، سادان خاموش تھا۔

"ایک بات میری بھی سن لیں، مجھے آپ کے ساتھ کے سوا کسی کا بھی ساتھ منظور نہیں، اگر آپ کو کچھ ہوا ناں تو میں مر جاؤں گی"۔ دلکشاء نے ہچکیوں کے درمیان بمشکل جملہ ادا کیا۔

"دلکش! مت روؤ ناں، تمہیں میں روتا نہیں دیکھ سکتا، پلیز خاموش ہو جاؤ"۔ سادان نے منت کی، دلکشاء ہنوز خاموش تھی۔

"فی الحال تو میں گیاری سیکٹر میں تعینات ہوں اور یہاں بے تحاشہ ٹھنڈ ہے، اتنی کے بندہ آئسکریم جائے"۔ سادان نے بات بدل کر شوخی سے کہا۔

"اچھا، میں نے تو سنا تھا سپاہی بے حد مضبوط ہو ہیں؟" دلکشاء نے اس کی بات کہہ کر اسے چڑایا، سا بے ساختہ ہنسنے لگا، اس کے لیے یہی بہت تھا کہ دلکش موڈ ٹھیک ہو گیا ہے۔

"بلاشبہ سپاہی بے حد مضبوط ہوتے ہیں محترمہ! آ نے بالکل ٹھیک سنا ہے، مگر سپاہیوں کے دل بے حد ہوتے ہیں، کیونکہ سپاہیوں کے دلوں میں ایک عدد جو بستی ہے"۔ سادان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"دوشیزہ یا دوشیزائیں؟" دلکشاء نے چھیڑا۔

"دوشیزاؤں سے سپاہیوں کو جوتے تھوڑی کھا ہیں، دوشیزاؤں کے سینڈلز تو دشمن سپاہی کی گولیوں بھی زیادہ تیز ہوتے ہیں"۔ سادان نے شوخی سے کہا۔

"بڑا ایلیسپیرنس ہے آپ کو؟" دلکشاء نے شرار سے کہا۔

"ایلیسپیرنس میرا ذاتی تو نہیں، مگر میں نے دوسر کے تجربات سے یہ اخذ کیا ہے کہ گویا سینڈلز زیادہ ہوتے ہیں یا دشمن سپاہی کی گولیاں؟" سادان نے شوخی سے کہا، دلکشاء کی ہنسی بے ساختہ تھی، سادان ہمیشہ اسے ہنساتے رکھنے کا دل میں عہد کیا تھا۔

"اچھا جان سادی! اب اجازت دو، آنے تک باتیں سنبھال کر رکھو، تمہاری شدتوں کی داستان سننے لیے تو میں خود بے چین ہوں، اپنا دھیان رکھنا"۔ سا نے محبت سے کہا تھا۔

"آپ بھی اپنا دھیان رکھیے گا، اللہ حافظ!" سادان نے لائن منقطع کر دی تھی۔

☆.....☆.....☆

کل سادان سیاچن کی وادیوں سے آنے والا

دلکشاء سحر سادان بے تحاشہ خوش تھی، کتنا انتظار کیا تھا اس نے اس لمحے کا، بس ایک دن انتظار کل دوپہر اس کی واپسی تھی، اس کا دل عجیب سی لے پر دھڑک رہا تھا، کتنے سپنے تھے اس کی آنکھوں میں، کتنی محبت تھی اس کے دل میں سادان کے لیے، یہ تمام شدتیں حقیقت کا روپ دھارنے ہی لگی تھیں۔

"دلکش! میں کل آ رہا ہوں"۔ میسج اوپن کرتے ہی سادان کے الفاظ پڑھ کر اسے کچھ ہوا تھا۔

"سادی! میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں"۔ دلکشاء نے یہ لکھ کر Reply کیا اور شادی کے جھمیلوں میں مگن ہوگئی، اس کے ایک ایک انداز سے خوشی جھلک رہی تھی، وہ مما کے پاس بیٹھی سادان شاہ کے متعلق باتیں کر رہی تھی، اور مما بیٹی کی خوشیوں پر نہال ہو رہی تھیں، اس کی تمام خوشیاں سید سادان شاہ سے ہی وابستہ تھیں، ٹی وی بھی لاؤنج میں آن ہی تھا، مگر اس کی نظریں ٹی وی کے بجائے مما پر مرکوز تھیں۔

"گیاری سیکٹر، ہمارے فوجی جوان برفانی تودے تلے دب گئے"۔ نیوز کاسٹر کی بلند و بانگ آواز پر اس نے اپنی نگاہیں بے ساختہ ٹی وی پر مرکوز کی تھیں، تمام چینلز پر یہی بریکنگ نیوز چل رہی تھی، یہ دیکھ کر اس کا دل ڈوبنے لگا تھا، مما بے حد پریشان ہونے لگیں، وہ موبائل اٹھائے سادان کا نمبر ڈائل کرنے لگی تھی، جبھی اس کے لاسٹ Text پر نظر پڑی۔

"میری زندگی، میری جان جاں
مجھے لے چلو کبھی اس جہاں
جہاں غم کوئی نہ آ سکے
جہاں نفرتیں نہ ستا سکیں
جہاں قرب ہو، جہاں ہو خوشی"

دلکشاء سحر کے آنسو اسکرین پر گر رہے تھے، وہ آنسوؤں کو بے دردی سے صاف کرتے سادان کو مستقل کال کر رہی تھی، مگر اس کا نمبر مسلسل آف جا رہا تھا، اس کا دل بند ہونے لگا وہ اپنے حواس کھونے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

جب حواس تھوڑے بحال ہوئے تو سب کو اپنے ارد گرد پایا، ایک لمحے کو تو اسے کچھ بھی سمجھ نہ آیا، اس کا سر بے حد بوجھل ہو رہا تھا۔

"بیٹا! ٹھیک ہو ناں؟" رائمہ بیگم نے اس کا سر سہلاتے ہوئے استفسار کیا۔

"مما سادان.....؟" دلکشاء نے چھت کو گھورتے ہوئے استفسار کیا۔

"بس دعا کرو، پریشان نہ ہو"۔ یہ کہہ کر خاموش ہو گئیں، وہ اٹھ بیٹھی، ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔

"مما! میرا موبائل دیں، مجھے سادان سے بات کرنی ہے"۔ وہ پاگلوں کی طرح سیل فون ڈھونڈنے لگی۔

"دلکشاء! یہ کیا بچپنا ہے، ہوش میں آؤ"۔ مما نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"مم..... مما! سادان مجھے چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہے، ہماری شادی ہو رہی تھی، وہ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتا، مما! وہ آئے گا ناں واپس؟ مما! بولیں"۔ دلکشاء رائمہ بیگم کے کندھے پر سر رکھ کر استفسار کر رہی تھی، اس کی تڑپ پر رائمہ بیگم کا حوصلہ بھی جواب دینے لگا۔

"مما! آپ بولتی کیوں نہیں، مما سادی آئے گا ناں؟ مما! رخصتی کی تو تمام تیاریاں ہو چکی ہیں، سادان آئے گا ناں؟" وہ دوبارہ استفسار کرنے لگی تھی، رائمہ بیگم کی آنکھیں مسلسل بھیگ رہی تھیں، اسے حوصلہ دینے کے لیے تو ان کے پاس الفاظ ہی نہیں تھے، ڈاکٹر نے دلکشاء کو آرام کی دوا دے دی تھی، وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی تھی، رخصتی سے پہلے ہی اس پر بیوگی کی چادر تن گئی تھی، عائشہ بیگم اور عظیم صاحب اپنے گھر میں الگ پریشان تھے، رائمہ بیگم

نے دلکشاء کو ایسے ہی چھوڑ کر عائشہ بیگم کے گھر کا رخ کیا تھا، عائشہ بیگم دیوانہ وار رو رہی تھیں، جوان بیٹے کا دکھ سہا نہیں جا رہا تھا، بس معجزے کی دعائیں کی جا رہی تھیں، آیت کریمہ کا ورد جاری و ساری تھا، رائمہ بیگم زخمی وجود کے ہمراہ انہیں دلاسے دے رہی تھیں، ان کی بیٹی کی حالت بھی برداشت سے باہر تھی، ہر ٹی وی چینل پر یہی نیوز چل رہی تھی، برفانی تودے کو ہٹانے کی کوششیں جاری تھیں۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

☆..........☆..........☆

"دلکش! میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں"۔ وہ سوئی ہی تھی کہ ساداں خوابوں خیالوں میں چھا گیا تھا، اس کی طبیعت بے حد ناساز تھی، مما اس کی حالت دیکھ کر روتیں، دلکشاء ہی ان کی متاع تھی، ایک ماہ سے زیادہ ہو گئے تھے، مگر ساداں کی باڈی نہیں ملی تھی، معجزے کی امید بھی ختم سی ہو گئی تھی، اور روزانہ ساداں کا خواب میں آنا۔

"دلکش! میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں"۔ دور کہیں ویرانوں سے سید ساداں شاہ کی آواز اس کے کانوں میں گونجتی تھی، اندھیرے اور دھند کے باعث وہ واضح نظر نہیں آتا تھا، مگر اس کی آواز واضح اسے محسوس ہوتی تھی، آنکھیں بند کرتے ہی وہ خوابوں میں آنے لگتا تھا۔

"مما! ساداں مجھے پکارتا ہے"۔ وہ خلاؤں میں گھورتی ہوئی کہتی تھی۔ مما اسے دیکھتی رہ جاتیں، گلابی رنگت زردی مائل ہو گئی، آنکھوں کے گرد سیاہ ہلکے بے حد نمایاں تھے، بس ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا، دلکشاء کے نام پر، مما اسے دیکھ کر رہ جایا کرتیں، کتنی ہی ماؤں نے سید ساداں شاہ جیسے بیٹے کھوئے تھے، اور کتنی ہی بیویوں نے شوہر کھوئے تھے، کتنے بچے یتیم ہو گئے تھے، دلکشاء یہی سوچتی رہتی۔

"دلکشاء! اٹھو بیٹا!" مما اسے جگا رہی تھیں، روزانہ تو وہ خود فجر کی نماز کے وقت سے اٹھ جایا کرتی تھی اور آج جاگی ہی نہیں تھی، رائمہ بیگم کو تشویش لاحق ہوئی۔

"دلکشاء! اٹھو میری جان!" مما نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ پوری طرح ہل گئیں، انہوں نے اس کی کلائی پر ہاتھ رکھا، نبض ساکت تھی، رائمہ بیگم کی چیخ بے ساختہ تھی، کی آواز پر ملازم کمرے میں آ پہنچے، رائمہ بیگم بیڈ پر مردہ بیٹھی تھیں، اسی وقت پی ٹی سی ایل بجنے لگا، بیل کی آواز ملازم نے کال ریسیو کی تھی۔

"رائمہ بیگم سے بات کرواؤ، میں عائشہ بات کر رہی ہوں"۔ عائشہ بیگم نے ملازم کو ہدایت دی۔

"بیگم صاحبہ! دلکشاء بی بی کا انتقال ہو گیا ہے، بڑی بیگم صاحبہ صدمے میں ہیں، آپ جلد آ جائیں"۔ ملازم نے گھبرا کر کہا۔

"کیا....؟" عائشہ بیگم کی چیخ بے ساختہ تھی۔

"ساداں کی باڈی بھی مل گئی ہے، میرا بچہ، میرا بہو"۔ عائشہ بیگم بین کرنے لگیں، دونوں کی تدفین ساتھ ہوئی، ایک دوسرے کے برابر میں دونوں کی قبریں تھیں، ایک سپاہی کی اور اس کی زیست میں شامل ہوئی لڑکی کی، زندگی کا ساتھ اتنا ہی تھا، ہر انسان کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو، کوئی نہ کوئی ایسی شخصیت ہوتی ہے جس کے لیے دل کا نرم گوشہ ہوتا ہے، سید ساداں شاہ نے زندگی کے ساتھ ساتھ مر کر بھی اسے چاہا تھا، عائشہ اور رائمہ بیگم اپنے بچوں کی تصویریں تھامے گم صم بیٹھی تھیں، یہ سانحہ تو ہم یونہی بھول گئے، مگر وہ مائیں، وہ بیویاں، وہ بہنیں، وہ بچے یہ سانحہ کبھی نہیں بھول پائیں گے، اس سانحے سے انہوں نے اپنا عزیز کھو دیا اور ہمارے فوجی جوان اپنی زندگی کی پرواہ کیے بنا ہمارے وطن کی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں، اللہ رب العزت ان کی جانوں کی حفاظت کرے (آمین!)۔

☆..........☆..........☆

اقرا سیف

افسانہ

قیامت

"توبہ ہے بھئی! اس جیتی دنیا میں کسی پر یہ قیامت نہ ٹوٹے"۔ یہ دکھ بھرا تبصرہ کرنے والی اس محلے کی رقیہ خالہ تھیں۔

"ہاں بہن! ٹھیک کہہ رہی ہو، وہ بچی تو ماشاء اللہ سے اتنی ملائک صفت ہے، مگر....!" اس مگر کے آگے اس محلے کی خالہ زینب کچھ کہہ نہیں سکیں، کیونکہ قیامت جو اتنی بڑی تھی۔

"سچ ہے آپا! جب بھی جاؤ اس بچی کے ماتھے پر کبھی ایک شکن بھی نمودار نہیں ہوئی، ہمیشہ ہنس کر ملتی ہے، مگر بے چاری کی قسمت دیکھو"۔ یہ تبصرہ بھی اسی محلے کی ایک رہنے والی کر رہی تھیں، ہر ایک اس فرشتہ صفت لڑکی پر ٹوٹنے والی قیامت کا تذکرہ کر رہا تھا، وہ تھی ہی اتنی اچھی کہ اس محلے کے رہنے والے اس کی خوبیوں کے اعتراف میں رطب اللسان تھے، ہر ایک مشکل کے وقت میں اگر خدا کے بعد کسی سے مانگتا تو صرف اس فرشتہ صفت لڑکی کے آگے دست سوال کرتا، جس نے شاید کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ نہیں بھیجا تھا، وہ تو پھر اس کے اپنے تھے، وہاں کے رہنے والے تھے، فرمان رسول کے مطابق اس کے ہمسائے تھے، تو وہ کیسے فرمان رسول فراموش کر سکتی تھی، کیسے ہمسائے کو مشکل میں چھوڑ کر خود اطمینان بھری نیند سو سکتی تھی؟ اور بدلے میں دعاؤں کے علاوہ کسی بھی نعم البدل کی اسے ضرورت نہیں تھی، نجانے کیوں اسے لگتا کہ اسے دعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔

☆..........☆..........☆

"ملائکہ بیٹی! ابھی بھی وقت ہے سوچ لو"۔ زرینہ بیگم نے بیٹی جیسے بہو کو ایک دفعہ پھر اپنی دانست میں سمجھانا چاہا۔

"امی جی! میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے، اور کہتے ہیں نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے"۔ ملائکہ نے اپنا ٹھوس جواب ان پر واضح کیا۔

"مگر بیٹا! لوگ کیا کہیں گے؟" زرینہ بیگم نے ایک بار پھر کہنا چاہا، دوسرے لفظوں میں اسے حالات کی سنگینی کا بتانا چاہا۔

"میری پیاری امی! لوگوں کا کیا ہے، وہ تو ہر وقت باتیں بناتے ہیں، انہوں نے تو تب بھی باتیں بنائی تھیں، جب ماہم رات کی سیاہی میں کسی پناہ کی تلاش میں جگہ جگہ پھر رہی تھی، کسی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھنے کی بجائے صرف اسے شک اور بری نظر سے دیکھا، کسی نے یہ تک نہیں سوچا کہ ایسی کیا مجبوری ہے جس نے اسے دوسروں کی نظر میں اپنے لیے شک اور ہوس تک دیکھنے پر مجبور کر دیا، جس نے اسے اتنا مجبور کیا کہ اس نے اپنی عزت نفس گروی رکھ دی، اور مدد طلب نظریں دوسروں پر مرکوز کر دیں اور جب کے میں اسے اس گھر میں رہنے کا مضبوط جواز فراہم کر رہی ہوں، اسے وہ سند دے رہی ہوں جسے پا کر ہر لڑکی خود پر فخر کرتی ہے، اس معاشرے میں خود کو محفوظ تسلیم کرتی ہے، تو امی! ہمیں اس سنت رسولؐ پر عمل کرنے کے لیے دوسروں کی باتوں سے ڈرنا نہیں چاہیے، حق کے راستے میں ہمیشہ مشکلیں آتی ہیں، مگر امی! اگر آپ میرا ساتھ دیں تو میں ان مشکلوں کا مقابلہ کر لوں گی"۔ زرینہ بیگم نے ملائکہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا، جن کی آنکھوں میں اپنی بہو کے

لیے فخر ہی فخر تھا۔

☆.....☆.....☆

زرینہ بیگم کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا حسام تھا، حسام سب سے بڑا تھا، ماں باپ کا فرمانبردار اور نہایت ہی سلجھا ہوا، افضل صاحب کے گزر جانے کے بعد حسام نے کم عمری میں ہی گھر کو سنبھال لیا تھا، زرینہ بیگم نے ملائکہ رحیم کو اپنے بیٹے کی شریک سفر کا شرف بخشا تھا، ملائکہ بہت ہی ملنسار اور خوش طبع تھی، اس نے نہ صرف زرینہ بیگم اور تینوں نندوں کا دل جیتا بلکہ پورا محلہ اس کی اس خوبی کا اعتراف دل سے کرتا تھا، ہر ایک سے ہنس کر ملنا اس کا طرز تھا، ہر بات کو مثبت انداز میں سوچنا اس کا شیوہ تھا، زندگی اور وقت دونوں اپنی اپنی ڈگر پر چلتے رہے، ملائکہ نے حسام کی حلال کمائی بہت سنت سینت کر خرچ کیا اور جلد ہی اپنی تینوں نندوں کی بڑے اچھے طریقے سے شادی کر دی، جو کہ آج اپنے گھروں میں بہت خوش تھیں اور زندگی کی ہر سانس کے ساتھ اسے دعا دیتی تھیں، جس نے باپ کی کمی کبھی محسوس ہونے ہی نہ دی، جس نے انہیں ہر نعمت کے ملنے پر شکر ادا کرنا سکھایا، سب کو خوشیاں اور ہنسی کے پھول بانٹنے والی اس لڑکی کی زندگی میں ایک کمی تھی، اولاد کی کمی..... جو اسے کچھ دیر رنجیدہ ضرور کرتی، مگر اس کمی نے اسے کبھی بھی خدا سے شکوہ کرنے پر نہیں اکسایا، اور نہ ہی کبھی زرینہ بیگم نے ساسوں کی طرح اسے یہ طعنہ دیا کہ شادی کے نو سال بعد بھی اس کی گود خالی ہے، اور نہ ہی کبھی حسام کی محبت میں کوئی کمی آئی، ایک رات ماہم نے پناہ کی تلاش میں ان کا دروازہ بجایا، اور ملائکہ نے اپنی ازلی ہمدرد طبیعت کے باعث اسے نہ صرف پناہ دی بلکہ اس سے دوستی جیسا رشتہ بھی استوار کیا، لوگوں کے اٹھتے سوال اس تک بھی پہنچنے لگے، اسے ماہم کی نشانہ بنتی ذات پر بڑا دکھ ہوتا کہ وہ کتنی مجبور اور بے بس ہے، مگر لوگ اس کی بے بسی کو طرح طرح کا رنگ دے رہے تھے، اس کارساز اور مشکل کشا نے اس فرشتہ صفت لڑکی کی بھی مشکل آسان کر دی تھی، اسے ماہم کو روکنے کا راستہ دکھا دیا تھا۔

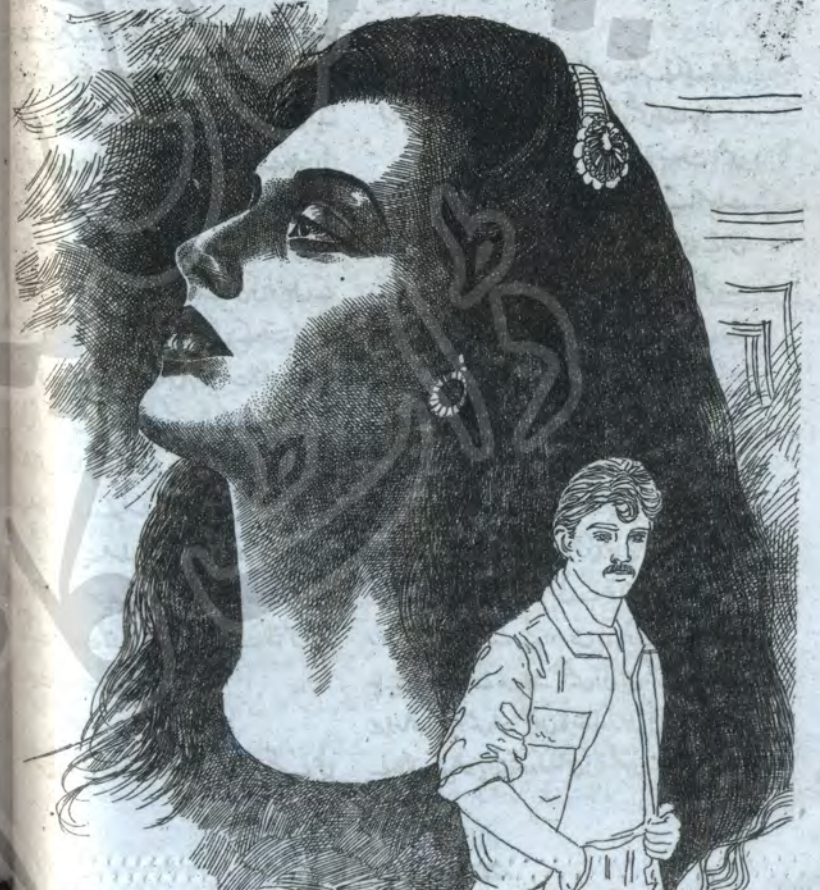

"اگر حسام، ماہم سے شادی کر لے تو ماہم پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا"۔ زرینہ بیگم کو تو اس نے منا لیا تھا، مگر حسام کو منانا بہت مشکل کام تھا، کہتے ہیں عورت کے آنسو بہت بڑا ہتھیار ہوتے ہیں، مرد کو زیر کرنا جانتے ہیں، اس نے بھی رو کر یہ بات منوالی تھی کہ وہ ماہم سے شادی کر لے تاکہ اس گھر میں بھی بچوں کی آوازیں گونجیں، اس کی خالی گود بھی ہری ہو جائے، وہ بھی مامتا جیسی ٹھنڈک کو محسوس کر سکے، بالآخر حسام مان گیا، اور یوں ماہم کی شادی بہت سادگی کے ساتھ حسام سے ہو گئی، شادی بھی کیا بس نکاح ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

خالہ زینب آج گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر زرینہ بیگم کے ہاں چلی آئیں۔

"آئیں زینب بہن! آپ تو اب آتی ہی نہیں؟" زرینہ بیگم نے زینب کو دیکھتے ہی کہا۔

"بس بہن! یہ گھٹنوں کا درد جان چھوڑے تو ہی آؤں"۔ خالہ زینب نے اپنا لنگڑانا عذر پیش کیا۔

"السلام علیکم خالہ!" ملائکہ نے انہیں دیکھتے ہی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، بیٹی! جیتی رہو، سدا سہاگن رہو"۔ انہوں نے ملائکہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے دعا دی اور پھر زرینہ بیگم کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"بہن! تم سے اس بچی کے لیے دل سے دعا ہی نکلتی ہے، مگر بے چاری کی قسمت دیکھو، سوتن جیسی قیامت ٹوٹ پڑی اس پر"۔ زینب خالہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"خالہ جی! سوتن بھی تو عورت ہوتی ہے، مگر ہم دنیا والے اسے عورت سے قیامت بنا دیتے ہیں، لیکن اگر آپ مجھ سے پوچھیں، تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس عورت کو سلام کروں، جو اس گھر کو وارث دینے جا رہی ہے، وہ اس گھر پر قیامت نہیں بلکہ رحمت بن کر برسی ہے، ہماری نسل کو بڑھانے کا سبب بنی ہے، عظیم ہے وہ جو ماں جیسے رتبے پر فائز ہونے جا رہی ہے، اور لازمی تو نہیں کہ ہم لڑ جھگڑ کر رہیں، ہم بہنوں کی طرح اتفاق اور محبت سے بھی تو رہ سکتے ہیں، ہے نا خالہ؟" ملائکہ نے خالہ سے تائید چاہی۔ خالہ زینب تو پتہ نہیں کچھ سمجھیں یا نہیں، مگر باہر کھڑی ماہم یہ ضرور سوچ رہی تھی کہ ملائکہ واقعی اپنے نام کی طرح فرشتہ ہے، جو اس دنیا میں لوگوں کے دکھوں کا مداوا کرنے کے لیے آئی ہے، ماہم کے دل میں ملائکہ کی قدر مزید بڑھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

ادارہ ردا ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

بھیگی ہوئی رت میں
قیمت 150 روپے
صالحہ محمود

کچی کلیاں آنگن کی
قیمت 500 روپے
صالحہ محمود

تم میرے ہو کے رہو
قیمت 500 روپے
صالحہ محمود

ویل کم بک پورٹ اُردو بازار کراچی

نوٹ: ردّا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی ردّا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

شازیہ مصطفیٰ عمران

قسط نمبر 22

سلسلے وار ناول

کبھی عشق ہو تو پتہ چلے

"وجہ کیا تھی ایسی؟" مصباح کو بھی تشویش ہو رہی تھی۔

"ہوگی کوئی وجہ"۔ حمدان بات کاٹ کے اندر کی طرف بڑھ گیا، وہ اریشماء کے موضوع سے جتنا بچتا تھا اتنا ہی سب ذکر کرتے تھے۔ امی نے اسے دوٹوک کہہ دیا تھا، وہ اریشماء کو پوچھنے اس کے گھر ضرور جائیں گی، انہیں ویسے بھی اریشماء بہت پسند تھی، دل سے یہ خواہش اٹھتی رہتی تھی، کاش وہ ان کی بہو بن جائے۔

☆.........☆.........☆

"میں کیسے بھول جاؤں، سب کچھ ہاتھ آتے آتے رہ گیا، اس تیمور کی وجہ سے"۔ شاہدہ دہائیاں دے رہی تھیں۔

"میں بالکل اسے بہو نہیں تسلیم کروں گی"۔

"شاہدہ! اب جو بھی ہے تم انکار تو نہیں کر سکتی ہو"۔ کامران سکندر انہیں سمجھانے لگے تھے، روحیل سکندر اور فوزیہ روحیل سناٹے میں آ گئے، ان کی سماعتوں نے جو بھی سنا وہ یقین نہیں آ رہا تھا۔

"اگر اس نے شادی کی ہی ہوئی تھی چھپا کر رکھتا بیوی کو، اریشماء سے شادی سے پہلے بات تو نہ کھلتی"۔ شاہدہ بس روئے جا رہی تھیں۔ روحیل سکندر نے پھر بھی قدم آگے بڑھائے، مگر فوزیہ روحیل نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اشارے سے اندر جانے کو منع کیا۔

"اس وقت ہی جانا ہمارا زیادہ ضروری ہے کیونکہ ہمیں بھی آج ساری حقیقت تو پتہ چل گئی"۔ انہیں بہت دکھ ہو رہا تھا، بھائی اور بھاوج پر انہیں اتنا مان تھا اور آج انہیں یہ سب سن کر زیادہ دکھ و تکلیف ہو رہی تھی، اتنی تو تیمور کی شادی سے نہیں ہوئی تھی۔ فوزیہ روحیل نے بھی ان کی تقلید میں قدم اندر رکھ ہی دیئے، شاہدہ اپنے آنسو صاف کر کے ہال کمرے سے نکل ہی رہی تھیں، ان دونوں کو دیکھ کر گڑبڑا ہی گئیں۔

"کیا بات ہے، آج تو بہت زور زور سے رو رہی تھیں، خیریت تو ہے؟" روحیل سکندر نے فریش لہجے میں انہیں جتایا۔

"جی نہیں تو، وہ میری کچھ طبیعت خراب ہے"۔ وہ تو حواس باختہ سی ہو رہی تھیں۔

"آیئے آپ لوگ ادھر آ جائیں"۔ وہ انہیں اپنے ڈرائنگ روم میں لے گئی تھیں، کامران بھی آ گئے تھے۔

"بھئی! میں تو اس لیے حاضر ہوا ہوں، میں نے سارا انتظام ہوٹل میں کر لیا ہے"۔

"بھائی صاحب! اس سب کی کیا ضرورت ہے؟" کامران شرمندہ ہونے لگے کیونکہ روحیل سکندر ان کے مزاج سے بالکل ہی الگ تھے۔

"ارے کامران! بچوں کی خوشیوں میں خوش ہونا سیکھو، اور تم دیکھنا میں بھی اپنی بیٹی کی شادی اس کی مرضی سے کروں گا"۔

"بھائی صاحب! آپ کیا کہہ رہے ہیں، اریشماء کو میں کیسے کسی کو دے دوں، مجھے وہ شروع سے اچھی لگتی ہے"۔ شاہدہ نے تڑپ کے محبت دکھائی۔

"شاہدہ! حقیقت کا سامنا کرو، تیمور کی جو دلہن ہے، وہ بھی تمہاری بیٹی ہی ہوگی، تم اسے بھی اریشماء کی طرح پیار دینا"۔ فوزیہ کو ان کی یہ جھوٹی اور فریبی محبت سے اکتاہٹ ہونے لگی۔

"میں کبھی بھی تیمور کی بیوی کو قبول نہیں کروں گی"۔

"کامران! تم سمجھاتے کیوں نہیں ہو، جو ہو گیا وہ بہت اچھا ہو گیا ہے، ہم دونوں کا ولیمہ اتنا شاندار کریں گے کہ سب دیکھیں گے"۔

"مگر بھائی صاحب! لوگ کیا کہیں گے، منگنی بھتیجی سے کی اور شادی کسی اور سے"۔ کامران کو یہ بھی تو فکر تھی۔

"ارے کچھ نہیں ہوتا، تم دیکھنا میں سب کچھ سنبھال لوں گا اور اس دن سب سے بڑا سرپرائز بھی دوں گا، ولیمہ میں نے نیکسٹ Sunday کا رکھا ہے"۔ انہوں نے پروگرام سے ساری آگاہی دی۔

"سرپرائز....؟" شاہدہ بھی چونک گئیں۔

"ہوں.... سرپرائز، جو اسی دن پتہ چلے گا"۔ روحیل سکندر کے دماغ میں کیا تھا اس سے فوزیہ بھی واقف نہیں تھیں۔

"آج رات کو ہم سب ہی تیمور اور اس کی دلہن کو لے آئیں گے"۔ انہوں نے دوسرا دھماکہ کیا۔

"بھائی صاحب! میں اسے بہو قبول نہیں کروں گی"۔

"کچھ بھی ہے اب تو بہو ہے، اسے قبول کرنا پڑے گا"۔ انہوں نے دوٹوک کہا، شاہدہ نگاہیں چرانے لگیں، کامران بھی چپ ہوئے تھے، روحیل سکندر بھی جو بات سوچ لیں کر کے چھوڑتے تھے۔

☆.........☆.........☆

اسے دو دن سے بہت الٹیاں آ رہی تھیں، حمیرا بیگم کو بھی اس نے کچھ نہیں بتایا تھا، نقاہت سی ہوتی رہتی، نیند بھی بہت آتی، بھوک سے پیٹ میں بل بھی پڑ جاتے۔

"امی! حرما کی کچھ طبیعت خراب ہے، آپ اسے کسی لیڈی ڈاکٹر کو دکھا دیں"۔ ذیشان کو بولتے ہوئے جھجک بھی آ رہی تھی۔

"ارے تو مجھ سے بولا کیوں نہیں؟" وہ گھبرا گئیں۔ حرما بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی، عجب گھبراہٹ بھی ہو رہی تھی۔

"ابھی تو میں کالج جا رہا ہوں، آپ ایسا کیجئے گا شہران کے ساتھ ٹیکسی میں جایئے گا"۔ وہ تیار ہوا کھڑا تھا۔

"ہوں.... اسی کے ساتھ جاؤں گی"۔ انہوں نے حرما کی حالت دیکھ کر اندازہ کر لیا تھا اسے کیا مسئلہ ہے۔

"کتنے دن سے یہ حالت ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"دس دن ہو گئے ہیں"۔ اسے شرم بھی آ رہی تھی۔

"شہران آ جائے، میں تمہیں ڈاکٹر نگار کو دکھا دوں گی"۔ انہوں نے قریبی کلینک میں بیٹھنے والی ڈاکٹر کا نام لیا۔ اتفاق سے شہران دوپہر ایک بجے آ گیا تھا، وہ اس کے ساتھ چلی گئی تھیں، ڈاکٹر نگار نے خوش خبری سنا دی تھی، وہ خیر سے امید سے تھی، ان کا تو خوشی کے مارے برا حال تھا۔ شہران کو تشویش ہو رہی تھی، حرما کو ہوا کیا جو ایک دم ہی بیمار پڑ گئی۔

"تم احتیاط رکھنا بیٹھتے اٹھتے اور جھکنے میں"۔ وہ اسے گھر آ کر ہدایتیں دینے لگی تھیں، وہ ابھی لیٹی ہی تھی اسے شیبا کی آواز آئی۔

''بھابی! آپ کی امی اور بھابی آئی ہیں''۔ وہ تو حیرانگی اور خوشی سے اٹھ کر ہی بیٹھ گئی، آج پہلی دفعہ وہ لوگ آئی تھیں۔

''ارے آیئے! آج تو بہت بھاگوان دن ہوا''۔ حمیرا بیگم نے انہیں لاؤنج میں ہی بٹھالیا تھا، امی اور بھابی بڑی خوشی اور تپاک سے حمیرا بیگم سے ملی تھیں۔

''ہمیں آنا تو تھا ہی، سوچا آج ہی نکل چلیں''۔ امی بولیں۔

''اسد بھائی کی طبیعت کیسی ہے؟''

''ماشاء اللہ! ٹھیک ہے، انہوں نے ہی ہمیں یہاں بھیجا ہے''۔

''ارے آپ ہی کا گھر ہے، جب دل چاہے آجایا کریں''۔ حرما امی کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

''آج میرے پاس بھی خوش خبری ہے، خیر سے ہماری بہو بھی امید سے ہے''۔ حمیرا بیگم نے وفورِ مسرت سے بتایا۔

''اچھا....!'' امی نے فوراً ہی حرما کو گلے سے لگایا، وہ شرم وحیا سے جھینپ سی گئی۔

''ہم بھی کچھ کہنے آئے ہیں''۔ امی جھجکی تھیں۔

''ارے شیبا!'' حمیرا بیگم نے اسے آواز دی۔

''حمیرا! کچھ بھی کھانے پینے کا تکلف نہیں کرنا، کیونکہ کھانا کھا کر چلے ہیں''۔ امی نے انہیں روکا۔

''ہم تو آپ سب کو اتوار کو رات کے کھانے پر بلانے آئے ہیں''۔

''بھئی! رشتے داری تو ہوگئی ہے، ساتھ مل کر بیٹھیں گے تو اور محبت بڑھے گی یہ حرما کے ابو نے خاص طور پر کہلوایا ہے''۔ امی نے ان کا میسج بھی دے دیا۔

''آنٹی! آیئے گا ضرور، یہ ہماری عزت افزائی ہوگی''۔ بھابی نے بھی اصرار کیا۔

''اچھا ٹھیک ہے، انشاء اللہ تعالیٰ ہم لوگ ضرور آئیں گے''۔ حمیرا بیگم نے ان کی دعوت خوش دلی سے قبول کرلی۔ ناں، ناں کرتے ہوئے بھی حمیرا بیگم نے ناشتے وغیرہ کا کافی اہتمام کرلیا تھا، قدرت کے بھی کھیل نرالے ہیں جنہیں کل لوگ حقیراً اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، آج وہی سر پر بٹھا کے عزت بھی دے رہے تھے۔

رات میں سبھی موجود تھے، حمیرا بیگم نے اسد مرزا کے گھر سے آئی دعوت کا بھی بتادیا۔

''پھر تو ہم سب کو جانا چاہیے''۔ محمد احمد نے بھی تائید کی۔

''پہلی دفعہ اس طرح گھر جائیں گے کچھ انتظام سے جانا، مطلب پھل وغیرہ لے کے، خیر سے خوشی خوشی یہ رشتے داری ہوگئی ہے''۔

''ہوں.... یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں''۔ حمیرا بیگم نے بھی تائیدی سر ہلایا۔

''تم اتوار کو جلدی گھر آجانا''۔ حرما نے شہران کو بھی یاد دلایا شیبا اور وہ دسترخوان سمیٹ رہی تھیں۔

''جی کوشش کروں گا''۔ اس نے انکار کرنے سے گریز کیا، ذیشان نے شہران کے سنجیدہ چہرے کو استفہامیہ نگاہوں سے جانچا جو روز بروز خاموش سے خاموش تر ہوتا جارہا تھا۔

''بھائی! آئس کریم کھلانے لے چلیے''۔ بسمہ ضد کرنے لگی۔

''آرام سے بیٹھا کرو، ہر وقت کھانا پینا یاد رہتا ہے''۔ حمیرا بیگم نے اسے سرزنش کی۔

''امی! بہت دن سے بھائی نے کھلائی نہیں ہے''۔ وہ شہران کے بازو سے لپٹ کے بیٹھ گئی۔

''چلو کیا یاد کرو گی''۔ وہ کی رنگ ٹٹولتا ہوا کھڑا ہوگیا۔

''جاؤ بھابی اور شیبا کو بھی کہہ دو''۔

''کیا.... انہیں بھی؟'' بسمہ تو حیران رہ گئی، کیونکہ وہ تو شیبا پر اتنی پابندیاں لگاتا تھا اور آج خود چلنے کو کہہ رہا تھا۔

''زیادہ حیران نہیں ہو، میں باہر ہوں تم لوگ آجاؤ''۔ وہ جز بز سا ہوگیا۔ حرما اور شیبا پر بھی شادیٔ مرگ طاری ہوگیا، اکھڑ سا شہران کا یا پلٹ کیسے ہوگیا؟

''تم لوگ چپ کر کے چلی جاؤ، کچھ بولنا نہیں، کبھی چڑ جائے''۔ امی نے ساتھ ہی ہدایت بھی کی، دونوں جلدی جلدی اپنی چادریں سنبھال کے نکل گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

''ارے بھئی بیٹا! حیران کیوں ہو، چلنے کی تیاری کرو''۔ روحیل سکندر ان دونوں کو بھی ساتھ لے کر تیمور اور اس کی بیوی کو لینے آگئے تھے، چہکتی ہوئی اریشماء بھی ساتھ تھی، جانے کیوں تیمور کو ایسا لگ رہا تھا آج حمدان جیت گیا ہے، اس کے دل میں رقابت کی آگ ہنوز اسی طرح تھی۔

''واؤ تیمور! تمہاری وائف بہت پیاری اور خوبصورت ہے''۔ اریشماء نے کھلے دل سے اس کی تعریف کی، عائشہ خود کو دوپٹے میں سموئے ان اجنبی چہروں کے درمیان جھینپی ہوئی بیٹھی تھی۔

''چلو بھئی کامران! بہو کو چلنے کو کہو''۔ انہوں نے کامران کو مخاطب کیا جو آنکھوں ہی آنکھوں میں تیمور سے جانے کیا کہہ رہے تھے جو روحیل سکندر نے بھی دیکھ لیا تھا۔

''ڈیڈی! ہم لوگ ایسا کرتے ہیں عائشہ کو اپنے گھر لے جاتے ہیں، کیونکہ ولیمہ ہماری طرف سے ہے تو سارا کچھ ارینجمنٹ میں خود کروں گی، آئی مین ڈریس، میک اپ، جیولری وغیرہ''۔ بلیو کاٹن کے سوٹ میں ہنستی کھلکھلاتی اریشماء ان سب کو اپنا مضحکہ اڑاتی ہوئی لگ رہی تھی۔

''شاہدہ!'' کامران نے انہیں اشارہ کیا۔ وہ روحیل سکندر کی وجہ سے کچھ نہیں بول رہی تھیں، سب کچھ خاموشی سے کرتی جارہی تھیں۔ عائشہ نے اپنے چند سوٹ بیگ میں رکھے، تیمور تو غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا، جتنا وہ اپنی شادی کو خفیہ رکھے ہوئے تھا، جانے کیسے روحیل سکندر کو خبر ہوگئی۔

''کہیں حمدان!'' ذہن نے پھر سوچا۔

''اس کو تو کچھ پتہ ہی نہیں''۔ خود ہی نفی بھی کردی۔ عائشہ کا فوزیہ روحیل نے پرتپاک استقبال کیا تھا، عائشہ ان کی محبت پر حیران تھی جو اتنی شفقت اور پیار نچھاور کررہے تھے، جبکہ اس کی ساس نے تو ایک دفعہ بھی گلے سے نہیں لگایا تھا اور کامران سکندر نے بھی سر پر ہاتھ نہیں رکھا تھا۔

''اریشماء!'' چند گھنٹوں میں اتنی فری ہوگئی اپنائیت اور خلوص پر مسکرائے جارہی تھی۔ ملازمہ نے کھانا

لگادیا، فوزیہ نے ڈنر پر تکلف ہی تیار کیا تھا، بریانی، کوفتے، کباب اور کسٹرڈ، آئس کریم کافی کچھ انہوں نے رکھا تھا، تیمور کا تو سر ہی جھکا ہوا تھا، اریشماء کا چہکنا اسے جلا رہا تھا، اسے اریشماء سے محبت نہیں تھی، صرف دولت کی وجہ سے وہ اس کی سمت بڑھا تھا، یہ سب بھی اس نے اپنی امی اور پاپا کی وجہ سے کیا تھا، پھر تو اسے حمدان کو دیکھ کر ضد ہی ہوگئی کہ وہ اریشماء کا جھکاؤ حمدان کی طرف نہیں ہونے دے گا، اس لیے ہی حمدان کی ہر لمحہ بے عزتی اور تضحیک کرتا رہتا تھا۔

"ممی! کل ہم لوگ شاپنگ پر چلیں گے"۔

"عائشہ کو شاپنگ پر نہیں لے جاسکتے، اس کی کنڈیشن ایسی نہیں ہے"۔ فوزیہ نے خود ہی منع کیا۔

"چچی جان! آپ تو چلیں گی ہی اپنی بہو کا ڈریس لینے؟" وہ شاہدہ کے بازو کو پکڑ کے بولی۔

"ہاں، ہاں کیوں نہیں"۔ وہ گڑبڑا گئیں۔

"تایا ابو! اس سب کی ضرورت تو نہیں ہے"۔ قدرے توقف کے بعد تیمور نے لب کھولے۔

"دیکھو برخوردار! تم نے جو کرنا تھا کرلیا، اب ہم سب کی خوشی سے بھی ہونے دو"۔ روحیل سکندر کے لہجے میں ذومعنی طنز تھا۔ تیمور نے سٹپٹا کر سر جھکا لیا، کامران اور شاہدہ بھی خفیف سے ہوگئے۔

"ویسے تیمور! تمہاری پسند کی داد دینی پڑتی ہے، تم نے بیوی کا انتخاب بالکل ٹھیک کیا ہے"۔ اریشماء نے پھر اس کو سلگایا۔

"بی بی جی! آپ کا موبائل کب سے بج رہا ہے"۔ ملازمہ نے اس کے ہاتھ میں سیل دیا۔

"اوہ... عدین کی کال"۔ وہ ریسیو کرتی ہوئی ہال کمرے سے ہی نکل گئی، تیمور کو جانے سب کچھ کیوں اتنا برا لگ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

"واؤ... زبردست نیوز"۔ عدین سیل بند کر کے اندر آیا، حمدان نے چونک کر دیکھا وہ کسی فائل کی ورق گردانی کر رہا تھا، امی رات کے کھانے کے بعد کے برتن دھو رہی تھیں۔

"خیریت؟" انہوں نے استفسار کیا۔

"سر تیمور! کی خفیہ شادی پر چھاپہ پڑ گیا ہے اور اریشماء باجی کے ڈیڈی نے Sunday کو ولیمہ رکھا ہے، ہم سب کو بھی انہوں نے انوائٹ کیا ہے"۔ اس نے خوش ہو کر بتایا۔

"جانے کی ضرورت نہیں ہے، تیمور، اریشماء کا کزن ہے، ہماری کوئی تک نہیں بنتی کہ اس کے کزن کے ولیمے پر جائیں"۔ حمدان نے قطعیت بھرے لہجے میں جانے سے ہی منع کیا۔

"ولیمہ تو روحیل انکل کر رہے ہیں"۔ اس نے بحث کی۔

"کچھ بھی ہے مگر ہمارا جانا اس فنکشن میں ضروری نہیں ہے"۔ سنجیدہ لہجے میں گویا ہوا۔

"بات ٹھیک کی ہے حمدان نے، ہمارا جانا ضروری نہیں ہے، معذرت کرلیں گے"۔

"امی! وہ بہت غصہ ہوں گی"۔ عدین نے پھر کہا۔

"جب اس کی منگنی ہو رہی تھی اس وقت تم سب کو کیوں نہیں بلایا؟ اس لیے ابھی تو جانے کی کوئی تک ہی نہیں

ہے"۔ حمدان نے پھر یاد دلایا۔

"ہوں....!" عدین کی بھی سمجھ میں آ گئی، حمدان، تیمور کے ولیمے پر جانے کا کوئی ڈرامہ نہیں چاہتا تھا، کیونکہ اسے اندازہ تھا، تیمور بھری محفل میں اسے بے عزت کرنے سے نہیں رہے گا، روحیل سکندر نے ابھی تک تیمور کی شادی کا اس سے ذکر نہیں کیا تھا، اسے تو اریشماء سے ہی پتہ چلا تھا، مگر اس نے پھر بھی کوئی کمنٹس پاس نہیں کیے تھے، وہ فائل لے کر اپنے بیڈروم میں چلا گیا، شوروم اس کے نام ہونے والا تھا، وہ کیس جیت گیا تھا، مگر ابھی کاغذی کارروائی ہو رہی تھی، اسی میں وہ مغز بھی کھپا رہا تھا۔

"حمدان! سو تو نہیں رہے؟" امی کام وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد اس کے روم میں چلی آئی تھیں۔

"بیٹا! مجھ سے گھر کے کام ہو نہیں رہے ہیں"۔ وہ تھکی تھکی سی رہنے لگی تھیں۔

"ماسی لگالیں؟"

"ماسیوں کا اعتبار نہیں ہوتا"۔ وہ جھٹ بولیں۔

"میں نے تمہارے لیے لڑکی دیکھی ہے، فائزہ نے ہی دکھائی ہے مجھے، اور شریف لوگ ہیں، میں چاہ رہی تھی تم بھی ایک نظر دیکھ لو"۔

"کچھ دن ٹھہر جائیں"۔ وہ اریشماء کے علاوہ کسی کو جگہ ہی نہیں دے رہا تھا، جبکہ اس کی بھی یہی کوشش تھی، اریشماء کا دھیان اس کی طرف سے ہٹ جائے، مگر اب دل ہی گوارا نہیں کر رہا تھا۔

"تم مجھے ہر دفعہ ٹال دیتے ہو، میں تو مصباح کی شادی سے پہلے چاہ رہی تھی، تمہاری کہیں بات تو لگادوں"۔ وہ مایوس سی ہوگئیں، حمدان اپنے پیروں پر پانی پڑنے ہی نہیں دے رہا تھا۔

"حمدان! مجھے لگتا ہے تم اریشماء کو چاہتے ہو"۔

"امی! کیا ہوگیا ہے میں ایسا کچھ نہیں چاہتا"۔ وہ نگاہ چرا کے برا مان گیا۔

"میں ماں ہوں، اپنے بچوں کے چہروں سے پہچان لیتی ہوں، ان کے دل میں کیا ہے"۔ وہ مبہم سی معنی خیز مسکراہٹ لیے اسے جانچ رہی تھیں۔

"ضروری نہیں جو آپ پہچان لیتی ہوں وہی سچ بھی ہو"۔ وہ بیٹھے سے کھڑا ہوگیا۔

"آپ کو نہیں پتہ، میں آج کل کس کام میں الجھا ہوا ہوں"۔

"خیریت....؟" انہوں نے چونک کر بغور اسے دیکھا۔

"آپ کو پتہ بھی نہیں چلا میں نے شوروم حاصل کرلیا ہے"۔

"کیا....؟" وہ تو متحیر زدہ سی رہ گئیں۔

"آپ سے نہ مجھ سے سب کچھ چھپا کر رکھا، میں بھی معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا"۔ وہ مسکرایا۔

"حمدان.... یہ سب ک.... کیسے ہوگیا؟ میرے بیٹے! کیا کر دیا؟" وہ خوش ہونے کے بجائے تفکر زدہ لہجے میں گویا ہوئیں، حمدان نے ساری تفصیل سے انہیں آگاہ کر دیا، وہ حمدان کو حیرانگی سے دیکھے گئیں، اس نے کیسے فائل بھی ڈھونڈ نکالی اور شوروم جو اس کا اپنا بنایا ہوا تھا، اس نے حاصل کر ہی لیا، آج ان کے شوہر دنیا میں نہیں تھے، ورنہ وہ کتنا

خوش ہوتے۔

”امی! ہمارے دکھ کے بادل چھٹ گئے ہیں اور سکھ کا ابر ہم پر برسنے والا ہے، ہمارا گلشن اقبال والا بنگلہ بھی مل جائے گا جس پر قبضہ کرلیا تھا“۔

”حمدان! تم نے کسی سے دشمنی تو نہیں کرلی بیٹا! تم لوگوں کے علاوہ میرا کچھ بھی نہیں ہے، مجھے نہیں چاہیے تھا یہ سب“۔ وہ ڈر بھی رہی تھیں۔

”جو ہمارا حق تھا وہ ہمیں مل رہا ہے، ابو سے وہ سب اس شخص نے دھوکے سے لیا تھا، وہ بری طرح مقدمہ ہارا ہے، کوئی بھی ڈاکومنٹس اس کے پاس اصلی نہیں تھے“۔ اس نے تفصیل بتا کے انہیں مطمئن کیا۔

”میرے بچے تجھ پر یہ کیسی دھن سوار ہوگئی ہے؟“

”امی! آپ کو خوش ہونا چاہیے، آپ الٹا رو رہی ہیں“۔ اسے امی کی حالت پر دکھ ہونے لگا۔

”تمہیں نہیں پتہ لوگ کیا کیا نہیں کرتے میرے بیٹے! وہ لوگ تجھے نقصان نہیں پہنچادیں“۔ انہوں نے حمدان کا چہرہ ہاتھوں میں لیا۔

”ایسا کچھ نہیں ہے، آپ نے اس ڈر کی وجہ سے مجھ سے فائل بھی چھپادی اور مجھے کچھ بتایا بھی نہیں“۔ وہ خفگی سے گویا ہوا۔

”اب آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے بھی خوشحالی کے دن آرہے ہیں، آپ شکر ادا کریں، آپ کے بیٹے نے سب کچھ جیت لیا ہے“۔ اس نے امی کو اپنے شانے سے لگایا، انہوں نے آنسو صاف کرتے سر اثبات میں ہلایا، جتنا بھی اوپر والے کا شکر ادا کرتیں وہ کم ہی تھا۔

☆..........☆..........☆

گھر میں ایک پررونق تقریب کا سماں تھا، اسد مرزا خوش مزاجی سے ان سب سے ہی باتیں کررہے تھے، شہران پورا وقت کسی میگزین کی ورق گردانی میں لگا رہا، لیل ماہ اسے کئی دفعہ نوٹ کرچکی تھی وہ بھولے سے بھی اس پر نگاہ غلط نہیں ڈال رہا تھا۔

”بڑا شریفوں کی طرح بیٹھا ہے یہ بدمعاش غنڈہ!“ وہ دانت پیسنے لگی، فان کلر کی پینٹ پر لائٹ پنک شرٹ میں ہلکی سی بڑھی شیو جو اس کی ہر وقت ہی رہتی تھی، خاصا ڈیشنگ اور اسمارٹ لگ رہا تھا، پرسنیلٹی تو اس کی تھی ہی سحر انگیز، لیل ماہ اس کے سامنے پزل ہی ہوجاتی تھی، اس کی آنکھوں تک میں رعب تھا۔

”اسد بھائی! میں آپ کو کچھ کہنا چاہتی ہوں، حالانکہ ہم اس لائق تو نہیں، پھر بھی آپ نے ہماری ایسی عزت افزائی کی۔ بلکہ ہم آپ کے شکر گزار ہیں“

”یہ آپ کیسی باتیں کررہی ہیں بلکہ مجھے شرمندہ ہی کررہی ہیں، میں غلطی پر تھا یہ میں جانتا ہوں، ہمیشہ غلط ہی سوچا بھی نفرت کی ہی نگاہ سے دیکھا یہ میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے، جبکہ عزت دینے والا تو اوپر والا ہے، ہم کون ہوتے ہیں اس کے بندوں میں تفریق کرنے والے؟“ وہ خود کو ندامت کی عمیق گہرائیوں میں گرتا ہوا محسوس کررہے، شروع سے محمد احمد کے پورے گھرانے کو نفرت کی نگاہ سے ہی دیکھا تھا۔

”میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا نہیں ہے، آپ ایسا کچھ نہیں سوچئے“۔ حمیرا بیگم نے ان کی شرمندگی کو کم کیا۔

”میں آپ کی لیل ماہ کو اپنے شہران کے لیے مانگ رہی ہوں، اسے بہو بنا کر مجھے اور خوشی ہوگی“۔ شہران کے ہاتھوں سے میگزین پھسل گیا، ایسی غیر متوقع بات سب ہی گنگ تھے۔

حرما نے بھی حیرانگی اور خوشی سے انہیں دیکھا، وہ تو کل تک خود انکاری تھیں، پھر یہ اچانک سے فیصلہ؟ خوشی سے اس کے لب مسکرانے لگے، ذیشان نے اس کے کھلتے چہرے کو دیکھا۔

”حالانکہ میرا یہ بیٹا آپ کے لائق تو نہیں ہے کہ آپ کا داماد بنے، مگر مجھے آپ کی بیٹی کو بہو بنا کر اور زیادہ فخر ہوگا“۔ لیل ماہ نے سنا تو غصے میں بھناتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”مزید اس طرح کہہ کر تو آپ مجھے اور شرمندہ کررہی ہیں“۔ اسد مرزا جھٹ گویا ہوئے۔ شہران کی ایسی پچویشن تھی وہ اٹھ کر بھی نہیں جاسکتا تھا، مگر اسے اپنی امی پر غصہ آنے لگا کہ اس سے پوچھے بنا ہی اس کا رشتہ یہاں دے دیا۔

”آپ اچھی طرح سوچ کر جواب دے دیجئے گا، مگر یاد رکھیئے گا زبردستی نہیں ہے اور ہاں! لیل ماہ سے ضرور پوچھیئے گا کیونکہ زندگی بھر کے یہ فیصلے ہوتے ہیں، بچوں سے پوچھ کر کیے جائیں تو بہتر ہیں“۔

”آہ..... بچوں سے پوچھ کر کیے جائیں تو بہتر ہیں، مجھ سے تو پوچھنا ضروری نہیں سمجھا“۔ وہ دل ہی دل میں سوچ کر سلگ رہا تھا اور اسے قوی امید تھی، لیل ماہ تو فٹ سے انکار کردے گی، اسی وجہ سے وہ ذیشان کو پہلے ہی منع کرچکا تھا، مگر امی.... انہیں کون سمجھائے؟

”کیوں نہیں“۔ اسد مرزا نے سر اثبات میں ہلایا۔ ارباز بھائی، بھابی امی سب ہی خوش بیٹھے تھے، امی تو جانتی تھیں اسد مرزا کی بھی یہی مرضی ہے، مگر یہاں بھی فیصلہ وہ خود کرنا چاہتے تھے، لیکن حمیرا بیگم نے لیل ماہ کی مرضی کو زیادہ اہمیت دی تھی۔

☆..........☆..........☆

اس کا دل اتنا گھبرا رہا تھا وہ لائبہ سے ملنے آگئی اور شہران کے رشتے کا بھی بتادیا وہ تو مبارک باد دینے لگی تھی۔

”شرم تو نہیں آتی، مبارک باد دیتے ہوئے“۔ وہ خفگی سے خونخوار ہو کر اسے گھورنے لگی تھی۔

”ارے خوشی کی بات ہے، تم خواہ مخواہ میں اتنی ٹینشن لے رہی ہو، شہران بھائی ایسے بھی برے نہیں ہیں“۔ اس نے حمایت کی۔

”بہت ہی کمینی ہو“۔ اس نے لائبہ کے ہاتھ پر زور سے تھپڑ مارا۔

”تم سب کچھ چھوڑو، یونیورسٹی جوائن کرلو“۔

”میری پڑھائی بھی اس بدتمیز کی وجہ سے چھوٹی ہے“۔ اسے اپنے ماسٹر ادھورا رہ جانے پر بہت دکھ و افسوس ہوتا تھا۔

”انکل نے بھی اجازت دے دی، تم کیوں جوائن نہیں کرتی ہو، تمہارا ذہن ہی بٹ جائے گا؟“ وہ اسے سمجھانے کی پوری کوشش کرنے لگی۔

”ہوں.... سوچتی ہوں“۔ وہ گہری سوچ میں مستغرق ہوگئی، کل تک وہ شہران کو چاہ رہی تھی اور آج اسے اتنی ہی

نفرت ہوگئی تھی، وہ اس کے سائے سے بھی بچ کر رہنا چاہتی تھی، مگر قسمت سے جو دعائیں اس وقت کی گئی تھیں وہ آج مستجاب ہو رہی تھیں، شہران اسے مل رہا تھا تو وہ نہیں چاہ رہی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' لائبہ نے ٹہوکا دیا۔

''یہی کہ یونیورسٹی جوائن کر ہی لوں''۔ وہ کپڑے جھاڑ کے کھڑی ہوگئی۔

''ہاں چلیں؟ ابھی تو آئی ہو''۔

''بہت دیر ہوگئی ہے، رات کے کھانے کی تیاری کرنی ہے''۔ رات کا کھانا وہ بناتی تھی۔ چادر ٹھیک سے اوڑھتی باہر نکل گئی اور شہران کو یلو کیب کے ساتھ ہی کھڑا پایا، دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا، شہران کی گہری نگاہ اٹھی ضرور، مگر پھر اس نے نگاہوں کا زاویہ دوسری سمت کر لیا، مغرب کے بعد گلی میں کچھ سناٹا ہو گیا تھا۔

''مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں، اگر سیل موجود ہو تو میرا یہ نمبر ہے، اس پر رنگ کر لینا''۔ لگتا تھا اسے یقین تھا اس لیے لیل ماہ سے بات کرنے کا موقع ضرور ملے گا، پیپر اس کی طرف بڑھایا۔

''میں تمہاری شکل تک دیکھنا نہیں چاہتی بدتمیز آدمی!''۔ وہ نفرت و حقارت سے چنگاریاں نکالتی ہوئی اپنے گھر کی طرف بڑھنے لگی۔ شہران راہ میں حائل ہو گیا، گرے پینٹ پر وائٹ ٹی شرٹ میں تیکھے سے مزاج کے ساتھ برہم ہو رہا تھا۔

''تم سے آرام سے اور طریقے سے بات کر رہا ہوں، تمہاری سمجھ میں نہیں آتا؟ اسی لہجے میں تم سے بات کروں جس کی تم لائق ہو؟''

''دیکھو! مجھے ڈرانے دھمکانے کی تو کوشش کرو نہیں، میں تم سے اب ڈرنے والی بھی نہیں ہوں اور پھر میں نے تمہاری ساری بدمعاشوں والی حرکتیں آپی کو بتا دی ہیں، اور اگر خیریت چاہتے ہو تو شرافت سے میرا راستہ چھوڑ دو، کیونکہ میں اور تم سے شادی کروں گی، کبھی نہیں''۔ لہجہ اتنا اہانت لیے ہوئے تھا، شہران نے لیل ماہ کے گلابی گلابی مکھڑے کو اتنا چراغ پا اور پر اعتماد دیکھا۔

''میں بھی تم سے شادی کرنے کو مرا نہیں جا رہا، تم میں ہے ہی کیا؟ نہ شکل اچھی اور نہ عقل، ذرا سی میں نے تم پر توجہ کیا دے دی خود کو اپسرا سمجھنے لگیں، میری پسند تم جیسی لڑکی ہو بھی نہیں سکتی''۔ اس نے بھی بدلہ اتار کے حساب برابر کیا۔

لیل ماہ کا غصے کے مارے برا حال ہو گیا، آنکھوں میں آگ بھر گئی۔

''آوارہ غنڈہ!'' وہ دل میں گالیاں دیتی اندر جانے لگی، شہران کے الفاظ اسے دھواں دھواں بھی کر گئے تھے، اس نے ایک لمحے میں اس کے بخیئے ادھیڑ دیئے تھے۔

''جاہل، جنگلی!'' وہ اپنا غصہ دبانے کی بہت کوشش کر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

روحیل سکندر نے تیمور کے ولیمے کا فنکشن شاندار ہی رکھا تھا، حمدان کو وہ دعوت بھی دے چکے تھے، سیل پر کالز کیے جا رہے تھے، جو وہ شاید جان کے ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ روحیل سکندر نے مایوس ہو کر سیل کو دیکھا، اس وقت خود کو وہ خود غرض ہی سمجھ رہے تھے، انہیں اریشماء کے لیے حمدان سب سے بہتر لگ رہا تھا، وہ بھتیجے کی محبت میں اسے بھی اگنور

کر گئے تھے، حالانکہ انہوں نے کبھی اسٹیٹس کو درمیان میں نہیں رکھا تھا، مگر اریشماء کو یہی ریزن دیا وہ آسائشوں کی عادی ہے، وہ ان سب کے بغیر نہیں رہ سکتی ہے۔

دوبارہ کال کرنے لگے، اریشماء بلیک شیفون جارجٹ کے اسٹائلش سے سوٹ میں لائٹ سے میک اپ میں شولڈر کٹ بالوں کی لیئر اسٹیپ کٹنگ اس پر بہت پیاری لگ رہی تھی، بڑا سا دوپٹہ شانوں پر جھول رہا تھا۔

''ڈیڈی! کسے اتنی دیر سے کال کرنے میں بزی ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''حمدان کو کال کر رہے تھے، وہ ریسیو ہی نہیں کر رہا''۔

''ہو سکتا ہے بزی ہو کہیں، آپ کیوں اسے کر رہے ہیں؟'' اس نے پھر انجان بن کے پوچھا۔

''بیٹا! میں چاہ رہا تھا وہ بھی آ جاتا''۔ انہوں نے سیل دوسرے ہاتھ میں دبا لیا۔

''ڈیڈی! چھوڑیئے اسے، بہت مغرور اور بد دماغ ہے''۔ اریشماء نے جان بوجھ کر ایسا کہا۔

''بری بات بیٹا! وہ ایسا بالکل بھی نہیں ہے، ہر کام ذمے داری سے کرتا ہے، خوددار بہت ہے، اسی وجہ سے وہ کم ہی لوگوں سے بات کرتا ہے، بد دماغ اور مغرور ذرا بھی نہیں ہے''۔ انہیں اریشماء کا اس طرح سے کہنا ناگوار گزرا۔

''آپ کو نہیں پتہ، ہر وقت اکڑا رہتا ہے''۔

''تم ایسا کرو مہمانوں کو دیکھو، کون کون آیا ہے، اپنی چچی جان کو اسٹیج پر لے کے جاؤ، عائشہ کیسی مرجھائی ہوئی بیٹھی ہے''۔ انہیں اس بات کا بہت دکھ تھا، شاہدہ نے ایک دفعہ بھی اسے گلے نہیں لگایا تھا۔

''میں کئی دفعہ بول چکی ہوں، وہ بہت غصے میں بھری ہوئی ہیں''۔ اس کی نگاہیں تیمور کا تعاقب کر رہی تھیں، پریشان گھبرایا ہوا لگ رہا تھا، کئی دفعہ اریشماء سے بات کرنے کے بہانے بھی ڈھونڈے، مگر اس نے موقع ہی نہیں دیا۔

''ان کی بھی فضول کی ڈرامے بازی ہے''۔ روحیل سکندر تاسف سے گویا ہوئے، اریشماء نے چونک کے انہیں دیکھا، روحیل سکندر نے ایک دفعہ بھی تو اس سے یہ نہیں کہا تھا، ان کا فیصلہ اس کی زندگی کے لیے غلط ثابت ہوا تھا۔

''ڈیڈی! یہ آپ کہہ رہے ہیں؟'' روحیل سکندر اس پر صرف ایک نگاہ ڈال کر آگے نکل گئے، فوزیہ روحیل بھی لوگوں سے بڑے پرتپاک انداز میں مل رہی تھیں، کئی لوگوں نے کامران سکندر پر طنز بھی کیا تھا۔

''جب آپ کے بیٹے نے شادی کر ہی لی تھی تو آپ نے روحیل سکندر کی بیٹی سے منگنی کیوں کی؟'' کئی لوگوں کے ایسے سوالات پر وہ گڑبڑائے، سٹپٹائے سے ہو گئے تھے۔

''ممی! تایا ابو نے یہ سب کر کے پوری محفل میں ہمیں بے عزت کیا ہے''۔ تیمور، شاہدہ سے خاصے برہم لہجے میں بول رہا تھا۔

''بیٹا! یہ انہوں نے ہم سے اپنی بیٹی کا بدلہ لیا ہے''۔ وہ تو ویسے ہی بھری ہوئی بیٹھی تھیں۔

''میں بھی ایسا بھیانک بدلہ لوں گا، یاد کریں گے، اریشماء کی شادی میں کسی طرح بھی کسی اور سے ہونے نہیں دوں گا''۔ تیمور پر رقابت کی آگ سوار تھی، حمدان کو اہمیت دیا جانا وہ برداشت نہیں کر سکے گا۔

''آہستہ بولو، اطراف میں لوگ بیٹھے ہیں''۔ شاہدہ اپنی ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی سامنے والی ٹیبل پر چلی گئی تھیں۔

''تیمور! تم ادھر بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ عائشہ کے ساتھ فوٹو سیشن کروایا؟'' اریشماء اسے تپاتی ہوئی لگی تھی۔

''مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے''۔ لٹھ مار انداز میں گویا ہوا۔

''جب شادی شوق سے کر لی تو فوٹو سیشن کروانے میں کیا قباحت ہے؟'' وہ بھی طنز سے باز نہیں آئی۔

''ہر بات کی حد ہوتی ہے''۔

''ٹھیک کہا، ہر بات کی حد ہوتی ہے، کسی بھی لڑکی کا تمہارا جب دل چاہے گا، مذاق بنا دو گے یاد رکھنا تیمور! عائشہ تمہاری بیوی ہے، اسے اس کے حق سے محروم کر کے بہت بڑی غلطی کرو گے''۔ وہ اسے وارن کرنے لگی۔

''تمہیں میری اتنی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ وہ بہت کڑوا ہو رہا تھا۔

''تمہاری فکر کون کر رہا ہے، میں تو عائشہ کی بات کر رہی ہوں، تمہاری بیوی بہت پیاری اور معصوم ہے، پلیز اسے دھوکہ نہیں دینا''۔ اس نے بھی جتا دیا۔ تیمور لب بھینچ کے اس کے سجے سنورے حسن کو دیکھے گیا، کتنی دلکش تھی اور سب کی کتنی فکر کرتی تھی، عائشہ سے ملے اسے دو دن ہوئے تھے، مگر اس کے لیے ہمدردی کا جذبہ وہ لاجواب ہو گیا تھا۔

''زندگی ہر دفعہ نہیں سنورتی ہے، جب دل چاہا بگاڑ لیا اور جب دل چاہا اس میں سے کسی کو نکال دیا، صرف ایک بار زندگی میں کوئی پیارا لگتا ہے، اس لیے تمہیں عائشہ بہت پیاری لگی ہو گی، مگر دشمنی کی وجہ سے اپنا اور عائشہ کا نقصان نہیں کرنا، پھر یاد رکھنا تمہیں کہیں جگہ نہیں ملے گی''۔ اریشماء بہت صاف گو اور کھرے مزاج کی تھی، لگی لپٹی وہ کسی کی نہیں رکھتی تھی، تیمور سے تو اس کی لگتی بھی بہت تھی۔

''جیسے تمہیں حمدان پیارا لگتا ہے''۔ اس نے برجستہ طنز یہ کہا۔

''ایسا میں نے تم سے تبھی کہا ہی نہیں، یہ تمہارا ذہن سوچتا ہے''۔ وہ اس کا جلنا کلسنا سب محسوس کر رہی تھی۔

''اریشماء! تم بھی یاد رکھنا میرے ساتھ تم نے بھی برا کیا ہے''۔ وہ بھی اسے جتانے لگا۔

''برا تم نے کیا ہے سمجھے''۔ وہ محفل اور لوگوں کا خیال کر کے مزید لامتناہی گفتگو سے بچ کر اسٹیج کی سمت روانہ ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

گھر میں اس کے رشتے کی باتیں ہو رہی تھیں، مگر وہ ایسا ہو گیا جیسے تعلق ہی نہیں، رات کو بھی دیر سے گھر آنے لگا تھا، صبح میں کہیں تیار ہو کر ایسا جاتا کہ دوپہر میں ہی آتا تھا۔

''اس سے امی! بات تو کریں''۔ حرما کوئی بھی قدم ایسا نہیں اٹھانا چاہ رہی تھی کہ شہران کی مرضی کے خلاف ہو، حمیرا بیگم نے وہاں اچانک سے ہی فیصلہ کر کے رشتہ دے دیا تھا۔

''گھر میں ٹک کر بیٹھے تو میں بات کروں''۔ وہ بھی فکر مند تھیں، ہفتے سے اوپر ہو گیا تھا، انہیں اسد مرزا کے گھر سے آئے ہوئے، اسی وقت وہ اپنے روم سے نکلا تھا، ٹیکسی لے کر جا رہا تھا۔

''شہران! ادھر آؤ، مجھے بات کرنی ہے''۔ حرما اسے دیکھ کر اندر چلی گئی تا کہ حمیرا بیگم اس سے تنہائی میں آرام سے بات کر سکیں۔

''مجھے جلدی نکلنا ہے''۔ وہ عجلت میں تھا، بلیک پینٹ پر بلیک ہی ٹی شرٹ میں نہایا دھویا نکھرا نکھرا لگ رہا تھا۔

''چلے جانا''۔ انہوں نے بازو سے پکڑ کے اسے تخت پر بٹھایا۔

''لیل ماہ کے لیے جو میں نے رشتہ دیا ہے، میں بات آگے بڑھاؤں؟''

''آپ وہاں مجھ سے پوچھ کر رشتہ دے کر آئی تھیں جو بات آگے بڑھانے کی کر رہی ہیں؟'' رکھائی اور اکھڑ لہجے میں گویا ہوا۔

''ان کی بیٹی کی مرضی کو اہمیت دے رہی ہیں، میری مرضی پوچھی تھی آپ نے؟''

''کیوں کیا برائی ہے لیل ماہ میں؟ پھر مجھے بھی لگتا ہے تم بھی لیل ماہ کو پسند کرتے ہو''۔ انہوں نے نگاہ چرا کے کہا۔

''جی نہیں، مجھے وہ نک چڑھی چڑیل قطعی نہیں پسند، پتہ نہیں کہاں سے آپ کو لگا میں اسے پسند کرتا ہوں''۔ لاجواب تو وہ کسی سے ہوتا ہی نہیں تھا۔

''میں سب سمجھتی ہوں''۔ وہ اپنی بات پر ڈٹی ہوئی تھیں۔

''ان کی بیٹی کے اتنا دماغ ہے اور مجھے ایسی بدصورت لڑکی سے شادی کرنی بھی نہیں ہے''۔ وہ کچن میں موجود حرما کا بھی لحاظ نہیں کر رہا تھا۔

''دیکھو شہران! اگر تمہیں لیل ماہ نہیں پسند، اس طرح تمہیں میری بہن کی توہین کرنے کا بھی کوئی حق حاصل نہیں ہے''۔ حرما کے تو دل پر جا لگی تھی، وہ تیزی سے باہر آئی تھی، شہران خفیف سا ہو گیا، وہ تو لیل ماہ سے اپنا بدلہ ہی نکال رہا تھا، جس نے کل اس کی گلی میں بے عزتی جو کی تھی۔

''سوری بھابی! مجھے آپ کو ہرٹ کرنے کا حق تو نہیں، مگر مجھے آپ کی بہن بالکل پسند نہیں''۔

''راستہ روک روک کے اسے تنگ کرتے تھے، دھمکیاں دیتے تھے اور آج بول رہے ہو پسند نہیں، تم نے اسے سمجھا کیا تھا جو اس کے ساتھ ایسا کرتے تھے؟'' وہ تو پھٹ پڑی۔ حمیرا بیگم حق دق سی سنتی رہ گئیں، یہ سب تو انہیں بھی خبر نہیں تھی۔

''وہ میں کسی اور وجہ سے کرتا تھا، مگر اب میں ایسا بالکل بھی نہیں کروں گا، کیونکہ جن لوگوں کی کوئی عزت نہیں ہوتی ان کی بعد میں بھی نہیں ہوتی، آپ کے گھر والے مجھے ساری زندگی اسی طرح ہی دیکھیں گے، کل تک میں برا تھا، ہمارا گھرانہ عزت کے لائق نہیں تھا، آج ہمیں اس طرح سر پر بٹھا کر.....! پلیز ایسا کوئی احسان نہیں کریں، میرا مزاج بہت الگ ہے، میں اپنی ذات کے حوالے سے باتیں کبھی بھولتا نہیں ہوں''۔ لہجہ اس کا اتنا کڑوا اور ناگوار ہو گیا تھا، حرما حیرانگی سے اسے دیکھے گئی جو ابھی تک اتنا بدظن تھا، جبکہ اس کے گھر والوں نے تو سب کچھ بھلا کے ان سب کو سر آنکھوں پر بٹھایا تھا۔

''اور ہاں! آپ کے متعلق جو بری افواہ پھیلائی تھی، وہ آپ کا ایکس منگیتر تھا، آپ کے والد نے کبھی جاننے کی ضرورت ہی نہیں کی، اور سنی سنائی پر یقین کر کے آپ کو رخصت کر دیا''۔ یہ اور انکشاف حرما کے لیے لرزانے کو کافی تھا، کتنی مشکل سے تو بھولی تھی۔

''شہران! بند کرا اپنی بکواس''۔ حمیرا بیگم دھاڑیں۔

''میں نے سچ بتایا ہے، کوئی بکواس نہیں کی ہے''۔ وہ کھڑا ہو گیا۔

''مجھے ایسے لوگوں میں رشتہ کرنا ہی نہیں ہے، جہاں میری اور میرے گھر والوں کی کوئی عزت نہیں تھی''۔ درشت

لہجے میں بولتا ہوا وہ کتنا اجنبی لگ رہا تھا۔ حرما لب کچلتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی، ایک تو اس کی کنڈیشن بھی دوسری تھی، ایسے میں کوئی صدمہ اور دکھ اس کے لیے بالکل بھی ٹھیک نہیں تھا۔

"مجھے لگتا ہے تُو ناک کٹوائے گا"۔

"امی! ہماری تو ناک پہلے ہی کٹی ہوئی ہے، ہمارے باپ کے کرتوت کی وجہ سے، اب دوبارہ کٹ جائے گی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا"۔ اس نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

"شہران! تُو کتنا بدتمیز اور منہ پھٹ ہو گیا ہے، سب کا لحاظ ختم ہوتا جا رہا ہے"۔

"غلط بات بالکل نہیں کریں، میں بھابی کی عزت بہت کرتا ہوں، مگر میں نے انہیں حقیقت سے آگاہ کیا ہے، مجھ سے دکھاوے کے ڈرامے نہیں ہوتے ہیں"۔ وہ نرم پڑا۔

"پھر روز اسد مرزا کی طبیعت پوچھنے کیوں جاتا تھا؟"

"اس لیے کہ بیمار کی مزاج پرسی ضروری ہے، پھر انہیں ہاسپٹل میں ہی لے کر گیا تھا، اس لیے پوچھنا فرض ہے"۔

"مجھے تیری باتیں ذرا سمجھ نہیں آتی ہیں"۔ وہ بے زاری اور اکتاہٹ کا شکار ہو گئی تھیں۔

"میری بھی بات کان کھول کر سن لے، اگر اسد بھائی کی طرف سے ہاں میں جواب آ گیا تو میں یہ رشتہ پکا کر دوں گی"۔

"ان کی بیٹی ہی منع کر دے گی"۔ وہ جاتے جاتے پلٹ آیا۔

"پتہ نہیں کیسے مزاج کا ہے تُو"۔

"جا رہا ہوں میں، بھابی کو سمجھا دیجیے گا"۔ وہ کسی بھی بات کی فکر کیے بغیر کی رنگ پینٹ کی پاکٹ سے نکال کر مین گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

حرما کی طبیعت خراب تھی، وہ رہنے کے لیے میکے آ گئی تھی، ادھر گھر والے سب ہی راضی تھے، مگر لیل ماہ سے جب پوچھا گیا، اس نے صاف انکار کرنے کے بجائے رضامندی دے دی تھی، وہ بھی صرف اپنے ابو کی حالت دیکھتے ہوئے۔

"لیل ماہ! جب تمہیں فیصلے کا اختیار دیا گیا تھا تو کیوں انکار نہیں کیا؟" حرما کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا۔

"اب میں نے رضامندی دے دی ہے، تو آپی! تمہیں ابھی بھی اعتراض ہے، ورنہ تمہارا وہ غنڈہ دیور اس قابل نہیں ہے، خود کو سمجھتا کیا ہے، دیکھیے گا میں اس کا بینڈ بجا دوں گی"۔ اس دن کی شہران کی گفتگو اسے آگ لگا رہی تھی۔ حرما کو یہ پریشانی اور فکر سوار ہو گئی تھی کہ شہران نے تو صاف انکار کر دیا تھا، وہ تو ان دونوں کے بیچ پھنس گئی تھی، اگر ساری بات لیل ماہ کو بتاتی تو یہ بھی شہران سے کم نہیں تھی۔

"واہ.....! بہت اچھے خیالات ہیں"۔ حرما کو افسوس ہونے لگا۔

"تمہارے دیور کے بھی خیالات خاصے اچھے ہیں، کبھی اسے بھی بٹھا کے پوچھنا"۔ وہ بھی طنزیہ ہاتھ نچا کے بولی۔

"جب تم دونوں کے دلوں میں گنجائش ہی نہیں ہے تو کیوں تم نے ہاں کی؟ منع کر دو"۔

"آپی! پہلے تم فورس کرتی ہو کہ یہ رشتہ ہو جائے اور اب کہتی ہو انکار کر دو، یہ کوئی کھیل نہیں ہے"۔ وہ بھی غصے میں آ کر اسے منانے لگی۔

"دلوں میں گنجائش وہاں ہوتی ہے جہاں کچھ انسیت ہو، تمہارا دیور اس قابل ہی نہیں ہے کہ دل میں گنجائش نکالی جائے"۔

"فضول بکواس کیے جا رہی ہو، ابھی تم اس کی عزت نہیں کر رہی ہو، بعد میں شوہر بن جائے گا تو تم اسے جوتی کی نوک پر رکھو گی"۔ وہ ذہنی انتشار کا شکار ہو رہی تھی، جتنا اسے ڈاکٹر فکر و پریشانی سے دور رہنے کو کہہ رہے تھے اس پر فکروں کا جال بچھ گیا تھا۔

"شوہر بن کے بھی وہ عزت کے قابل نہیں ہو گا"۔ لہجے میں اس کے نفرت، حقارت سب ہی کچھ عیاں تھا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو رہا ہے، میں ہی اس رشتے سے انکار کرتی ہوں، بعد میں تو تم اور ہنگامے کھڑے کر دو گی"۔ وہ اٹھی۔

"تم کیا چاہتی ہو، تمہارے آوارہ دیور کو سر پر بٹھا کے امن کا نقارہ بجاؤں؟"

"لیل ماہ! پلیز خاموش ہو جاؤ، تم بھی بالکل شہران کی طرح بدتمیز ہو گئی ہو"۔ وہ سر پکڑ کے رہ گئی، سر اس کا دکھنے لگا تھا، یہاں وہ خود کو ریلیکس کرنے آئی تھی، مگر الجھن کا ہی شکار ہو گئی تھی۔

"امی! میں گھر جا رہی ہوں"۔ وہ لاؤنج میں آ گئی، وہ عصر کی نماز پڑھ کے فارغ ہوئی تھیں۔

"کل ہی تو آئی ہو، ایسی جانے کی کیا ضرورت پڑ گئی، چار چھ دن رہ کر آرام کرو، طبیعت ٹھیک ہو تو چلی جانا"۔ وہ اس کی زرد ہوتی رنگت دیکھ کر گویا ہوئیں۔

"ذیشان کو پریشانی ہو گی"۔ وہ بولی۔

"ذیشان کو میں نے کہہ دیا ہے یہاں آ جایا کرے گا، کھانا کھانے"۔

"امی! آپ اس رشتے سے منع کر دیں"۔ وہ اصل موقف پر آ گئی، جس کی وجہ سے وہ جا رہی تھی۔

"لیل ماہ نے خود رضامندی دی ہے"۔ وہ بتانے لگیں۔

"آپ کو نہیں پتہ وہ کیا کچھ سوچ کر بیٹھی ہے"۔ اس نے پھر امی کو ایک ایک بات شہران کی اور لیل ماہ کی بھی بتا دی، وہ سن کر فکرمند سی ہو گئیں۔

"ہم تو شہران کو ایسا کچھ نہیں سمجھتے"۔ وہ تاسف سے بولیں۔

"مگر وہ تو وہی سمجھتا ہے، آپ یہ رشتہ ختم کریں، ابو کو میں سمجھا لوں گی"۔ وہ جلد از جلد چاہتی تھی یہ بات ختم ہو جائے۔

"تمہارے ابو کی تو پوری مرضی ہے، تم دونوں ایک گھر میں ہی رہو گی"۔

"امی اس قصے کو یہیں ختم کر دیں"۔ اس نے دوٹوک انداز میں ہی منع کر دیا۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

تبسم فیاض

مکمل ناول

زندگی کی راہ میں

''کیا میرے بیٹے کے لیے یہی رہ گئی ہے، کیا دنیا کی لڑکیاں ختم ہوگئیں جو میں اپنے عیشان کے لیے اسے لے لوں؟'' زہرا بیگم کی غصے میں چنگھاڑتی ہوئی آواز عشما کا دل دہلا گئی اور ادھر فرحان صاحب انہیں آواز دبا کر بات کرنے کی تلقین کرنے گے۔

''بس، بس میں نے بارہ سال سے اسے رکھا ہوا ہے، یہی بہت ہے میرے لیے، یہ طوق میں زندگی بھر اپنے گلے میں

باندھنا نہیں چاہتی''۔ ایک بار پھر زہرا بیگم نے اپنے لفظوں سے عشما کے کانوں میں سیسہ انڈیلا۔ برابر کمرے میں بیٹھی عشما اپنی قسمت پر آنسو بہانے کے سوا اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

''اچھا بس کرو، تمہیں نہیں کرنا نہ کرو، لیکن ایسے الفاظ ادا کرتے ہوئے اپنی بیٹیوں کا تصور بھی کرو، وہ بھی کسی کی بیٹی ہے اور بارہ سال کا طعنہ مار کر اپنی نیکی ضائع مت کرو''۔ فرحان صاحب غصے میں دبے لفظوں میں بولے۔

''تو جس کی بیٹی ہے وہ آ کر لے جائے نا، اسے میں نے کب منع کیا ہے، مگر اسے اپنے دوسرے بیوی بچوں سے فرصت ملے تب نا''۔ زہرا بیگم کی بات سنتے ہی فرحان صاحب کھڑے ہوگئے، انہیں پتہ تھا یہ نہ ختم ہونے والی بحث ہے، لہٰذا خود ہی واک آؤٹ کر جانا بہتر ہے۔

شمس صاحب کے دو بیٹے تھے، بڑے بیٹے فرحان اور چھوٹے عمران، ثمینہ بیگم اور شمس صاحب کا گھرانہ ایک 250 گز کے چھوٹے اور خوبصورت گھر پر مشتمل پرسکون اور فرمانبرداری کا ایک مثالی گھرانہ مشہور تھا، خاندان کے ہر گھر کی آرزو تھی کہ اس گھر میں ان کی بیٹی جائے، لیکن فرحان کے لیے ثمینہ بیگم نے اپنی دوست کی بیٹی زہرا بتول کے لیے زبان دی ہوئی تھی، جو کہ انہیں بچپن سے پسند تھی، زہرا بتول کی بھولی صورت ان کی سیرت سے بالکل مختلف تھی، جس کا اندازہ ثمینہ بیگم کو شادی کے دوسرے دن ہی ہو گیا تھا، جب انہوں نے ثمینہ بیگم کو صبح سویرے ابا کو چائے دینے جانے سے یہ کہہ کر منع

کیا کہ میں اتنی صبح اٹھنے کی عادی نہیں، شرافت کے پیش نظر ثمینہ بیگم نے بات کا بتنگڑ بنانے کے بجائے ان کی یہ با
فرحان کے سامنے بھی نہ آنے دی کہ مبادا کہیں فرحان ماں کی بے عزتی سمجھ کر نئی نویلی دلہن سے الجھ نہ جائے۔

آہستہ آہستہ زہرا بیگم اپنے اکھڑپن کی وجہ سے سب گھر والوں کے سامنے کھلی کتاب تھیں، اپنے مزاج اور
گھرانے کی شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر سب پر حاوی ہوجاتیں، لہٰذا سامنے والا خود ہی خاموش ہوجاتا، ایک دن
صاحب کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ اس دنیا سے چلے گئے، اب تو ثمینہ بیگم اور زیادہ پریشان رہنے لگیں کیونکہ زہرا بتول
لحاظ کر کے ثمینہ بیگم کو منہ در منہ تو کچھ نہ کہتیں تھیں، لیکن پھر بھی اپنی ہی چلاتی تھیں، اب تو ان کے لیے میدان صاف
ثمینہ بیگم نے خود کو اکیلے پڑتا دیکھ کر عمران کی شادی کا سوچا، لیکن انہیں یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں زہرا جیسی آ گئی تو اس گھر کا
ہوگا، بالآخر انہیں محلے میں ایک میلاد کی تقریب میں آنے والی ایک لڑکی سدرہ پسند آ گئی، وہ فرحان سے بات کر کے
عمران کی رضامندی لے کر اس کے رشتے کے لیے سدرہ کے گھر پہنچیں، وہ لوگ نہایت غریب اور سادہ لوح تھے، عمران
تعلیم، جاب اور خاندان کا سن کر انہوں نے ہامی بھر لی، زہرا بتول نے ادھر بھی بہت جھگڑا پھیلایا، وہ دراصل عمران
لیے اپنی کسی دوست کو لانا چاہ رہی تھیں، لیکن انہیں اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی، لہٰذا انہوں نے سدرہ سے ازل کا
باندھ لیا۔

شادی کے بعد عمران کا بیوی کے لیے کپڑے لانا، گھمانا پھرانا اور اپنی والدہ کی عزت کرنا زہرا بتول کو ایک آنکھ
بھایا، وہ اپنا موازنہ سدرہ سے چلتے پھرتے کرتی رہیں، اب تو فرحان صاحب کی زندگی اور بھی اجیرن ہوگئی تھی، گھر
ایک کھنچاؤ، ایک تناؤ ہر وقت رہتا، حالانکہ سدرہ، ثمینہ بیگم کے ساتھ ساتھ زہرا بتول کا بھی ہر طرح سے خیال کرتی تھی، لیکن
زہرا بیگم اسے محض دکھاوا کہہ کر سدرہ کی ساری محبت، محنت ملیامیٹ کر دیتیں، پھر ایک دن زہرا بتول کی ساری توجہ گھر سے
ہٹ کر اپنے اوپر گئی، جب انہیں پتہ چلا کہ وہ ماں بننے والی ہیں، ثمینہ بیگم بھی بہت خوش تھیں، زہرا نے نو مہینے خوش و خ
گزارے اور ایک خوبصورت سے بیٹے کو جنم دیا، عیشان گھر بھر کا لاڈلا تھا، لیکن انہیں عیشان کے معاملے میں کسی پر اعتما
نہیں تھا، خاص کر سدرہ پر۔ سوا سوا سال کے فرق سے یکے بعد دیگرے زہرا بتول کی دو بیٹیاں بھی ہوئیں، لیکن سدرہ سے
کوئی اولاد نہ ہوئی، اولاد کا طعنہ چلتے پھرتے زہرا بتول باتوں باتوں میں سدرہ کو دیتی رہتیں، ان کی یہ باتیں سدرہ کے
سینے پر برچھی بن کر لگتیں، لیکن وہ برداشت کر جاتیں، اب سات سال بعد سدرہ بھی ماں بننے کے عمل سے گزر رہی تھی، ا
کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، ثمینہ بیگم بھی اس کا ہر طرح سے خیال کرتیں، وقت آنے پر سدرہ نے ایک بچی کو جنم دیا اور فر
ابدی نیند جا سوئیں، زہرا بتول کی نظر میں اب یہ بچی کی منحوسیت تھی، لیکن ثمینہ بیگم خدا کا لکھا سمجھ کر قبول کر گئیں، بہت احتیا
سے ثمینہ بیگم نے عشما کو پالا۔ عمران کو بھی بہت سمجھایا کہ وہ شادی کر لے، مگر وہ نہیں مانا، عشما جب آٹھ سال کی تھی، تو ثمینہ
بیگم ایک دن ایسا سوئیں کہ اٹھ نہ سکیں۔ آخر کار عشما کی تربیت زہرا بتول کے ہاتھوں میں آ گئی اور انہوں نے بہت
دلی سے دنیا دکھاوے کے لیے اسے اپنے سینے سے لگایا اور عمران سے کہا۔

''آج سے یہ بچی میری ہے''۔ عشما کے سر پر اپنوں کا ہاتھ دیکھ کر عمران صاحب ملک سے باہر چلے گئے اور وہ
انہوں نے اپنے آفس کی لڑکی سے شادی کر لی، لیکن وہ عشما کا خرچہ باقاعدگی سے بھیجتے رہے، آہستہ آہستہ وہ بھی اپ
زندگی میں مگن ہوگئے اور انہوں نے پلٹ کر یہ دیکھنے کی بھی کوشش نہ کی کہ اپنی بیٹی جس عورت کے ہاتھوں میں سونپ

آئے تھے، اس نے عشما کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا۔

طنز، طعنے، منحوس کے خطابات کے ساتھ عشما بڑی ہوئی، اس کا دل چھلنی ہو چکا تھا، اس گھر میں صرف فرحان صاحب تھے، جو اس سے پیار سے بات کرتے، وہ زہرا بتول کو اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اس کے ساتھ کیسا بی ہیو کرتیں ہیں، لیکن وہ کچھ کہہ نہیں سکتے تھے کہ مبادا کہیں زہرا اسے گھر سے نکال نہ دیں۔

فرحان صاحب کی شفقت سے عشما نے گریجویشن کیا اور اب گھر میں ہر وقت زہرا بتول کے عتاب کا نشانہ بنتی رہتی۔ اب زہرا بتول کی دونوں بیٹیاں ردا اور ندا نے عیشان کی شادی کا پروگرام بنایا اور لڑکیوں کی تلاش شروع کر دی، فرحان صاحب کو لگا کہ عشما سے اچھی لڑکی عیشان کو نہیں مل سکتی، لہٰذا وہ زہرا سے کہہ بیٹھے، ادھر عشما کمرے میں اپنی قسمت پر آنسو بہانے کے سوا کر بھی کیا سکتی تھی۔ عشما ہو بہو سدرہ کی کاپی تھی، عادات واطوار میں، محبت کرنے والی، ملنسار، اپنی پرواہ کیے بغیر دوسروں کا خیال کرنے والی، پرکشش گندمی رنگت پر بڑی بڑی آنکھیں اور لمبے سیاہ بال اسے سب سے نمایاں کرتے تھے جبکہ ردا اور ندا رنگ وروپ میں زہرا کی کاپی تھیں، لیکن بونا قد اور موٹے جسم نے ان سے خوبصورتی چھین لی تھی، اپنی ماں کی طرح بیٹھ کر کھانے والی اور حکم چلانے والی ردا اور ندا تنک مزاجی میں بھی ماں کو مات دے گئی تھیں۔ جب سے فرحان صاحب کے منہ سے عشما کا سنا تب سے ہی زہرا بتول کو عشما اور کھٹکنے لگی اور انہوں نے آناً فاناً ایک فیصلہ کر ڈالا۔

''عمران! میں نے اپنی بیٹی کے لیے (عشما) ایک بہت اچھا رشتہ ڈھونڈ لیا ہے، وہ بہت جلدی شادی کرنا چاہ رہے ہیں''۔ زہرا بتول نے مکاری سے عمران سے فون پر بات کی۔

''ٹھیک ہے بھابی! آپ نے اسے پالا ہے، آپ ہی اس کا اچھا رشتہ دیکھ کر اوکے کر دیں، عشما تو مجھ سے بات نہیں کرتی، بس روتی رہتی ہے، مجھ سے اس کا رونا برداشت نہیں ہوتا، اچھا ہے اسے شوہر کی سنگت ملے گی تو مجھے کم سے کم یاد کرے گی، آپ اس کی شادی کا انتظام کریں، میں ایک خطیر رقم آپ کے اکاؤنٹ میں بھیج دوں گا، اب اجازت دیجیے، اللہ حافظ! بھائی کو میرا اسلام کہیے گا''۔ عمران نے سہولت سے کہہ کر فون بند کر دیا اور زہرا بتول عیاری سے مسکرا دیں، کچھ دن بعد عشما کو ایک بہت بری خبر سننے کو ملی کہ عمران صاحب کی ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی، اس خبر نے عشما کے حواس باختہ کر دیئے، باپ کا نام ہی بہت تھا اس کے لیے، اب وہ ٹوٹل دوسروں پر تھی، فرحان صاحب عشما کو گلے لگا کر رو پڑے، لیکن عشما اپنے غم کا اظہار گرتے آنسوؤں سے بھی نہیں کر پا رہی تھی، آج وہ اپنے آپ کو ایک ایسی تیز دھوپ میں کھڑا محسوس کر رہی تھی جس میں اسے اپنا آپ جلتا اور پگھلتا محسوس ہو رہا تھا۔

''دیکھا میں تو کہتی تھی کہ یہ منحوس ہے، سارے رشتے کھا گئی''۔ زہرا بتول نے ایک اور برچھی اتارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

''خوف خدا کرو زہرا! تمہارے آگے بھی بچیاں ہیں، تم سب کی موت کی ذمے دار اس معصوم بچی کو ٹھہرا دیتی ہو''۔ فرحان صاحب رنجیدہ سے بولے۔

☆.....☆.....☆

ردا کی نیٹ کی سرگرمیاں بڑھتی جا رہی تھیں، بالآخر ایک دن ردا نے دھماکا کر دیا کہ وہ آذر نامی شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے جو اس کا نیٹ فرینڈ ہے۔ زہرا بیگم نے عزت کے ڈر سے کہ کہیں ردا خود نکاح نہ کر کے آجائے، آذر کو بلا کر ہلکے

پھلکے انداز میں شادی کردی۔ آذر ایک نمبر کا دھوکے باز نکلا، اس کا کام ہی فراڈ کر کے شادی کرنا تھا، وہ ردا کا سارا زیور لے کر اور طلاق نامہ خاموشی سے اس کے پرس میں رکھ کر کہاں گیا، کچھ پتہ نہ چل سکا، شادی کے دو دن بعد طلاق کا داغ لیے جب ردا گھر کی دہلیز پر آئی تو فرحان صاحب یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے اور خالق حقیقی سے جا ملے۔ اب زہرا بتول کی طرم خانی بے جا من چاہی تربیت کا بھرم خاک میں مل گیا اور انہیں عمران سے عشما کی شادی کے بارے میں جھوٹ بول کر پیسے بٹورنے کی سزا بیٹی کی بربادی اور شوہر کی ناگہانی موت کی صورت میں ملی، آج پہلی بار انہیں احساس ہوا کہ بیٹی کے دکھ، تکلیف ماں باپ کے لیے کیا ہوتے ہیں، انہوں نے تو ثمینہ بیگم اور سدرہ کی روح کو قرار نہ آنے دیا تھا، جب جب عشما روتی ہوگی، سدرہ کی روح تڑپ جاتی ہوگی، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا؟

عدت پوری ہونے کے بعد انہوں نے ردا کا نکاح سادگی سے ایک دو بچوں کے باپ سے کر دیا جبکہ ردا نے بہت واویلا مچایا، لیکن زہرا بتول کو اب اپنی زندگی تنگ لگنے لگی تھی، لہٰذا وہ جلد سے جلد اپنے تمام فرائض سے سبکدوش ہونا چاہتی تھیں، اب عشما سے ان کا رویہ بھی قدرے بہتر ہو گیا تھا، کیونکہ عدت کے دوران جنتی دلجوئی عشما نے کی تھی، اتنی تو ان کی خود سر اولاد بھی نہ کر سکی، ردا کی زبردستی 2 بچوں کے باپ سے شادی پر ندا کو اپنی فکر ستانے لگی کہ کہیں ماں اپنے فرائض کے چکر میں مجھے بھی سولی نہ چڑھا دے، کیونکہ عیشان تو خود اپنے آپ میں مصروف رہتا تھا، وہ کیا بہن کا اچھا برا سوچتا، اسی بری سوچ نے ندا کو باغی کر دیا اور اس نے وہ قدم اٹھایا جو زہرا بتول کی سات پشتیں بھی نہیں سوچ سکتی تھیں۔ ندا اپنا اور زہرا بتول کا سارا زیور اور گھر کی ساری رقم لے کر اپنے موبائل فرینڈ کے ساتھ رات ہی رات میں گھر سے بھاگ گئی اور زہرا بیگم کے منہ پر ایسی کالک ملی کہ وہ عشما سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہیں رہیں، بیٹی کے اس اقدام سے ان کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا اور وہ کومہ میں چلی گئیں، عشما ان کی اور اس گھر کی سلامتی کے لیے دن رات سجدہ ریز رہتی اور ان کی طرف سے خود اللہ سے بڑے بول اور گناہوں کی معافی مانگتی رہتی، آخر کار اس کی تمام ریاضتیں ختم ہو گئیں، جب ایک شام زہرا بتول کے مرنے کی اطلاع ہاسپٹل سے آئی، اب تو عشما کو بھی اپنا آپ منحوس لگنے لگا، اس کی کیفیت دیوانوں جیسی تھی، کیونکہ اپنی اس چھوٹی سی عمر میں ہر ایک خونی رشتہ اس سے جدا ہوتا جا رہا تھا اور وہی خود کو اس دنیا میں سب کو رخصت کرنے کے لیے بیٹھی محسوس کر رہی تھی، ابھی اس صدمے سے عشما سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ عیشان نے ایک اور دھماکا کر دیا۔

"عشما! تم اپنا انتظام کر لو، میں نے اس گھر کا سودا کر دیا ہے اور اب میں اسے سیل کر کے مستقل طور پر دبئی چلا جاؤں گا، تمہارے پاس کل تک کا ٹائم ہے"۔ عیشان نے سفاکی سے کہا اور باہر چلا گیا۔

"عشما! تُو کہاں جائے گی؟ اس بھری دنیا میں تیرا کون ہے جو تجھے رکھے گا؟" عشما نے حد درجہ پریشانی سے سوچا۔

"یا اللہ! میں کیا کروں، کہاں جاؤں، میری تو کوئی دوست بھی نہیں، میں آخر کدھر جاؤں، جہاں میں سکون سے رہ سکوں، اس کے لیے چاہے میں گھر کا کام کاج ہی کیوں نہ کر لوں"۔ عشما جتنا سوچتی اتنا ہی الجھتی جا رہی تھی، رات کس پہر عشما کی آنکھ لگی اسے پتہ ہی نہ چلا، آنکھ تو عیشان کی آواز پر کھلی جو عشما سے کہہ رہا تھا۔

"دوپہر میں وہ لوگ یہاں آ جائیں گے، تم نے اپنا انتظام کر لیا ہے ناں؟"

"پلیز عیشان بھائی! مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا، میں کہاں جاؤں؟ آپ ہی بتائیے میرا اس دنیا میں کون ہے جس کے پاس میں جا کر رہوں؟" عشما نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو کیا تم میرے گلے کا طوق بن کر رہنا چاہتی ہو؟ تمہیں تو امی اپنی زندگی میں ہی نکال دینا چاہتی تھیں، یہ تو میری شرافت ہے کہ میں نے تمہیں اُن کے مرنے کے بعد 4 چھ دن بھی رکھ لیا"۔ عیشان نہایت بدتمیزی سے بولا، آخر کار عشما نے اپنا سامان پیک کیا اور ایک تصویر جو دادی سے لے کر عشما سمیت گھر کے ہر فرد کی شامل تھی، عشما نے جیسے ہی بیگ میں رکھنا چاہی، ردا پر نگاہ پڑتے ہی عشما کے دل میں امید کی کرن جاگی۔

☆.....☆.....☆

"ارے کون ہے جو درواہ دھڑ دھڑ پیٹے جا رہا ہے؟" ردا کی کڑکتی ہوئی آواز عشما کے کانوں میں پڑی۔

"تم..... تم یہاں خیریت؟" ردا نے تیوری چڑھا کر عشما سے کہا۔

"پلیز ردا! عیشان بھائی نے گھر بیچ دیا ہے، میں کہاں جاتی؟ اب میرا اس دنیا میں تمہارے سوا کوئی نہیں"۔ عشما بے بسی سے روتے ہوئے بولی۔

"پہلے ہی کیا دو مصیبتیں میرے لیے کم تھیں جو اب تم بھی چلی آئیں؟" ردا نے بدتہذیبی کی حد ختم کر دی۔

"پلیز ردا!" ابھی عشما ردا سے التجا ہی کر رہی تھی کہ دھڑ سے دروازہ کھلا، عشما اور ردا کی نظریں دروازے پر اٹھ گئیں، ردا کا شوہر خاور اندر داخل ہوا، اندر آتے ہی اس کی نگاہ عشما پر پڑی تو بڑی خوش اخلاقی سے بولا۔

"ارے، ارے سالی صاحبہ آئی ہیں، ردا! کچھ خاطر مدارت بھی کی ہے ان کی؟" عشما نے خاور کو دیکھ کر اپنے گرد چادر صحیح کی، کیونکہ خاور کی نگاہوں میں ایک ہوس اور عورت کو نظروں سے چھلنی کرنے والی خصوصیت تھی، یہ سنتے ہی ردا کی تیوریوں پر مزید بل آ گئے اور میاں سے تنک کر بولی۔

"یہ ہمارے ساتھ رہنا چاہتی ہے"۔ ردا کے منہ سے یہ بات سنتے ہی خاور کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی اور بولا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ عشما ہمارے ساتھ اس گھر میں رہے"۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟ تم سے اپنے دو بچے تو پل نہیں رہے، اسے کہاں سے کھلاؤ گے؟" ردا نے اپنے مخصوص جاہلانہ انداز سے خاور سے کہا۔

"ہاں، ہاں کیوں نہیں کھلاؤں گا، اگر تم کہو تو.....!" یہ کہہ کر خاور نے ردا کو دوسری طرف آنے کا اشارہ کیا۔

"ارے تُو تو بیٹھے بٹھائے رانی بن جائے گی، اگر یہ عشما اس گھر میں رہنے لگی"۔ خاور نے نہایت مکاری سے ایک آنکھ دبا کر ردا کو الگ لے جا کر کہا۔

"وہ کیسے؟" ردا نے ناسمجھی سے کہا۔

"بھئی فری کی کام والی مل رہی ہے، صاف صفائی سے لے کر یہ ہمارے بچوں کو بھی سنبھال لے گی، اور تم مہارانیوں کی طرح حکم چلا کر اس سے سارے کام دو وقت کی روٹی کے بدلے لے سکتی ہو"۔ خاور کے شاطرانہ دماغ کی ردا نے بھی داد دی، ادھر عشما کو دونوں میاں بیوی کی کھسر پھسر سے گھبراہٹ ہونے لگی۔

"میں بس کچھ دنوں بعد کوئی جاب ڈھونڈ لوں گی، تاکہ میں ردا پر بوجھ نہ بن سکوں"۔ عشما تمام معاملات سے بے خبر اپنا آئندہ زندگی کا لائحہ عمل طے کرنے لگی۔

"ٹھیک ہے عشما! تم یہاں رہ سکتی ہو، چونکہ تمہیں تو شروع سے پتہ ہے کہ میں کوئی کام نہیں کرتی تھی، لہٰذا تمہیں اس

گھر کا سارا کام سنبھالنا ہوگا"۔ ردا نے نہایت چالاکی سے بات شروع کی، کام سے کبھی نہ بھاگنے والی عشما نے سادگی سے ہامی بھرلی۔

"ٹھیک ہے، پھر یہ بیگ سامنے کمرے میں رکھ دو، اور گھر کی صفائی کے بعد رات کے کھانے کی تیاری کرلینا"۔ ردا نے بہت احسان مندانہ انداز میں عشما کو بتایا، ادھر خاور کا دل بے قابو ہونے لگا، ہوس کا مارا، پیسے دے کر عورتوں کو پانے والا خاور گھر بیٹھے مفت میں چلتی پھرتی خوبصورت دوشیزہ سے اپنی نظروں کی پیاس بجھا سکتا تھا۔ اس متوسط علاقے میں 80 گز پر بنا قدرے خستہ حالت کا یہ مکان جس میں لگتا تھا برسوں سے کلر نہیں ہوا، جگہ جگہ سے اکھڑا سیمنٹ کا فرش اس گھر کی خستہ حالی کا منہ بولتا ثبوت تھا، دو کمروں اور چھوٹے سے صحن پر مشتمل اس گھر کا کوئی کونہ مکڑی کے جالوں سے خالی نہ تھا، کمروں کے پنکھے دھول مٹی میں اٹ کر کالے ہو چکے تھے، کچن کا بے ترتیب رکھا ہوا سامان دروازوں میں جا بجا کاکروچ، ساتھ ہی دروازے کے اوپر ایسے ہی پڑے ہوئے باسی روٹی کے ٹکڑے، ردا کے پھوہڑ پن کا نمایاں ثبوت پیش کررہے تھے، ابھی عشما گھر کا جائزہ لے رہی تھی اور ساتھ سوچ رہی تھی کہ صفائی کا عمل کہاں سے شروع کیا جائے، دو بچے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئے، نہایت گندے کپڑوں میں ملبوس بچے بھاگتے ہوئے عشما کی ٹانگوں سے لپٹ گئے، عشما کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی اور اس نے صفائی کا عمل ان بچوں سے ہی شروع کردیا، نہا کے صاف ستھرے کپڑوں میں وہ بچے کافی نکھر گئے تھے، ردا نے چونک کر دیکھا اور انجان بن گئی، اب گھر کی صفائی کا عمل شروع ہونا تھا، دو گھنٹے کی انتھک محنت کے بعد 80 گز کے اس گھر سے سلیقہ چھلکنے لگا تھا، کھانا بنانے کے بعد عشما نے سلیقے سے دسترخوان کی جگہ اخبار بچھا کر کھانا لگایا۔ خاور ہر نوالے پر تعریفوں کے پل باندھ رہا تھا، ادھر عشما اس کی اتنی تعریف پر جز بز ہورہی تھی، ردا کے گھر اور بچوں کی حالت کافی بہتر ہوگئی تھی، ہفتہ دس دن میں خاور، عشما کی تعریفیں ردا سے کرتے نہ تھکتا تھا، لہٰذا اپنے شوہر کے منہ سے عشما کی تعریف ردا کو نیلس کرجاتی۔ اب آہستہ آہستہ عشما ردا کو کھٹکنے لگی تھی، کیونکہ خاور کا رجحان اور اس کی باتوں میں عشما کا ذکر ردا کی نیگیٹو سوچ کو بیدار کررہا تھا، حالانکہ ردا نے عشما سے اپنی ماں جیسا انداز اپنایا ہوا تھا، لیکن عشما یہ سب خندہ پیشانی سے برداشت کرجاتی تھی، کیونکہ بس اب یہی اس کا آخری آسرا تھا۔ عشما، خاور کے آنے سے پہلے ہی تمام کام نمٹا کر اس چھوٹی سی کھولی جو عشما کے کمرے کے طور پر تھا، آجاتی تھی، کیونکہ خاور کا انداز عشما کو دیکھتے ہی بدل جاتا، اس کی غلیظ نظروں کی تپش عشما کو جھلسانے لگتی، ردا کو بھی خاور کی نگاہوں کی بے باکی پسند نہ تھی، اب ردا کی یہ کوشش تھی کہ عشما اس گھر سے چلی جائے۔

"عشما! میں کوئی ایسا گھر ڈھونڈ رہی ہوں کہ تم وہاں رہ سکو"۔ ردا نے عشما کی سماعتوں پر دھماکہ کیا، عشما، ردا کی شکل تکنے لگی۔

"ہاں، پورا دن تم یہاں کے کام نمٹا کر خاور کے آنے سے پہلے ہی چلی جایا کروگی، میں نے اپنی ایک دو دوستوں سے بات کی ہے"۔ ردا نے خود غرضی سے کہا۔

"اس ہفتے ضرور تمہارا انتظام ہوجائے گا"۔ عشما سر جھکا کر رہ گئی، اب تھوڑا مطمئن رہنے والی عشما کو ایک نئی سوچ، نئی فکر ستانے لگی کہ اب جانے کون سی منزل پر روانہ ہونا پڑے۔

☆.....☆.....☆

چند دن ہی گزرے تھے کہ ایک رات عشما کو اپنے ہاتھ پر کسی کا لمس محسوس ہوا، عشما چونک کر اٹھ گئی، چونکہ اس چھوٹی سی بیٹھک جس میں عشما رہتی تھی کا دروازہ نہ تھا، نجانے کب سے گھات لگا کر بیٹھنے والے خاور کو آج موقع مل گیا، اس نے جوں ہی عشما کے ہاتھ اپنے ہاتھ سے لگانے چاہے عشما کی آنکھ کھل گئی اور یہی وہ گھڑی، یہی وہ لمحہ تھا جو عشما کی زندگی کو طوفانوں کی زد میں لے گیا، پیچھے کھڑی ردا نے جو یہ منظر اپنی آنکھ سے دیکھا تو چیخ ہی پڑی۔

"ڈائن! تو یہ وجہ ہے تیرے یہاں رہنے کی؟" ردا نے قریب آکر عشما کے بال نوچ ڈالے، تکلیف اور ذلت کے احساس نے عشما کی آنکھوں میں کانٹے بھر دیئے، اپنی چوری پکڑے جانے کی وجہ سے خاور ہکا بکا رہ گیا اور بولا۔

"سوری جانو! مجھے معاف کردو، میں اس بھولی صورت کے بہکاوے میں آگیا"۔

"نہیں میں اسے نہیں چھوڑوں گی، میں بھی تو کہوں کہ اتنے دل سے کون کسی کا گھر چمکاتا ہے؟ تو یہ میری جگہ لینا چاہتی تھی، مجھ سے میرا شوہر اور گھر چھین کر مجھے اپنی جگہ کھڑا کرنا چاہتی تھی، حالانکہ یہ جانتی تھی کہ میں ایک حادثے سے پہلے گزر چکی ہوں، اب پھر یہ مجھے شوہر کا دکھ دینا چاہتی ہے"۔ ردا دیوانہ وار اسے مارتے ہوئے بولی، اتنے رکیک الزام نے عشما کو توڑ کر رکھ دیا، اس کی زبان تو جیسے ساکت ہوگئی، وہ کہے تو کیا کہے اور کس سے اپنی پاکیزگی اور شرافت بیان کرے، ایک طرف سامنے لوٹنے والا کھڑا تھا، تو دوسری طرف مارنے والی، وہ کہے تو کس سے کہے؟

"چھوڑ دو ردا! اسے، ایسی لڑکیاں دوسروں کا گھر تباہ کرتے وقت یہ خیال بھی نہیں کرتیں کہ ان کا رشتہ کیا ہے، میری تعریفوں کا اس نے بہت غلط مطلب نکالا اور مجھے اپنے جال میں بے دام پھنسالیا"۔ خاور نے پینترا بدلا اور نہایت نفاست سے ساری کہانی عشما کے سر پر ڈال دی۔

"نکل جا یہاں سے ابھی اور اسی وقت"۔ ردا نے سفاکی سے اور بے دردی سے عشما کو کھینچتے ہوئے کہا، یہ سنتے ہی عشما کی تڑپتی نگاہ گھڑی پر اٹھ گئی، جو کہ دو بجے کا ٹائم بتا رہی تھی۔

"اس وقت؟" عشما کے کانپتے لب ہلے۔

"ابھی رہنے دو ردا! اس ٹائم یہ کہاں جائے گی، باہر ہلکی ہلکی بارش بھی ہورہی ہے، جب اس کا مناسب انتظام ہوگا تو ہم اسے نکال دیں گے یہاں سے"۔ اپنے مقصد میں ناکامی پر خاور نے چالاکی سے ایک اور موقع لینا چاہا۔

"نہیں، اب میں کوئی اور رسک نہیں لینا چاہتی"۔ ردا نے اٹل انداز میں اپنا فیصلہ سنایا، کچھ ہی لمحوں بعد عشما، ردا کے پاؤں میں بیٹھی گڑگڑا رہی تھی۔

"میں صبح چلی جاؤں گی، پلیز ردا! اتنی رات میں، میں کس کے پاس جاؤں گی، پلیز خدا کے واسطے"۔ عشما جتنا منتیں کرتی ردا اتنی ہی کٹھور ہوتی جارہی تھی، بالآخر ہاتھ سے گھسیٹتی ردا، عشما کو دروازے کے باہر لے جانے میں کامیاب ہوگئی اور اسے باہر دھکا دیتی ردا نے دھڑ سے دروازہ بند کردیا۔ بے آواز روتی عشما گھر سے باہر بارش کی ٹھنڈ سے کم اور خوف سے زیادہ کانپ رہی تھی، اس کا رواں رواں قرآنی آیات کا ورد کررہا تھا، قسمت اسے اس طرح بھی آزمائے گی، یہ عشما نے کبھی سوچا نہ تھا۔ آدھا گھنٹہ گھر کے باہر اس آس پر کھڑی عشما کے جانے کب دروازہ کھلے اور ردا اسے ترس کھا کر اندر بلالے، کسی کسی وقت کتوں کے بھونکنے کی آواز پر عشما کی آدھی جان نکل جاتی، بالآخر عشما کے قدم گلی کی دوسری سمت اٹھ گئے، تھوڑی دور چلتے ہوئے ڈری سہمی عشما کے قدم مسجد کے دروازے کے باہر آکر رک گئے، رات کے سناٹے میں عشما

نے مسجد سے ملحقہ ایک چھوٹا دروازہ بجایا، دو سے تین مرتبہ دروازہ بجانے پر ایک ضعیف سی آواز ابھری۔

"کون؟ کون ہے؟" مسجد کے موذن صاحب نے پوچھا۔

"بابا! دروازہ کھولیے!"۔ عشما کی آواز میں نمی موذن صاحب نے صاف محسوس کی، نسوانی آواز کو سن کر انہوں نے گھڑی پر نگاہ ڈالی تو پونے تین بج رہے تھے، حیرت سے ان کی نیند اڑ گئی، جیسے ہی انہوں نے دروازہ کھولا سامنے کھڑی اس نوجوان لڑکی کو روتا پایا۔

"کون ہو بیٹا تم؟" موذن صاحب نے اس پریشان سی لڑکی کو دیکھ کر کہا۔

"بابا! کیا آپ مجھ پر اس اندھیری رات میں رحم کریں گے، کیا میری بات پر یقین کریں گے؟ میں گھر سے نکالی ہوئی ہوں، میرا اس دنیا میں کوئی نہیں بابا! پلیز آج کی رات مجھے امان دے دیجیے، میں کل صبح خود چلی جاؤں گی"۔ عشما نے روتے ہوئے ہاتھ جوڑے۔

"ارے نہیں بیٹا! اندر آجاؤ، بیٹھو یہاں، تم میری بیٹیوں کی طرح ہو"۔ موذن صاحب نے عشما کو اندر بلا کر رشتے کا اعتبار بھی بخشا، جس سے عشما کی تھوڑی ہمت بندھی اور ڈری سہمی عشما کی حالت قدرے بہتر ہوئی، پھر عشما نے اپنی ساری حیات کی بابت ان کو بتایا، پوری کہانی سننے کے بعد موذن صاحب نے عشما کے سر پر ہاتھ رکھا اور بولے۔

"بیٹا! میرے اس ڈیڑھ کمرے کے مکان میں، میں اور میرا ایک بیٹا رہتا ہے جو کہ کل واپس آئے گا، لیکن میں جب تک تمہارا کوئی معقول انتظام نہ کر دوں، تمہیں اس ظالم دنیا میں اکیلا نہیں چھوڑوں گا، تم ابھی بہت معصوم ہو، تمہیں کچھ نہیں پتہ کہ انسان کے روپ میں شیطان کس کس انداز سے لوگوں کو تباہ کر رہے ہیں، اب تم اطمینان سے سو جاؤ، خدا نے تمہیں بہت محفوظ ہاتھوں میں پہنچا دیا ہے، اور ہاں، مجھے بابا ہی کہنا، مجھے بہت اچھا لگا تمہارے منہ سے بابا سن کر"۔ یہ سب سنتے ہی عشما اب نارمل حالت میں آچکی تھی، اتنی رات میں اس فرشتہ صفت انسان تک پہنچنے کے بعد اب عشما کی آنکھیں اپنے پیارے رب کے لیے تشکر سے چھلک پڑیں۔

☆.....☆.....☆

دوپہر کا ٹائم تھا، عشما صحن میں بیٹھی تھی، بابا مسجد میں تھے کہ اچانک دروازہ بجا۔

"کون ہے؟" عشما نے جھجکتے ہوئے سوال کیا، عورت کی آواز سن کر عبدالکلام چونک گیا۔

"بابا ہیں؟" جواب آیا۔

"نہیں بابا مسجد میں ہیں"۔ عبدالکلام مسجد میں ہی چلا گیا اور بابا کے پاس آکر پوچھا۔

"بابا! یہ ہمارے گھر میں کون ہے؟ کیا ہماری کوئی دور کی عزیز رشتہ دار ہیں؟"

"نہیں بیٹا! یہ ہمارے پاس امانت ہے، ہمیں اس کی بہت حفاظت کرنی ہے اور وہ بس چند دن رہے گی، پھر چلی جائے گی"۔ بابا نے ڈھکے چھپے لفظوں میں عبدالکلام کو بتا کر اصل بات بتانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

"آؤ میں تمہارا تعارف کرا دوں، تاکہ اسے کوئی پریشانی نہ ہو اور ہاں، احتیاط کرنا کہ جب میں گھر میں نہ ہوں تو تم بھی گھر جانے کی کوشش نہ کرنا"۔ موذن صاحب نے حالات کے پیش نظر اپنے بیٹے کو تنبیہہ کی۔

"یہ کیا بابا! میرا گھر، اور کسی غیر کو گھر میں بٹھا کر آپ مجھے جانے سے روک رہے ہیں؟" عبدالکلام نے موذن

صاحب کی باتوں پر جرح کی۔

"میں نے جتنا کہا ہے بس اتنا ہی کرو"۔ موذن صاحب کی آواز میں سختی آگئی۔

"بیٹی! دروازہ کھولو"۔ موذن صاحب نے دروازہ بجا کر آواز لگائی، عشما نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا، سامنے بابا کے ساتھ کسی مرد کو پا کر عشما اپنے آپ میں سمٹ گئی۔

"بیٹی! میں نے کل تمہیں بتایا تھا کہ میرا ایک بیٹا ہے، جو گیا ہوا تھا، یہ عبدالکلام ہے"۔ عبدالکلام کی نظریں جیسے عشما پر ہی ٹک گئی تھیں، پرکشش چہرے پر اتنی معصومیت اور ساری دنیا کا حسن لیے بڑی بڑی کٹورا آنکھیں، اس سے پہلے کسی لڑکی میں اتنی معصومیت اور اتنی بڑی آنکھیں عبدالکلام نے نہیں دیکھی تھیں، مستقل دیکھتے رہنے سے عشما تھوڑا بابا کی آڑ میں ہوگئی، اور بولی۔

"بابا! اگر آپ کی اجازت ہو تو میں گھر کی صفائی اور کھانا بنا دوں؟"

"کیوں نہیں بیٹا! ضرور، آٹھ سال ہو گئے ہیں عبدالکلام کی ماں کے انتقال کو، جب سے اس گھر میں کسی عورت کا نہ تو کوئی قدم آیا ہے، اور نہ ہی عورت کے ہاتھ کا کھانا کھایا ہے، ہم باپ بیٹے جیسے تیسے کھانا بنا کر کھا لیتے ہیں، کیونکہ ہم کسی کا دیا ہوا کھانا کبھی نہیں کھاتے، میں اپنے آپ کو اس کا مستحق نہیں سمجھتا"۔ موذن صاحب بڑے رسان سے بولے۔ صرف دو دن میں عشما نے اس چھوٹے سے گھر کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے اور موذن صاحب بھی عشما کے کھانوں کی تعریف کیے بغیر نہ رہتے، قائل تو دل ہی دل میں عبدالکلام بھی ہو گیا تھا۔ آہستہ آہستہ عبدالکلام کا رجحان گھر کی طرف زیادہ ہو رہا تھا اور یہ بات موذن صاحب پچھلے دو دن سے محسوس کر رہے تھے اور ادھر وہ عشما کو بھی نوٹ کر رہے تھے کہ جب بھی عبدالکلام گھر پر ہوتا تو وہ سہمی سہمی نظر آتی تھی، پھر ایک دن موذن صاحب نے عشما سے بات کرنے کا سوچا اور وہ مسجد سے خلاف توقع اذان دیتے ہی اپنے حجرے نما گھر کی طرف آگئے، حالانکہ کبھی بھی موذن صاحب نے ایسا نہیں کیا تھا، وہ اذان دے کر اور نماز کی ادائیگی کے بعد ہی کوئی کام انجام دیتے تھے، چاہے وہ کتنا ضروری کیوں نہ ہو، اور یہ بات ان کے ہم عصروں اور خاص کر عبدالکلام اچھی طرح جانتا تھا، اسی لیے وہ اپنا ایسا کام جس کا موذن صاحب کو پتہ نہ چلے اسی دوران انجام دیتا تھا، دروازہ کھلا تھا، موذن صاحب حیرانی سے اندر داخل ہوئے، اندر کا منظر دیکھ کر موذن صاحب کی روح تک کانپ گئی۔ سامنے عشما کا روتا چہرہ تھا اور عبدالکلام کی پیٹھ تھی، عبدالکلام نے عشما کے دوپٹے کا آنچل پاؤں سے پکڑا ہوا تھا، اور آستین اونچی کیے ہوئے عبدالکلام جانے کون سے طوفان کی تیاری کیے کھڑا تھا۔ سامنے بابا کو دیکھ کر عشما کی جان میں جان آئی، اور وہ بھاگتی ہوئی بابا کے گلے لگ کر بلک پڑی، اس اچانک افتاد پر عبدالکلام گھبرا گیا، اس کے ذہن و گمان میں بھی نہ تھا کہ بابا اس ٹائم یہاں بھی آسکتے ہیں۔

"وہ..... وہ بابا! میں تو میں..... میں تو بس یہاں.....!" عبدالکلام کے الفاظ موذن صاحب کے اٹھتے قدم کے ساتھ ہی ساتھ چھوڑ گئے، ایک زوردار تھپڑ کے ساتھ ہی موذن صاحب نے کہا۔

"عبدالکلام! آج تُو نے اس امانت میں خیانت کرنے کا سوچ کر مجھے میرے اللہ کی بارگاہ میں ہی نہیں اس بچی کے آگے بھی سر اٹھانے کے قابل نہ چھوڑا، وہ تو جانے کیوں آج اس ٹائم میرے قدم خود بخود اٹھ گئے، شاید میرے اللہ کو ایک بار پھر مجھے اس بچی کا امین بنانا تھا"۔ موذن صاحب کے الفاظ شدت غم اور غصے سے اتنے سخت ادا ہو رہے تھے کہ عبدالکلام

خوف سے پیلا ہو گیا۔

”میں نے تو اسے دنیا کے شیطانوں سے بچانے کے لیے یہاں رکھ لیا تھا، لیکن مجھے کیا پتہ تھا کہ اسے کھائی میں جانے سے بچانے کی بجائے اس اندھے کنوئیں میں دھکیل رہا ہوں، عبدالکلام! یہ تُو نے کیا کیا؟ آج ایک باپ کا مان اور اس دینی علم کی لاج بھی ختم کردی، میں آج بے اولاد ہوتا تو اچھا تھا، میں تجھے کبھی معاف نہیں کروں گا“۔ کہتے ہوئے موذن صاحب کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑا۔ عبدالکلام جانتا تھا کہ بابا کا کہا پتھر پر لکیر ہے اور وہ ابھی غصے میں بھی ہیں اور وہ اس کا گناہ اپنی آنکھ سے دیکھ چکے ہیں، لہٰذا وہ اس کی کسی بات پر یقین نہیں کریں گے، معافی کے لیے اس لڑکی کے جانے تک اسے انتظار کرنا تھا، گال پر ہاتھ رکھ کر عبدالکلام لمبے لمبے ڈگ بھر کر گھر سے جا چکا تھا، خوف سے پیلی پڑتی عشما نے اپنی صفائی کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ موذن صاحب نے اسے ہاتھ کے اشارے سے چپ کرا دیا اور کہا۔

”مجھے کچھ نہ کہنا میری بیٹی! تم پہلے بھی میری نظر میں معصوم اور معتبر تھیں اور آج بھی ہو، بس بیٹا! تم اتنا سمجھنا کہ خالی گھر میں مرد اور عورت کے بیچ شیطان ہوتا ہے، بس بیٹا! وہ شیطان آج عبدالکلام پر حاوی ہو گیا، ہو سکے تو اسے معاف کر دینا“۔ یہ کہہ کر موذن صاحب مسجد چلے گئے، لیکن اب انہیں عشما کی اور فکر ستا رہی تھی، وہ اپنی بوڑھی ہڈیوں میں اتنی طاقت نہیں رکھتے تھے کہ وہ عبدالکلام جیسے لوگوں سے عشما کو زیادہ دیر بچا سکیں، پھر وہ اپنے بڑھاپے کے پیش نظر زندگی کی بے وفائی سے بھی واقف تھے، لہٰذا انہوں نے محلے کی ایک خاتون (جو بیوہ تھیں) سے بات کی کہ وہ عشما کو اپنے ساتھ رکھ لیں، چند دن بعد عشما محلے میں رہنے والی خاتون جو کہ آپا کے نام سے مشہور تھیں، ان کے ساتھ رہنے لگی، اپنی محنت، محبت اور لگن سے جلد ہی عشما، آپا کے دل میں گھر کر گئی۔ آپا محلے کے بچوں کو سپارہ پڑھاتیں تو عشما ان بچوں کو بلا معاوضہ ٹیوشن پڑھا دیا کرتی تھی، اس طرح عشما کے شب و روز مصروف گزرنے لگے، ایک دن آپا نے موذن صاحب سے بات کی کہ کیوں نا عشما کی شادی کردی جائے تا کہ اس ذمے داری کا فرض ادا ہو سکے اور عشما کا ہمارے بعد کوئی مستقل ٹھکانہ ہو جائے، اور وہ آنے والے وقت میں ایک اچھی زندگی، تحفظ اور اطمینان کے ساتھ گزارے۔ موذن صاحب کی حامی ملتے ہی انہوں نے عشما سے اس کی شادی کی اجازت لی، آپا نے بڑی خوش اسلوبی سے عشما کے رشتوں کی تلاش شروع کردی، جوں جوں رشتوں کا سلسلہ شروع ہوا، آپا کی پریشانی بڑھنے لگی، بے اولاد آپا کیا جانتی تھیں کہ اس دور میں مخلص رشتے ڈھونڈنا، ان کی زندگی کا مشکل ترین کام ہوگا، رشتے کے لیے آنے والے لوگ کبھی آپا کے گھر پر نگاہ رکھتے ہوئے یہ گھر لڑکے کے نام کرنے کی بات کرتے، تو کبھی لڑکی کے ذریعے لڑکے کو بزنس کرانے کی بات کرتے، کوئی باتوں باتوں میں زیادہ جہیز کا مدعہ بیان کر دیتا، تو کوئی اپنے جاہل گنوار بیٹے کے لیے اپسرا مانگتا۔ روز روز کی نمائش سے عشما گھبرانے لگی، ریجیکٹ ہونے کے ڈر سے وہ سب کے سامنے جانے سے کترانے لگی، آپا بھی جانتی تھیں کہ معاملہ صحیح نہیں ہے، اس طرح عشما کی دل آزاری ہوتی ہے، لیکن وہ کیا کرتیں؟ معاشرے کے اس دستور کے آگے وہ مجبور تھیں۔ اگر کوئی خالی ہاتھ یا بغیر ڈیمانڈ کے عشما سے شادی کے لیے تیار تھے تو وہ رنڈوے، دو سے تین بچوں کے باپ یا پھر وہ جو بیویوں سے چھپ کر شادی کرتے، وہ لوگ تھے، آپا اس صورتحال سے بہت پریشان ہوئیں، اب انہیں عشما کی ٹینشن رہتی کہ یہ بچی اپنے گھر کی ہو جائے تو شاید اس نیکی کے طفیل ان کی بخشش ہو جائے۔ ایک دن آپا کی دور کی بھانجی آپا کے پاس آئی، آپا ہر کسی سے عشما کی شادی اور رشتہ نہ ہونے کا دکھڑا لے کر بیٹھ جاتیں، سو انہوں نے اپنی اس بھانجی ثمن کو عشما کی ساری

کہانی سنائی، جسے سنتے ہی ثمن کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی، ثمن کا تعلق ایک پوش فیملی سے تھا اور وہ ایک پوش ایریے میں خوب بڑے پیمانے پر پارلر چلا رہی تھی۔

”آپا! اگر آپ برا نہ مانیں تو عشما کو مجھے دے دیں“۔ ثمن نے دور بیٹھی عشما کو پرسوچ انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”لیکن مجھ پر اس بچی کی بہت بڑی ذمے داری ہے، اس کا فرض ادا کرنا ہے، مجھے اس کی شادی کرنی ہے“۔ آپا نے بھی عشما کو دیکھ کر آہ بھری۔

”آپا! میں اسے اس دور کی لڑکیوں کے مطابق بنا دوں گی اور اسے پارلر کا کام بھی سکھا دوں گی تا کہ یہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکے، کسی کی محتاج نہ ہو“۔ ثمن کی یہ بات آپا کے دل کو لگی اور انہوں نے عشما کو ساتھ لے جانے کی حامی بھر لی۔

☆............☆............☆

ثمن دو چار دن ریسٹ کے بعد عشما کو پارلر لانے لگی، چونکہ عشما مذہبی رجحان کی مالک تھی، اس لیے گناہ کی اس بڑی دکان جس میں ہر وقت آئی برو، ویکس، تھریڈنگ اور ہیئر کٹنگ جیسے عمل اس کے ضمیر کو ملامت کرتے تھے، ثمن کے بہت کہنے پر بھی عشما نے اپنے بالوں کو کسی کو چھونے نہ دیا تھا اور آئی برو عشما کی کوئی ایسی نہ تھیں کہ انہیں چہرے کے نقوش واضح کرنے کے لیے تراشا جائے، حد سے زیادہ ماڈ کسٹمرز کو عشما کی مشرقیت نہ بھائی اور انہوں نے ثمن سے اعتراض بھی کیا۔ دو چار لوگوں کے اعتراضات کے بعد ثمن کو لگا کہ عشما کی ذات سے اس کے پارلر کی ساخت متاثر ہو رہی ہے، لہٰذا ثمن نے دارالامان کی ہیڈ مسز ثوبیہ شہاب سے بات کی اور اسے عشما کی ساری ڈیٹیل دیں۔ مسز ثوبیہ جس دارالامان کی ہیڈ تھیں، وہ شہر کا سب سے بدنام دارالامان تھا، اور یہ بات ثمن اچھی طرح جانتی تھی، کیوں کہ وہ اپنی کچھ لڑکیاں دوسرے کاموں کے لیے اکثر ثوبیہ کی خدمت میں پیش کرتی تھیں، جس کا ثمن کو ٹھیک ٹھاک پرسنٹ اتیج بھی ملتا تھا۔ ثمن کا خیال تھا کہ عشما پارلر کے کام کے لیے موزوں نہیں بلکہ وہ اپنی مشرقیت سے جلد ہی دوسروں کو اپنی طرف راغب کر لیتی ہے، اس لیے دو چار دن شور مچانے کے بعد عشما ایڈجسٹ ہو جائے گی۔ عشما کو دیکھ کر ثوبیہ کی آنکھیں چمک گئیں اور وہ ثمن کو ایڈوانس کی صورت میں بھاری معاوضہ دے کر عشما کو اپنے ساتھ دارالامان لے آئیں۔ عشما حیرت سے دیکھتی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی، اسے سجی سنوری لڑکیاں چاروں طرف نظر آ رہی تھیں، یہ سب دیکھ کر اسے کسی طور یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ مجبور، محتاج اور بے سہارا لڑکیوں کا آسرا ہے۔ آفس میں اپنے ساتھ بٹھا کر انہوں نے خاص کر کسی کو عشما کو ساتھ رکھنے کی ہدایت کی، تھوڑی دیر بعد ایک خوبصورت سی لڑکی اندر آئی، اور آتے ہی اس نے عشما کا اوپر سے نیچے تک جائزہ لیا۔

”ان سے ملو، یہ نیلوفر ہیں اور نیلوفر! یہ عشما ہیں، جن کے ساتھ رہنے کے لیے خاص کر میں نے تمہیں چنا ہے“۔ ثوبیہ شہاب کے چہرے پر تعارف کراتے ہوئے بڑی مکروہ مسکراہٹ عشما نے محسوس کی۔

”آج سے یہ تمہارے زیر نگرانی ہے، آج سے دس دن بعد یہ بالکل ہمارے مائنڈ کی ملنی چاہیے“۔ ثوبیہ نے نیلوفر کو ہدایت کی۔

☆............☆............☆

خوبصورت ڈیکوریٹ روم کہیں سے بھی دارالامان کا حصہ نہیں لگ رہا تھا، نیلوفر نے اس کی یہ بات محسوس کر لی اور بولی۔

"یہ روم خاص میرے لیے ہی ہے، پورے دارالامان میں اور کسی لڑکی کا روم ایسا نہیں"۔

"لیکن کیوں؟ کیا آپ یہاں رہنے والی لڑکیوں میں سے نہیں؟" عشما نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تمہارے اس سوال میں بہت سادگی ہے، میں بھی ان میں سے ایک ہوں، بس میری پوزیشن تھوڑی مختلف ہے، یہ میں تمہیں پھر کبھی بتاؤں گی"۔ نیلوفر نے گول مول جواب دے کر بات یہیں ختم کر دی۔

"آج سے یہ میرا اور تمہارا روم ہے، تمہیں کچھ بھی پریشانی ہو، مجھ سے کہنا"۔ نیلوفر نے مسکراتے ہوئے کہا تو عشما نے گردن ہلا دی، عشما بستر پر لیٹی تو ایسا سوئی کہ مغرب کی اذان کے وقت آنکھ کھلی، ہڑبڑا کر اٹھی تو کمرہ خالی پایا، چاروں طرف کمرے کے جائزہ لینے کے بعد ایک دروازہ کھولا تو وہ واش روم ہی تھا، خوبصورت ماربل ٹائلز اور جدید آسائشات سے مزین، واش بیسن سے وضو کرنے کے بعد عشما کمرے میں جائے نماز ڈھونڈ رہی تھی، کافی دیر ڈھونڈنے کے بعد ناکامی کی صورت میں عشما اپنا دوپٹہ بیگ سے نکال کر جائے نماز کے طور پر بچھانے کے بعد ایک بار پھر پریشانی سے قبلے کا رخ سوچنے لگی کہ نیلوفر اندر آ گئی اور عشما کو اس روپ میں دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔

"مجھے نماز پڑھنی ہے، عصر کی بھی قضا ہو گئی ہے، جائے نماز نہیں مل رہی تھی، اور مجھے یہ بھی نہیں پتہ کہ کس رخ پر نماز ادا کریں؟" اچھی طرح سے سر کو ڈھانپ کر نماز کے انداز میں دوپٹہ لیے عشما حیا اور پاکیزگی کا پیکر لگ رہی تھی۔

"جائے نماز تو اس روم میں نہیں ہے، لیکن مجھے اتنا پتہ ہے کہ شاید اس رخ سے نماز پڑھی جاتی ہے"۔ نیلوفر نے نظریں چراتے ہوئے یہ بات کہی، جسے سن کر عشما حیرت سے نیلوفر کو دیکھنے لگی، اپنے آنے والے وقت سے بے خبر عشما کو ذرا بھی اندازہ نہ ہوا تھا کہ وہ کس جگہ اور کن لوگوں کے بیچ آ گئی ہے۔

☆..........☆..........☆

رات کے 2 بجے عشما کی آنکھ کھلی، سوچا کہ تہجد ہی ادا کر لے، جیسے ہی عشما اٹھی نیلوفر کو جاگتا پا کر حیران رہ گئی۔

"کیا کہیں جا رہی ہو اس ٹائم؟" چہرے پر میک اپ کا آخری ٹچ دیتی نیلوفر سے عشما نے پوچھا۔

"یہ تو روز کی روٹین ہے، اس ٹائم تو ہمارا دن ہوتا ہے، لیکن تم کیسے اٹھ گئیں؟" نیلوفر نے سرسری سا عشما کو دیکھ کر کہا۔

"مجھے تو تہجد ادا کرنی ہے، لیکن تمہاری یہ کیسی روٹین ہے، اتنا اچھا تیار ہونے کا اس وقت کیا فائدہ رات کے 2 بجے؟" عشما نے پرسوچ انداز میں نیلوفر کو دیکھا۔

"تم نماز ادا کرو، یہ تمہارے سوچنے کی بات نہیں، آہستہ آہستہ تم سب سمجھ جاؤ گی، ابھی تمہارا نا سمجھنا ہی بہتر ہے"۔ نیلوفر نے اس کا ذہن اپنی طرف سے ہٹایا۔

"میں جاؤں تو دروازہ اچھی طرح سے لاک کر کے بیٹھنا، ویسے تو تمہیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا، لیکن جب تک میں نہ آؤں تم دروازہ نہیں کھولنا"۔ یہ کہہ کر نیلوفر اپنی لمبی ہیل سے کھٹ کھٹ کرتی کمرے سے چلی گئی، عشما کو اس کی کوئی بات سمجھ نہ آئی تو سر جھٹک کر نماز کی ادائیگی میں مصروف ہو گئی۔

☆..........☆..........☆

فارغ بیٹھے بیٹھے عشما کو اب کوفت سی ہونے لگی تھی، جس کا اظہار اس نے نیلوفر سے کیا تو وہ مسکرائی اور بولی۔

"یہ فرصت نہیں نعمت ہے، تمہیں ابھی کام کی نوعیت کا اندازہ نہیں ہے"۔ انٹرکام کی بیل پر نیلوفر نے بات کا سلسلہ

روک دیا۔

"جی میم! میں ابھی آتی ہوں، سنو! میں آفس میں جا رہی ہوں، میم نے بلایا ہے، تم ابھی بیٹھو، پھر آ کر بات کرتی ہوں"۔ نیلوفر نے عشما کو دیکھ کر کہا۔

"نیلوفر! کیا رزلٹ ہے؟" مسز ثوبیہ نے نیلوفر کو بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا۔

"ابھی میں نے کوئی بات نہیں کی"۔ نیلوفر نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا....؟ 5 دن ہو گئے اور ابھی کوئی برین واشنگ شروع نہیں کی تم نے؟" ثوبیہ حیرت و غصے سے چیخ پڑیں۔

"دیکھو نیلوفر! میں نے اسے بہت بھاری معاوضے میں لیا ہے، اس لیے کہ اس کے بھولپن اور مشرقیت مجھے معاوضے سے چار گنا پیسے واپس دے سکتا ہے اور تمہیں پتہ ہے کہ عمر جبران تو ایسی لڑکیوں کے منہ مانگے پیسے دیتا ہے"۔ مسز ثوبیہ نے نہایت مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔ عمر جبران کا نام سنتے ہی نیلوفر کی تیوریوں پر بل پڑ گئے، اپنے غصے کو ضبط کرتی وہاں سے اٹھ گئی۔ آج تک نیلوفر کسی لڑکی کی فیور میں نہیں بولی تھی، لیکن آج نجانے کیوں عشما کے بارے میں وہ اس طرح نہیں سوچ پا رہی تھی۔

"کیوں میں اس لڑکی کو اس دلدل میں گرنے سے بچانا چاہ رہی ہوں؟ کیا مجھے اس کی سادگی اٹریکٹ کر رہی ہے یا اس کا مذہبی رجحان؟ چاہ کر بھی میں اس سے اس بارے میں بات کیوں نہیں کر پا رہی ہوں؟" یہ سوچتے ہوئے جب نیلوفر کمرے میں داخل ہوئی تو عشما کو قرآن پاک پڑھتے پایا، قرآن پاک نیلوفر نے سب کی نظروں سے چھپا کر عشما کو لا کر دیا تھا۔

"یہ کیا تم ہر وقت نماز اور مذہب میں لگی رہتی ہو"۔ نیلوفر نے عشما سے کہا، جسے سنتے ہی عشما نے حیرت سے نیلوفر کو دیکھا اور بولی۔

"کیا کوئی مسلمان بھی ایسی بات کہہ سکتا ہے؟ میں کیا کروں، یہاں کوئی کام ہی نہیں ہے، اور باہر تم جانے نہیں دیتیں، ٹی وی میں دیکھتی نہیں ہوں تو اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟"

"دیکھو دنیا کو غور سے دیکھو، یہ کیا کر رہی ہے، کیا ہو رہا ہے اس میں، تم نے تو کبھی مجھ سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ میں اتنی رات کو تیار ہو کر کہاں جاتی ہوں؟ کون سی ڈیوٹی کرتی ہوں؟ میرے گھر والے کون تھے؟ میں یہاں تک کیسے آئی؟" نیلوفر نے الجھتے ہوئے اسے دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے میں ابھی آتی ہوں یہ آیت ختم کر کے، پھر ہم اچھے دوستوں کی طرح آج سب باتیں کریں گے"۔ عشما نے مسکراتے ہوئے کہا، نیلوفر کسی کام سے باہر گئی تو رات کھانے پر ہی واپس آئی، عشما نے اس کی تھکن کا خیال کر کے ساری باتیں کل پر اٹھا رکھیں۔

"بہت تھک گئی ہو گی نیلوفر! کچھ آرام کر لو"۔ عشما یہ کہہ کر اپنے بستر پر جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ نیلوفر بول اٹھی۔

"کہاں آرام یار! ابھی پھر جانا ہے ڈھائی بجے"۔ نیلوفر سرسری سا کہہ گئی۔

"لیکن اتنا کام کر کے کیا کرو گی؟" عشما نے سادگی سے پوچھا۔

"اپنی صحت کا بھی خیال کرو، جب بیمار پڑ جاؤ گی تو کیسے کرو گی کام؟" اپنے بارے میں کسی کو اتنا فکرمند دیکھنا اور یوں

نصیحت کرنا نیلوفر کو بہت اچھا لگا۔

''او کے بابا! رکھوں گی خیال آئندہ سے، میری بڑی ماں!'' نیلوفر نے ایک ادا سے جواب دیا، جس پر عشما کھلکھلا کر ہنس دی اور نیلوفر اس پیاری سی لڑکی کے چہرے پر ہنسی سے آئی سرخی دیکھتی رہ گئی۔ رات تیار ہو کر نیلوفر نے جاتے ہوئے دروازہ بند کیا تو عشما کی آنکھ کھل گئی، کروٹ لیتے ہوئے عشما نے نیلوفر کا سیل فون ڈریسنگ پر رکھا دیکھا تو فوراً کھڑی ہوگئی۔

''ارے نیلوفر اپنا موبائل تو یہیں چھوڑ گئی، اسے تو پریشانی ہو جائے گی''۔ یہ کہتے ہوئے عشما اٹھی دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھا، موبائل فون اٹھایا اور باہر نکل گئی۔ عشما اندھیرے میں باہر تو نکل گئی، لیکن اسے پتہ نہیں تھا کہ نیلوفر رائٹ گئی ہے یا لیفٹ؟ یہ سوچتے سوچتے عشما لیفٹ مڑ گئی، تھوڑی دور جا کر دیکھتی ہے کہ چند لڑکیاں لائن سے کھڑی ہیں اور سامنے دو چار گاڑیاں ہیں جس میں سے کچھ آدمی ان لڑکیوں کا جائزہ لے رہے ہیں، عشما سوچ میں پڑ گئی کہ وہاں جایا جائے یا نہیں؟ اسی اثنا میں ان آدمیوں میں سے ایک کی نگاہ عشما پر پڑی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے عشما کو اپنے پاس بلایا، ناسمجھی میں عشما اس کی طرف چل پڑی، سامنے سے آتی نیلوفر نے پہلے عشما کو اور پھر سامنے کھڑے لوگوں کو دیکھا تو چیخ پڑی۔

''عشما! وہاں نہیں جانا''۔ آگے بڑھتی عشما کے قدم نیلوفر کی آواز پر رک گئے اور اس نے نیلوفر کو پریشانی سے دیکھا، جو اس کی طرف تقریباً بھاگتی ہوئی آ رہی تھی، پھولتی سانس کے درمیان نیلوفر نے عشما کا تقریباً گھسیٹتے ہوئے رخ موڑا اور کہا۔

''فوراً روم میں چلو''۔ یہ منظر سامنے کھڑے لوگ باآسانی دیکھ رہے تھے، رخ موڑتی عشما کی بل کھاتی چوٹی جو کہ گھٹنوں سے نیچے جا رہی تھی، عمر جبران کی نظروں سے چھپی نہ رہ سکی، عشما پریشانی سے نیلوفر کو اور اس کی کیفیت کو دیکھ رہی تھی، کمرے میں اسے دھکیل کر نیلوفر نے کمرہ لاک کیا اور عشما پر چیخ پڑی۔

''جب میں نے کہا ہے کہ تم کمرے سے نہیں نکلو گی تو تم باہر کیسے آئیں؟'' غصے سے نیلوفر کی آواز لرز رہی تھی۔

''لیکن میں تو تمہارا سیل فون دینے آئی تھی جو تم یہیں بھول گئی تھیں''۔ عشما نے معصومیت سے سیل فون آگے کیا۔

''ختم کرو اپنی معصومیت، تم جانتی ہو ابھی تمہارے ساتھ کیا ہو جاتا؟ وہ لوگ باہر کھڑے ہو کر کیا کر رہے تھے، اوہ.... خدایا! کہیں عمر جبران نے تمہیں دیکھ نہ لیا ہو''۔ نیلوفر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''یہ کون لوگ تھے اور کیا کر رہے تھے نیلوفر! پلیز تم اتنا پریشان کیوں ہو؟'' عشما نے ساتھ بیٹھ کر نیلوفر کا ہاتھ پکڑ لیا، ایک نظر نیلوفر نے عشما کو دیکھا اور کہا۔

''تم بہت خوش نصیب ہو عشما! کہ تم میرے ساتھ ہو، اگر میم تمہیں کسی اور کے ہینڈ اوور کر دیتیں تو تم کب کی بھینٹ چڑھ چکی ہوتیں، تم جانتی ہو یہ لوگ عورتوں کا کاروبار کرتے ہیں، یہاں سے لڑکیاں جاتی ہیں 5,5 ہزار میں بھی اور 50 ہزار میں بھی''۔

''کیا....؟'' یہ سنتے ہی عشما کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے نیلوفر کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''تو کیا تم بھی؟ تم بھی یہی کام کرتی ہو؟''

''ہاں، میں بھی ان میں سے ایک ہوں، یہ تھا میرا کام جس کے بارے میں لاکھ کوشش کے باوجود بھی تمہیں نہ

بتا سکی''۔ نیلوفر نے اس کے سفید پڑتے چہرے سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''لیکن کیوں، کس چیز کی کمی ہے تمہارے پاس جو اس دلدل میں تم اتری ہو؟ کون سی ایسی ہوس ہے جو تمہیں یہ سب کرنے پر مجبور کر رہی ہے، جانتی ہو یہ گھناؤنا کام ہے اور اس کی سزا کیا ہے؟'' عشما کو نیلوفر سے ایسے کام کی توقع نہ تھی، وہ زچ ہوتی پوچھ رہی تھی، جھنجھوڑ رہی تھی نیلوفر کا ضمیر، جو اس نے بہت مدت سے تھپک تھپک کر سلایا ہوا تھا۔

''ہاں، ہاں میں خود اتری ہوں اس دلدل میں اور مجھے معلوم ہے کہ میں گردن تک دھنسی ہوئی ہوں، مرنے کے بعد ہی یہاں سے نکل سکتی ہوں، لیکن میں اپنی بہن کو اس دلدل میں گرتا دیکھ کر خود اسے بچانے اتری تھی، وہ تو بچ گئی، لیکن میں دھنستی چلی گئی، کیا کروں عشما! مجھے کوئی نیلوفر بچانے کے لیے یہاں نہیں بیٹھی تھی، جس کے بھی ہاتھوں میں گئی اس کے لیے کھلونا بن گئی، پھر آہستہ آہستہ میں بھی ان کی صف میں شامل ہو گئی''۔

''تو کیا تم نے بھی ہر آنے والی لڑکی کو کھلونا بنایا؟'' عشما نے نیلوفر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ہاں، ہاں بنایا، اس لیے کہ وہ لڑکیاں خود اپنی عزتیں روند کر آتی تھیں، اپنے گھروں سے بھاگ کر یا پھر پیسے کی ہوس انہیں یہاں تک لاتی تھی، پھر مجھ میں بھی ایک جذبہ انتقام تھا''۔ نیلوفر کے تواتر سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''تو مجھے کس جذبے کے تحت اب تک بچا کے رکھا تم نے، یا پھر کسی بڑی بولی کے انتظار میں تھیں؟'' عشما کی بات سن کر نیلوفر تڑپ اٹھی اور بولی۔

''خدا گواہ ہے عشما! میں تم کو اس آگ میں نہیں دھکیلنا چاہتی، اس لیے کہ تم مجھے پہلے دن سے بہت پاکیزہ اور معصوم لگی ہو اور اتنا تو مجھے بھی تجربہ ہے کہ یہاں تم اپنی ناسمجھی کی بدولت پہنچی ہو، تم میں مجھے اپنی وہ بہن نظر آئی، جسے بچانے کے لیے میں اس غلاظت کے کنوئیں میں گری ہوں، ایک بار پھر مجھے وہ وقت دہرانا ہے جو آٹھ سال پہلے مجھ پر آیا تھا، شاید اسی طفیل میرا رب مجھ سے راضی ہو جائے''۔

''کہاں ہے تمہاری وہ بہن اور وہ یہاں تک کیسے پہنچی تھی؟'' عشما نے سوال کیا۔

''ہم اپنے ماں باپ کی بس دو اولادیں تھیں، ساری زمینیں ابا نے میرے اور بختاور کے نام کرنے کے بارے میں سب کو بتا دیا تھا، ہمارا سوتیلا چاچا نہیں چاہتا تھا ابا اس کے علاوہ کسی اور کو یہ سب زمینیں دے، لہٰذا چچا نے میرے چاچا کو اندھا کر دیا اور اس نے میرے ماں باپ کو مار کر میری بڑی بہن بختاور کا سودا کر دیا، میری بہن بختاور بہت سیدھی تھی، اسے دنیا کی کوئی خبر نہ تھی، اس لیے کہ وہ پڑھی لکھی نہیں تھی اور نہ ہی کبھی گھر سے باہر جاتی تھی، اس کے مقابلے میں، میں میٹرک پاس اور لوگوں کی نظریں پڑھنے والی تھی، میرا چاچا میری بہن کا سودا کر کے وہاں سے بھاگ گیا اور میم کے بندے بختاور کو اٹھا کر یہاں لے آئے، جب مجھے پتہ چلا کہ وہ یہاں ہے میں نے ہر تھانے جا کر ان کے خلاف رپورٹ لکھوانے کی کوشش کی، لیکن میم کا نام سن کر کوئی یہاں ہاتھ نہیں ڈالتا تھا، لہٰذا میں خود یہاں آ گئی، میں نے میم سے ایک ڈیل کی کہ بختاور کو چھوڑ دیا جائے اور اس کی جگہ مجھے رکھ لیا جائے، چونکہ بختاور کے مقابلے میں، میں خوبصورت اور کم عمر تھی اس لیے ان کو یہ سودا مہنگا نہ لگا اور پھر بختاور کے یہاں سے نکلتے ہی میں نے بختاور کا نکاح ایک مزدور پیشہ لیکن عزت دار اور خوددار آدمی سے کر دیا، اب وہ اس کے ساتھ بہت خوش ہے اس سے اس کے دو بہت پیارے بیٹے ہیں، ادھر ہم دونوں کے جاتے ہی چاچا نے زمینوں پر قبضہ کر لیا، جسے میں نے اپنے اثر و رسوخ سے خالی کروا کے اسے بیچا اور اس کے پیسے بختاور

کے نام بینک میں ٹرانسفر کردیئے"۔ آج پھر نیلوفر کے زخم ہرے ہوگئے تھے، اس نے عشما سے وعدہ کیا تھا۔

"میں تمہیں یہاں سے نکال کر رہوں گی"۔ ادھر عمر جبران نے مسز ثوبیہ کو کال کی کہ مجھے وہی لڑکی چاہیے، یہ سنتے ہی مسز ثوبیہ کی باچھیں کھل گئیں، انہیں اندازہ تھا کہ عمر جبران کا خود مانگنے کا مطلب ہے کہ منہ مانگی رقم بٹورنا، انہیں لگا کہ نیلوفر نے یہ سب جان بوجھ کر عشما کو متعارف کرانے کے لیے کیا تھا۔ مسز ثوبیہ کی کال پر اب نیلوفر ان کے ساتھ بیٹھی تھی، نیلوفر نے عشما کو بچانے کے لیے ایک اور چال چلی اور مسز ثوبیہ سے کہا کہ ہم عمر جبران کو جتنا تڑپائیں گے عمر جبران ہمیں اتنے ہی زیادہ پیسے دے گا، کم سے کم عمر جبران کو دس دن اور ٹالا جائے، جس پر مسز ثوبیہ بخوشی راضی ہوگئیں، اور اب نیلوفر کے پاس صرف دس دن تھے عشما کو بچانے کے لیے۔ مسز ثوبیہ کے بندے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے اور لڑکیوں میں بھی ان کی مخبر موجود تھیں، یہ بات نیلوفر اچھی طرح جانتی تھی، وہ عشما کے لیے کسی پر بھروسہ نہیں کرسکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

"اگر ان لوگوں کو پتہ چل گیا کہ تم نے مجھے بچایا ہے تو نیلوفر! کہیں وہ تمہیں نقصان نہ پہنچائیں؟" عشما نے پریشانی سے نیلوفر کو دیکھ کر کہا۔

"تم میری فکر نہ کرو اور بار بار انجام سے نہ ڈراؤ، مجھے سوچنے دو کہ مجھے کرنا کیا ہے"۔ نیلوفر نے عشما کے تیسری بار انجام یاد دلانے پر اسے ڈپٹا۔

"دیکھو عشما! آج رات مجھے جانا ہے، میں صبح تک آؤں گی، لیکن تم روم لاک رکھنا، کیوں کہ آج پھر لوگ آئیں گے اور مجھے یقین ہے عمر جبران ضرور آئے گا، تم کو کوئی لاکھ دروازہ کھولنے کا کہے جب تک میں نہ آؤں تم باہر نہیں نکلنا"۔ چار دن اور گزر گئے، اب نیلوفر کے پاس صرف چھ دن بچے تھے، لیکن نیلوفر اب تک کچھ کر نہیں پا رہی تھی، پھر پانچویں دن آخر کار ایک موقع نیلوفر کو مل ہی گیا اور اس نے عشما کو سمجھایا۔

"یہ ایڈریس تم اپنے پاس ہر وقت رکھو، یہ رمیل رضا کا نمبر اور اس کے گھر کا ایڈریس ہے، میں تمہیں کسی بھی مین سڑک پر اتار سکتی ہوں، باقی اس پتے پر جانا تمہارا کام ہے اور ہاں، یہ بوتل ہر وقت اپنے پاس رکھو"۔ ڈری سہمی عشما نے ایڈریس لیتے ہوئے بوتل کو دیکھ کر نیلوفر سے پوچھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"یہ کلوروفام ہے، اس دنیا میں بہت غلاظت بھرے لوگ ہیں، اگر میرے بعد تمہیں کوئی ایسا ٹکرا جائے جس سے تمہارا بچاؤ ناممکن ہو، تو اس کو اپنے ہاتھوں پر لگا لینا، لیکن ہاں اس کو اپنی ناک سے دور رکھنا، ورنہ تم بے ہوش ہو جاؤ گی، زیادہ تمہیں بس 40 سے 50 سیکنڈ تک اپنے بچاؤ کے چکر میں اس بندے کے ناک کے اردگرد پر ہاتھ رکھنا، پھر تم سیف ہوگی"۔

"لیکن یہ سب میں کیسے کروں گی؟" عشما نے پریشانی سے ماتھے پر سے پسینہ صاف کیا۔

"سب کرسکتی ہو، جب لڑکی پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اپنے بچاؤ کے لیے سب کچھ کرسکتی ہے، تم بھی کرلوگی، ویسے خدا نہ کرے کہ تمہیں اب کوئی ایسا ملے، بس تم ایک دفعہ رمیل کے پاس پہنچ جاؤ اور اسے جا کر بتا دینا کہ مجھے نیلوفر نے بھیجا ہے"۔

"یہ رمیل رضا کون ہے؟" عشما نے نیلوفر سے پوچھا۔

"رمیل رضا ایک شریف لڑکا ہے، خاندانی اور پڑھا لکھا"۔

"وہ تمہیں کیسے جانتا ہے؟" عشما کے اس سوال میں جو بات تھی، وہ نیلوفر اچھی طرح سمجھ گئی تھی، اس لیے مسکراتے ہوئے بولی۔

"رمیل رضا اپنے باپ سے بدلا لینے اور انہیں تکلیف پہنچانے کے لیے ہم جیسی لڑکیوں کو گھر پر بلاتا ہے، لیکن وہ انہیں چھونا بھی گناہ سمجھتا ہے، کمرے کے اندر وہ اس لڑکی کو چھوڑ کے دوسرے دروازے سے نکل جاتا ہے، یہ بات اس کا باپ نہیں جانتا، وہ صرف ایک رات رکنے کے پیسے دیتا ہے اور کچھ نہیں، میں نے بہت سوچ سمجھ کر اسے تمہارے لیے چنا ہے، تم اس کے پاس محفوظ رہو گی، یہاں کی کوئی لڑکی اس کے پاس جانا بورنگ سمجھتی ہے، لیکن میری اس سے اچھی بات چیت ہے، وہ میری کہانی اور مجھے اچھی طرح جانتا ہے، وہ تمہاری ضرور مدد کرے گا، آج میرے ساتھ محبوب جائے گا، محبوب میں بے وقوفی بہت ہے، میں محبوب کو کسی کام سے آگے پیچھے کروں گی، تم گاڑی کی ڈگی میں بیٹھ جانا، اس لیے میں جاتے ہوئے کوریڈور کی لائٹ صرف 1 منٹ کے لیے بند کروں گی، اس دوران تمہیں کمرے سے سامنے مین گیٹ تک دوڑ لگا کر ڈگی تک آنا ہے، اور آ کر گاڑی کی سائیڈ میں چھپ جانا ہے، جب میں محبوب کو کام سے بھیجوں گی اس وقت تم خاموشی سے ادھ کھلی ڈگی میں گھس جانا"۔ سب کچھ پری پلان تھا، عشما دل ہی دل میں بہت ڈری ہوئی تھی، وہ نیلوفر کے گلے لگ کر تشکر سے رو پڑی، ادھر نیلوفر اپنے ربّ سے بہت دل سے عشما کے لیے دعائیں کر رہی تھی، حالانکہ نیلوفر جانتی تھی کہ اگر وہ پکڑی گئی تو اس کا کیا انجام ہوگا، لیکن اس نے انجام کی پرواہ کیے بغیر اپنی زندگی کی سب سے بڑی پلاننگ انجام دے دی تھی، سب کچھ پری پلان ہو رہا تھا، عشما گاڑی کی ڈگی میں بیٹھی گاڑی رکنے کا انتظار کر رہی تھی، مین روڈ پر چلتی گاڑی سے نیلوفر جائزہ لیتی رہی کہ کہاں گاڑی روکے، آخر کار تھوڑا سناٹے والی جگہ جہاں کچھ درختوں کا جھرمٹ تھا، نیلوفر نے محبوب سے کہا۔

"گاڑی روکو!" گاڑی رکتے ہی نیلوفر نے محبوب سے کہا "مجھے واش روم یوز کرنا ہے، وہ تھوڑی دور ہی گھر بنے ہیں وہاں سے پتہ کرو کہ مین واش روم یوز کرلوں، چاہے وہ پیسے لے لیں"۔ جبکہ نیلوفر جانتی تھی کہ وہ پوش ایریا ہے، وہ کبھی بھی چلتے پھرتے غیر لوگوں کو گھر میں آنے نہیں دیں گے، پھر نیلوفر نے محبوب سے کہا۔

"تم آگے آگے چلو میں گاڑی لاک کر کے تمہارے پیچھے آ رہی ہوں"۔ تاکہ محبوب کو کوئی شک نہ ہو، محبوب تھوڑا آگے گیا تو نیلوفر نے اپنی پلاننگ کے مطابق ڈگی کو تھپتھپایا اور محبوب کے پیچھے چل پڑی، حالات کے پیش نظر کسی نے محبوب اور نیلوفر کو اندر نہ آنے دیا، پھر بھی دو تین گھروں سے پوچھا، پھر جب نیلوفر کو یقین ہوگیا کہ اب عشما ہم سے دور جا چکی ہوگی، تو نیلوفر، محبوب کو لیے واپس آ گئی اور گاڑی میں کچھ اطمینان سے بیٹھ گئی اور اپنی منزل پر چل پڑی، ادھر عشما بھاگتے بھاگتے تھک سی گئی، چھوٹے سے پرس میں جس میں نیلوفر نے اس کے لیے موبائل اور کچھ پیسے رکھ دیئے تھے نکالا اور ایک رکشے والے کو وہ ایڈریس دیا، رکشہ عشما کو ایک خوبصورت بنگلے پر اتار کر جا چکا تھا، بیل بجانے پر چوکیدار آیا اور اس نے عشما کا اوپر سے نیچے تک کا جائزہ لیا۔

"مجھے رمیل رضا سے ملنا ہے"۔ عشما نے دبی دبی آواز میں چوکیدار سے کہا۔

''کون ہے یہ لڑکی، نکالو یہاں سے اسے، تباہ کردیا ان لوگوں نے رمیل کو''۔ چوکیدار کے پیچھے کھڑے عبید رضا صاحب گرجدار آواز میں چیخے، ایک لمحے میں ان کی آواز سن کر عشما کانپ گئی، کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ دھڑ سے دروازہ بند ہو چکا تھا، چند لمحے ناسمجھی میں کھڑی عشما اپنی بدقسمتی پر بے اختیار رو پڑی، ابھی عشما رو ہی رہی تھی کہ پیچھے سے ہارن کی آواز پر اچھل گئی، چوکیدار نے دروازہ کھولا اور قریب آتی گاڑی کے پاس جا کر رمیل کو بتایا۔

''یہ آپ کا پوچھ رہی ہیں''۔ یہ بات سن کر عشما کی جان میں جان آئی اور قریب آ کر اس نے رمیل سے کہا۔

''مجھے نیلوفر نے بھیجا ہے''۔ نیلوفر کا نام سن کر رمیل نے عشما کا جائزہ لیا اور کہا۔

''لیکن جب مجھے ضرورت ہوتی ہے، میں خود ارینج کر لیتا ہوں، نیلوفر نے اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں کیا''۔ جب کافی دیر گاڑی اندر نہیں آئی تو عبید صاحب سمجھ گئے کہ یقیناً اس لڑکی نے رمیل کو روکا ہوا ہے۔

''خبردار رمیل! یہ لڑکی اندر نظر نہیں آنی چاہیے''۔ عبید صاحب باہر نکل کر بولے۔

''تم اندر آؤ''۔ یہ کہہ کر رمیل نے اندر پورچ میں گاڑی کھڑی کی اور عبید صاحب سے بولا۔

''میں نے دس دفعہ آپ کو منع کیا ہے کہ میرے معاملات میں آپ انٹرفیئر نہیں کریں، میرے معاملات سے دور رہیں''۔ چبھتے ہوئے لہجے میں رمیل کو یوں باپ سے بولتا دیکھ کر عشما کو رمیل میں عیشان کی جھلک نظر آئی۔

''انہیں میرے روم میں بھیجو''۔ ضدی، اڑیل سا رمیل کر موبابا سے کہتا ہوا جا چکا تھا اور ادھر عبید اور کر موبابا کی کاٹ دار نظر عشما کو ذلت کے گڑھے میں دھکیل گئی۔ وہ بھی عشما کو ان ہی لڑکیوں میں سے ایک سمجھ رہے تھے، خوبصورت انداز میں ڈیکوریٹ بیڈ روم کو ابھی عشما دیکھ ہی رہی تھی کہ سامنے ایک دروازہ اوپن ہوا اور رمیل رضا جو کچھ دیر پہلے سوٹ میں تھا، اب گھر کے ایزی ڈریس میں بلیک ٹی شرٹ اور جینز پہنے چھ فٹ کا لمبا چوڑا مردانہ وجاہت کا اعلیٰ شاہکار لگ رہا تھا، اس کے سفید رنگ پر گھنی بلیک ہلکی سی داڑھی اس کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہی تھی۔

''نیلوفر نے کیوں بھیجا ہے تمہیں میرے پاس؟'' رمیل رضا نے اس کی خوبصورت آنکھوں کی توجہ اپنے پاس سے ہٹائی، عشما نے بھی جھینپتے ہوئے چہرے کا رخ موڑا اور کہا۔

''وہ کہتی ہے کہ میں آپ کے پاس سیف ہوں''۔

''ہوں.... کون ہو تم اور کیا اس کے ساتھ کام کرتی ہو؟'' رمیل نے عشما کو دیکھ کر سوال کیا، حالانکہ بھولی بھالی صورت سر سے دوپٹہ اوڑھی عشما کہیں سے بھی رمیل رضا کو اس برائی کا حصہ نہیں لگ رہی تھی، لیکن پھر بھی وہ آئی تو وہیں سے تھی۔

''نہیں، نہیں میں نے کبھی کوئی غلط کام نہیں کیا، جبھی مجھے اس جگہ اور اس ماحول سے نیلوفر نے بچا لیا ہے اور آپ کے پاس بھیجا ہے''۔ عشما نے گھبرا کر اپنی صفائی پیش کی۔

''تم وہاں تک کیسے پہنچیں؟ تم تو کسی شریف گھر کی لڑکی لگ رہی ہو''۔ رمیل نے عشما کا سرتاپا جائزہ لیتے ہوئے کہا، پھر عشما نے اپنی پوری کہانی رمیل رضا کو بھیگی آنکھوں کے ساتھ سنائی کہ وہ وہاں کیسے پہنچی، باہر کھڑے کر موبابا (جو رمیل کے لیے چائے لا رہے تھے) نے سب عشما اور رمیل کی باتیں سنیں، انہیں عشما سے ہمدردی ہوئی وہ اندر چائے رکھ کر چلے گئے، سب باتیں بتانے کے بعد عشما نے سرخ آنکھوں سے رمیل کی طرف دیکھا کہ اب رمیل کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔

''ہوں.... ٹھیک ہے، تم یہاں رہ سکتی ہو، لیکن میرے مطابق تمہیں رہنا ہوگا، مطلب جیسا میں کہوں گا، ویسے ہی چلنا

ہوگا''۔ رمیل بھی اب تھک چکا تھا، یہ سب کھیل تماشے سے، عشما اسے سچی اور معصوم لڑکی لگی اور اپنے باپ سے بدلہ لینے کے لیے ایک پرفیکٹ مہرہ۔

''اس اسٹڈی روم میں تم رہ لینا، لیکن ہاں مجھ سے دور ہی رہنا، میں لڑکیوں میں بے حجابی پسند نہیں کرتا، اور ہاں میں اپنے باپ سے نفرت کرتا ہوں اور تمہیں اس میں میرا ساتھ دینا ہے''۔ رمیل نے عشما کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''لیکن ماں باپ سے نفرت نہیں کی جا سکتی، یہ کیسے آپ.....؟''

''بس، مجھے زیادہ سوال بھی پسند نہیں''۔ رمیل نے عشما کی بات کاٹتے ہوئے کہا، رمیل کی بات پر عشما کا سر جھک گیا۔

''یہاں رہنا میری مجبوری ہے، کم از کم میں اور میری عزت یہاں محفوظ تو ہے، لہٰذا بھلائی اسی میں ہے کہ چپ رہا جائے''۔ عشما جھکے سر کے ساتھ سوچتی رہی، ادھر عبید صاحب پریشانی سے کمرے میں ٹہل رہے تھے کہ رمیل ان کے پاس آیا اور کہا۔

''آج سے یہ لڑکی جس کا نام عشما ہے، یہیں رہے گی، وہ گھر میں کچھ بھی کرے نہ آپ اسے روکیں گے اور نہ کر موبابا''۔

''لیکن کیوں؟ ایک غیر اور انجان لڑکی یہ صحیح نہیں ہے بیٹا! میں مانتا ہوں اور ہزار دفعہ کہہ بھی چکا ہوں کہ میں اپنی گزری زندگی پر شرمندہ ہوں، جس گڑھے میں، میں گر چکا ہوں تمہیں نہیں گرنے دوں گا''۔ عبید صاحب تھکن سے چور لہجے میں بولے تو رمیل ان پر ایک استہزائیہ نگاہ ڈال کر وہاں سے اٹھ گیا اور پھر پلٹ کر روم میں آ گیا۔

''دیکھو.... میری چیزوں کو ادھر ادھر نہیں کرنا، اسٹڈی روم میں، میں کر موبابا کو بھی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگانے دیتا، بس ایک دو دن بعد تم یہاں بیڈ پر لیٹ جانا اور میں، اسٹڈی روم میں اپنی سیٹنگ کر لوں گا''۔ عشما کو اسٹڈی روم میں یوں چادر بچھا کر لیٹتے دیکھ کر رومیل کو کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا، اس لیے اس نے اپنے دوسرے بیڈ کا آرڈر دے دیا تھا، کیونکہ عشما جن ہاتھوں سے بچتی آئی تھی اس وجہ سے عشما چاہتے ہوئے بھی رمیل پر بھروسہ نہیں کر پا رہی تھی، کچھ بھی تھا رمیل ایک غیر شخص تھا، جس کے ساتھ عشما اکیلے رہتے ہوئے کچھ اندر سے سہمی ہوئی تھی، اسے آج بھی موذن بابا کی وہ بات یاد تھی۔

''خالی گھر میں مرد اور عورت کے بیچ تیسرا شیطان ہوتا ہے''۔ بس وہی شیطان کا خوف عشما کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا اور رمیل کی بھی روٹین ایسی تھی کہ وہ رات رات بھر جاگتا رہتا، کبھی لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ جاتا، تو کبھی اسٹڈی روم سے کوئی بک نکال کر پڑھ لیتا، عشما ادھ کھلی آنکھوں سے سب دیکھتی رہتی کہ کب رمیل ٹہلتے ہوئے سگریٹ پیتا ہے، تو کب سونے کی کوشش میں نیند کی گولیاں کھاتا ہے، یہ کھیل دیکھتے دیکھتے کب عشما سوتی اسے پتہ ہی نہ چلتا۔ تین دن سے بند کمرے میں عشما کو اکتاہٹ ہونے لگی، اسے اتنا تو پتہ چل گیا تھا اس گھر میں تین افراد کے علاوہ چوتھا کوئی نہیں ہے، اس دن کے بعد سے عبید صاحب سے عشما کا پھر ٹکراؤ نہیں ہوا تھا، البتہ کر موبابا جب کھانا دینے آتے تو ان سے اس کی سلام دعا ضرور ہو جاتی، روز پابندی سے عشما کو تہجد کے لیے اٹھتا دیکھ کر رمیل نے عشما سے پوچھا۔

''کیا تم پڑھی لکھی ہو؟ کہاں تک پڑھا ہے تم نے؟''

''جی میں گریجویشن ہوں، وہ بھی تایا ابو کی مہربانی سے''۔ عشما نے اپنی عادت کے مطابق نظریں جھکا کر جواب دیا۔

''ہوں.... آگے پڑھنا چاہو گی، میرا مطلب ہے ماسٹرز یا کوئی ڈپلومہ وغیرہ، کیا کرتی ہو پورا دن کمرے میں؟'' آخر کار رمیل کو اس کی تنہائی اور بوریت کا احساس ہوا تو اس نے آگے پڑھنے کی پیشکش کر دی، اسے عشما کی پابندی سے نماز پڑھنے کی عادت اٹریکٹ کرتی تھی، لیکن رمیل نے کبھی اس پر واضح نہیں کیا تھا، اس نے اپنی ماں کے بعد پہلی عورت اتنی صابر، نمازی، پرہیز گار اور حیا کا پیکر دیکھی تھی، اب تھوڑا عشما سے رمیل نے اپنے رویے میں لچک پیدا کر لی تھی، لیکن اس نے عشما کو سختی سے وارن کیا ہوا تھا کہ عبید صاحب سے دور رہے، وہ اگر بلائیں یا بات کرنا چاہیں تو وہ ہرگز کوئی جواب نہ دے۔

☆.....☆.....☆

عشما نے بڑی مشکل سے رمیل سے اجازت لی کہ وہ گھر کے چھوٹے موٹے کام کرنا چاہتی ہے، 5 دن سے ایک ہی سوٹ میں رہتے ہوئے عشما آخر بول پڑی۔

''رمیل صاحب! میرے پاس یہ پیسے ہیں، آپ پلیز ان پیسوں میں مجھے کوئی گھر میں پہننے والا سوٹ لا دیں''۔ عشما کی یہ بات سن کر رمیل پر گھڑوں پانی پڑ گیا، صبح کے نکلے شام میں آنے والے رمیل نے یہ بات تو کبھی سوچی ہی نہیں کہ عشما کو کسی چیز کی ضرورت بھی ہو سکتی ہے، اور نہ ہی اس نے عشما سے پوچھنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

''اب جب عشما کو جائے پناہ دی ہی ہے تو اب یہ میری ذمے داری ہے کہ میں اس کی ضرورت بھی پوری کروں''۔ رمیل یہ سوچتے ہوئے کھڑا ہو گیا اور بولا۔

''دیکھو! میں نے کبھی لڑکیوں کی کوئی شاپنگ نہیں کی، اگر تمہیں کپڑے اور دوسرا ضرورت کا سامان چاہیے تو میرے ساتھ چل کر لے سکتی ہو''۔ رمیل یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''اچھا رہنے دو، میں خود لے آؤں گا، چونکہ تم دارالامان سے ابھی نئی نئی لاپتہ ہو، لہٰذا میم کے بندے تمہاری تلاش میں ہوں گے، میں کسی نئی پریشانی میں پڑنا نہیں چاہتا، شام تک تمہاری ساری چیزیں آ جائیں گی، تم مجھے لسٹ دے دو''۔ کپڑوں کے انتخاب اور کلر کے معاملے میں رمیل کسی سوچ میں الجھ پڑا کہ نا معلوم عشما لائٹ کلر پہنتی ہے یا ڈارک؟ آخر کار رمیل نے کچھ لائٹ کلر اور کچھ ڈارک کلر سوٹ لیے، ضرورت کی چیزیں لیتے ہی وہ ایک موبائل شاپ پر گیا اور عشما کے لیے ایک موبائل بھی لیا، اسے احساس تھا کہ اگر ابھی اس کے پاس موبائل ہوتا تو اسے کپڑوں کے کلر کے بارے میں اتنی دقت نہ ہوتی، حسین ایمبرائیڈری کے کاٹن کے سوٹ عشما دیکھتی رہ گئی اور رمیل سے کہا۔

''کیا یہ میں گھر میں پہنوں؟''

''ظاہر ہے تم سے مجھے ماڈلنگ تو کروانی نہیں ہے''۔ اسے رمیل سے اس جواب کی توقع ہرگز نہ تھی، اتنے اعلیٰ سوٹ دیکھ کر عشما کو کم مائیگی کے احساس نے گھیر لیا۔ اب عشما نے کافی حد تک گھر کا کام سنبھال لیا تھا، کر موبابا کو عشما سے کافی مدد ملتی تھی، اب رمیل کی بکھری چیزیں عشما قرینے سے سامنے ہی رکھ دیتی تھی، تاکہ رمیل کو ڈھونڈنا نہ پڑے، بکھرا ہوا اسٹڈی روم بھی اب بہت سلیقے سے سمٹا رہتا۔ عبید صاحب کے لیے چائے کافی، اب عشما ہی بناتی تھی، لیکن وہ رمیل کے کہنے کے مطابق ان کے سامنے جانے سے گریز کرتی تھی، عشما کی عادات واطوار کو دیکھ کر عبید صاحب کو عشما سے کافی توقعات ہو گئی تھیں کہ شاید رمیل نے عشما سے نکاح کیا ہوا ہے، یا پھر عشما ہی رمیل کو سدھار دے۔

☆.....☆.....☆

''عشما..... عشما!'' غصے سے چنگھاڑتی ہوئی آواز سن کر عشما کے ہاتھوں سے کپ چھوٹ گیا، وہ تقریباً بھاگتی ہوئی رمیل کے پاس پہنچی۔

''میری شرٹ یہاں بیڈ پر رات میں تھی کہاں گئی؟'' رمیل نے کھا جانے والی نظروں سے عشما کو دیکھ کر پوچھا۔

''وہ..... وہ..... میں نے تو گندے کپڑوں میں لانڈری میں بھیجنے کے لیے رکھ دی''۔ اتنا شدید غصہ دیکھ کر عشما کے الفاظ نے ساتھ چھوڑ دیا۔

''تم سے کس نے کہا تھا کہ یہ کپڑے گندے ہیں؟'' رمیل غصے سے عشما کو دیکھ کر دو قدم آگے بڑھا۔

''جب میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاؤ تو پھر؟'' خوف سے پیلی پڑتی عشما کسی سہمی ہوئی ہرنی سے کم نہیں لگ رہی تھی، یوں رمیل کے آگے آنے پر عشما چار قدم پیچھے ہٹ گئی اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بولی۔

''میں ابھی آپ کی دوسری شرٹ پریس کر دیتی ہوں، آپ جب تک ناشتہ کریں''۔ تھوڑی ہمت کر کے عشما نے رمیل کے ہاتھ سے دوسری شرٹ لی اور تیزی سے استری کی جانب بڑھی، رمیل پاؤں پٹختا ہوا ڈائننگ ہال کی طرف بڑھ گیا، اتنا شدید غصہ دیکھ کر عشما کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، جلدی جلدی بوکھلاہٹ میں استری کرتی عشما نے جوں ہی استری کھڑی کی تار پر رکھنے کی وجہ سے استری ڈس بیلنس ہوئی اور پلٹ کر عشما کی کلائی پر جا گری، شدت تکلیف سے ایک سسکی عشما کے منہ سے نکلی اور بند آواز سے عشما روتی چلی گئی، ایک تو رمیل کی ڈانٹ اور دوسری جلنے کی وجہ سے تکلیف نے عشما کو ہراساں کر دیا، پریس کر کے عشما نے شرٹ ہینگ کی اور رمیل کے پاس سے برتن اٹھانے ہی والی تھی کہ رمیل کی نگاہ عشما کی کلائی پر پڑی، جو جلنے کی وجہ سے سرخ ہو کر چھالوں سے ابھر گئی تھی، لیکن غصے میں رمیل کسی کے آگے نہیں جھکتا تھا خاموشی سے نگاہ پھیر لی اور کہا۔

''آئندہ مجھ سے پوچھ کر میرے کپڑے ہٹانا''۔ روئی روئی عشما نے سرخ آنکھوں سے رمیل کی طرف دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔ اس ایک لمحے میں ان خوبصورت آنکھوں میں جانے کیا تھا کہ رمیل اسے دیکھتا رہ گیا اور عشما برتن اٹھا کر چلی بھی گئی۔ آفس آ کر بھی رمیل ڈسٹرب رہا، اسے بار بار عشما کی کلائی اور روتے چہرے کا خیال آ رہا تھا، اسے احساس ہوا کہ اسے اس طرح سے نہیں کرنا چاہیے تھا، بار بار عشما کی آنکھیں رمیل کو ڈسٹرب کرتی رہیں تو رمیل خلاف توقع آفس سے جلدی گھر آ گیا، گھر میں داخل ہوتے ہی عبید صاحب سے سامنا ہوا تو رمیل کی تیوریوں پر بل آ گئے، عبید صاحب جانتے تھے کہ صبح سے رمیل کا موڈ آف ہے، اس لیے بنا کچھ کہے وہاں سے ہٹ گئے، آج ان کی چال میں اسے ایک شکستگی نظر آئی، جس سے رمیل کچھ چونک گیا، آج رمیل کو عبید صاحب کافی بوڑھے اور چپ چپ لگے، خاموش سا رمیل کمرے میں آ گیا، کمرے میں بھی اسے سناٹا لگا، جیسا صبح کمرہ چھوڑ کر گیا تھا بالکل ویسا ہی بکھرا بکھرا کمرہ رمیل کو الجھن میں ڈال گیا، کہیں نہ کہیں اسے بھی عشما کے طریقے اور سلیقے کی عادت سی ہو گئی تھی، چاروں طرف نگاہ دوڑائی کہیں بھی عشما نظر نہ آئی تو وہ کچن کی طرف آ گیا، وہاں بھی عشما کو نہ پا کر رمیل پریشان سا کر موبابا کی طرف آیا اور ان سے پوچھا۔

''بابا! یہ عشما کہاں ہے؟''

''ابھی تو وہ یہیں تھی''۔ بابا نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی، پھر رمیل سے بولے۔

''مجھے بتادو بیٹا! کیا کام ہے؟''

''کچھ نہیں بابا! بس اسے باہر نکلنے نہیں دیجئے گا''۔ یہ کہہ کر رمیل پھر کمرے میں آ گیا، کافی دیر گزرنے کے بعد بھی عشما کی نہ کوئی آواز سنائی دی اور نہ ہی وہ نظر آئی، لاشعوری طور پر وہ عشما کو سوچے جا رہا تھا۔ بالآخر وہ اٹھ کر باہر آ گیا اور راہداری عبور کرتے ہوئے اس کی نگاہ عشما پر آ کر رک گئی، اسٹور روم میں کھڑی عشما جو کہ رمیل کا لایا ہوا پیچ کلر کا ایمبر ائیڈری سوٹ پہنے اور گھٹنوں سے نیچے لہراتے سیاہ بال کھولے کھڑی کوئی البم دیکھ رہی تھی، پشت پر کسی کی دیکھتی نظروں کے احساس سے پلٹی تو رمیل سامنے کھڑا عشما کو دیکھتا رہ گیا، نہائی ہوئی، نکھری نکھری معصوم سی عشما، رمیل کو دیکھ کر جلدی سے دوپٹہ سر سے اوڑھتی گھبرا گئی، لیکن ابھی بھی اس کی کٹورا آنکھوں میں رمیل کے لیے خفگی تھی، جھکی نظروں سے چلتی ہوئی رمیل کے پاس آئی اور پوچھا۔

''آپ کو کھانا نکال دوں، آپ اتنی جلدی کیسے آ گئے؟''

''میں نے کہا تھا نا مجھے سوال کرنا پسند نہیں؟'' رمیل اپنی ازلی ہٹ دھرمی سے بولا، ذلت کے احساس سے عشما کی آنکھ میں آنسو آ گئے اور وہ چلتی ہوئی کچن میں جا پہنچی۔

''میرا کھانا کمرے میں لا دینا''۔ رمیل کہتا ہوا کمرے میں چلا گیا، آج سے پہلے کبھی اتنے لمبے بال رمیل نے نہیں دیکھے تھے۔

''کیا واقعی حقیقت میں بھی کسی کے اتنے لمبے بال ہو سکتے ہیں؟'' کھانا کھاتے ہوئے رمیل نے سوچا۔

''سنیئے! کیا یہ آپ کی امی ہیں؟'' اسٹور روم سے لائی البم عشما نے دکھائی تو رمیل چراغ پا ہو گیا۔

''یہ البم تم نے کیوں نکالا؟ رکھ کے آؤ واپس اسے اور آئندہ اسے ہاتھ نہیں لگانا''۔

''کیسا ہے یہ شخص، کسی کے خلوص کا جواب بھی نرم رویے میں نہیں دے سکتا، آخر اس کی پرابلم کیا ہے، یہ ہر وقت انگارے کیوں چبائے رہتا ہے؟'' عشما یہ سوچتی ہوئی جا رہی تھی کہ سامنے سے عبید صاحب نے عشما کو پکارا اور کہا۔

''یہ البم مجھے دیجئے!'' البم دے کر عشما پلٹی ہی تھی کہ عبید صاحب نے آواز دی۔

''بیٹا! کیا تم دیکھو گی نہیں کہ رمیل کی ممی کیسی تھیں؟'' لفظ بیٹا سن کر عشما نے پلٹ کر عبید صاحب کو حیرانی سے دیکھا، سدا رشتوں اور پیار کی بھوکی عشما کے قدم خود بخود عبید صاحب کی طرف بڑھ گئے۔ عبید صاحب تصویریں دکھا کر اپنے ماضی کی باتیں عشما سے شیئر کر رہے تھے۔ عبید صاحب کے اس رویے سے عشما کی ان سے کافی جھجک ختم ہو گئی تھی، اب وہ رمیل کی غیر موجودگی میں عبید صاحب کا خیال رکھتی، ان کی دوائیں اور کھانا وقت پر دیتی، عبید صاحب اتنی پیاری اور خدمت گزار لڑکی پا کر اب رمیل کی طرف سے تھوڑا پرسکون ہو گئے تھے، ایک دن عشما نے عبید صاحب سے پوچھا۔

''انکل! رمیل کا رویہ آپ سے اتنا خراب کیوں ہے؟ یہ گھر میں اتنا غصے میں کیوں رہتے ہیں، ان میں کیا ایسی بے چینی ہے جو انہیں راتوں کو بھی سونے نہیں دیتی؟'' عبید صاحب نے عشما کی بات سن کر ٹھنڈی آہ بھری اور بولے۔

''اسے بدلے کی آگ سکون نہیں لینے دیتی، اور اس کے مزاج کا اکھڑ پن صرف میری وجہ سے ہے''۔ عشما نے سوالیہ انداز میں انہیں دیکھا تو وہ بولے۔

''ہاں بیٹا! رمیل بہت حساس ہے، اور میں نے کبھی اس پر توجہ نہیں دی، بلکہ اس کی ماں پر بھی، زینب رمیل کی ماں

ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھی، اپنے وقت کی بہت حسین اور خوبصورت لڑکی تھی اور میں ایک بہت بڑے بیرسٹر کا اکلوتا اور بگڑا ہوا بیٹا، ایک دن میں اپنے ایک دوست کی شادی میں گیا جہاں میں نے زینب کو دیکھا، حسین لوگ اور خوبصورت چیزیں میری کمزوری تھیں، زینب کو دیکھتے ہی میں نے ایک لمحے میں اس کی معلومات کروالیں، وہ میرے دوست فرحان کی بہن سائرہ کی کالج فرینڈ تھی، شادی کی اس تقریب میں جس میں ایک سے ایک لباس میں ملبوس لوگ موجود تھے، ان میں زینب ایک جارجٹ کے سوٹ میں بھی پوری محفل میں نمایاں لگ رہی تھی، میرا انٹرسٹ دیکھتے ہوئے فرحان نے سائرہ سے کہہ کر میرا تعارف زینب سے کروایا، زینب ایک مڈل کلاس ہونے کے ناطے مجھ سے بہت جھجک اور شرمیلے انداز میں ملی، بس اس کی خوبصورتی پر فدا ہونے والا عبید رضا اسی محفل میں اپنا دل زینب کو دے آیا، پھر باقاعدہ رشتہ بھجوایا، اکلوتا ہونے کے سبب ماں باپ نے میری پسند میں ہی اپنی خوشی سمجھی اور جب انہوں نے زینب کو دیکھا تو وہ بھی میری پسند کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ یوں زینب میرے گھر کی زینت بن گئی، شادی کے بعد وہ ایک آئیڈیل بیوی اور بہو کے طور پر سامنے آئی، اس نے اپنی سادگی اور معصومیت کے سبب گھر والوں کے دل میں ہی نہیں بلکہ نوکروں کے دل میں بھی اپنی جگہ بنالی تھی، وہ بہت سادہ طبیعت اور بہت زیادہ مذہبی تھی، 4، چھ مہینے گزرنے کے بعد آہستہ آہستہ میرا رجحان ایک مشہور ماڈل سپنا کی طرف ہونے لگا، چونکہ اب زینب اس گھر میں تھی، اس لیے اس کی طرف سے مجھے کوئی فکر نہیں تھی، میں نے اسے کسی شوپیس کی طرح اپنی ملکیت بنالیا تھا جس کی نہ تو مجھے کوئی قدر اور نہ ہی کوئی اہمیت تھی۔ آہستہ آہستہ وہ ماڈل میرے حواسوں پر چھاتی گئی اور میں گھر اور زینب کی طرف سے لاپرواہ ہو گیا تھا، اگر میں گھر میں بھی ہوتا تو اس سے الجھتا رہتا، اسے اس سوسائٹی میں موو نہ ہونے اور مڈل کلاس گرل کا طعنہ دیتا، اس کے اس قدر مذہبی رجحان سے مجھے چڑ ہونے لگتی، میں جو کلی کلی منڈلانے والا بھنورا اپنے باپ کے محنت سے کمائی جانے والی آمدنی پہلے سپنا اور پھر اس کے بعد بازار حسن کی سب سے مہنگی نائیکہ پائل پر لٹانے لگا، میں نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ زینب جو کہ اب میرے بچے کی ماں بننے والی ہے اس کی بھی کوئی فیلنگز ہیں، لیکن میں دل پھینک شخص لڑکیوں کو لباس کی طرح بدلنے لگا، اپنی جنت چھوڑ کر جہنم پیسہ دے کر خرید رہا تھا، پھر ہمارے گھر رمیل پیدا ہوا، میں بہت خوش تھا اور میرے ماں باپ جنہوں نے اب تک زینب کو سنبھالا ہوا تھا رمیل کی پیدائش پر انہوں نے بہت بڑا جشن منایا۔ بیٹا ہونے کے ناطے رمیل میرا بھی مان تھا، پھر آہستہ آہستہ میرے شب و روز ایسے ہی گزرتے گئے، پہلے پاپا اور پھر میری مما کا انتقال ہو گیا، اب تو میں اور آزاد تھا، رمیل چھ سال کا ہو گیا تھا، جب بھی مجھے زینب سمجھاتی میں چراغ پا ہو جاتا، پھر آہستہ آہستہ میں نے زینب پر ہاتھ بھی اٹھانا شروع کر دیا، ایک دن مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ زینب کو برین ٹیومر ہے، یہ جانتے ہوئے بھی میں انجان بن گیا اور اس کے علاج میں کوتاہی کی، رمیل بچپن سے ہی ماں کے قریب تھا، وہ جب بھی مجھے اور زینب کو لڑتا دیکھتا تو سہم جاتا تھا، اس کے سہمے ہوئے انداز کو دیکھ کر زینب سب بھول بھال کر اس میں لگ جاتی تھی کہ اس پر کوئی غلط اثر نہ ہو، اور مجھے اس کی [illegible] اور اسے رمیل کے سامنے ٹارچر کرتا کہ وہ کچھ کہہ بھی نہیں پاتی تھی، اس نے کبھی مجھ سے رمیل کو بددل [illegible] رمیل مجھے بچپن سے ایسے ہی انداز میں دیکھتا رہا تھا، اس لیے وہ مجھ سے بہت بدظن تھا، پھر ایک دن زینب کے سر میں شدید درد اٹھا، اور ادھر میں نے مشہور فلمسٹار کے ساتھ تین دن اسلام آباد میں رہنے کا انتظام کیا ہوا تھا، زینب تڑپتی رہی اور میں بے حس بن کر اسے چھوڑ چھاڑ اسلام آباد چلا گیا، رمیل نے بھی مجھے روکنے کی بہت کوشش کی، لیکن میں نہ رکا، آخر کار سب نوکر مل کر

زینب کو ہاسپٹل لے گئے، جہاں زینب نے میرے انتظار میں تیسرے دن دم توڑ دیا، اس وقت رمیل 13 سال کا سمجھدار بچہ تھا، ماں کو یوں مرتا دیکھ کر رمیل بیہوش ہو گیا، ڈاکٹر کے مطابق رمیل کے ذہن پر زینب کی موت کا بہت گہرا اثر ہوا تھا، جب زینب کے مرنے کی اطلاع آئی، مجھے اس حد تک توقع نہیں تھی، میرے اندر کے انسان نے مجھ پر بہت گھونسے برسائے کہ یہ میں نے کیا کیا، زینب کے جاتے ہی اس گھر کی ساری خوشیاں برکتیں سب ختم ہو گئیں، جب زینب کے مرنے کی اطلاع آئی تھی تو مجھے ایک دھچکا سا لگا تھا، بس اسی غم کا فائدہ اس فلمسٹار نے اٹھایا اور مجھے تسلی دیتے ہوئے میری آدھی سے زیادہ پراپرٹی اور شیئرز اپنے نام کروالیے، زینب کے بعد جب میں ہوش میں آیا تو دوسرا شاک یہی تھا کہ میرے پاس اس بنگلے اور چند شیئرز کے علاوہ کچھ نہیں بچا تھا، لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی اور ادھر رمیل کا اس دن سے یہی حال ہے کہ وہ میری شکل دیکھ کر اپنی ماں کو یاد کرتا ہے، اور مجھ سے شدید نفرت کا اظہار کرتا ہے، لیکن بیٹا! میں اس نفرت کا مستحق ہوں، میں اسی قابل ہوں، بس اب وہ میری طرح لائف گزار کر مجھے اذیت میں مبتلا رکھنا چاہتا ہے، لیکن میں اسے کیسے کھائی میں گرنے دوں؟ خدا گواہ ہے کہ اب میں نے سچے دل سے توبہ کر لی ہے اور میں دن رات زینب سے بھی معافی مانگتا ہوں، لیکن مجھے یہ لگتا ہے کہ جب تک رمیل مجھے معاف نہیں کرے گا زینب بھی مجھے معاف نہیں کرے گی"۔ یہ کہہ کر عبید صاحب روتے چلے گئے اور عشما یہ سوچ کر ان کے پاس سے اٹھ گئی کہ کیا کہے۔

☆.....☆.....☆

"اس کا مطلب رمیل کا ردعمل ان کے ساتھ دانستہ نہیں، وہ اس کے بچپن کا اُبال ہے، اس کی شخصیت عبید صاحب کی حرکتوں کی وجہ سے اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے، وہ اندر سے ایک اچھا انسان ہے، بظاہر وہ ان کے لیے ایسا بنتا ہے، جبھی تو نیلوفر نے میرے لیے رمیل کا انتخاب کیا، وہ واقعی بے مثال ہے ورنہ اتنے دن کوئی لڑکی کسی غیر کے روم میں رہے، کم سے کم وہ اسے دیکھ تو سکتا ہے"۔ لیکن رمیل کو عشما نے کبھی ایسا نہیں پایا، اگر وہ راتوں کو بھی جاگتا تھا تو اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔

کئی دن سے عشما نوٹ کر رہی تھی کہ عبید صاحب بہت چپ چپ رہنے لگے ہیں، ایک دن عشما نے ان سے کہا۔

"کیا بات ہے، آپ آج کل اتنے خاموش کیوں رہتے ہیں؟"

"بس بیٹا! گھبراہٹ ہونے لگی ہے، جب میں اپنے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھ سے زیادہ بدنصیب اس دنیا میں کوئی باپ نہیں"۔

"نہیں ایسی بات نہیں، آپ فکر نہ کریں، سب ٹھیک ہو جائے گا، انسان خطا کا پتلا ہے، جب اتنے گناہ کرنے پر اللہ ہمیں معاف کر سکتا ہے تو یہ بندہ کیا چیز ہے؟" عبید صاحب کو یہ بات سمجھاتی ہوئی عشما اپنی عمر سے دس گنا بڑی لگی، اتنی کم عمری میں شخصیت میں اتنا ٹھہراؤ، شاید ہی کسی میں ہو۔ ابھی عشما یہ بات عبید صاحب کو سمجھا ہی رہی تھی کہ رمیل اچانک آ گیا، عشما اور عبید صاحب کو ایک ساتھ دیکھ کر اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے، خاموشی سے پاؤں پٹختا ہوا کمرے میں چلا گیا، عبید صاحب نے عشما کو اس کے پیچھے بھیجا کہ کہیں وہ غصے میں کھانا پینا نہ چھوڑ دے، کمرے میں عشما کو دیکھ کر رمیل چیخ ہی پڑا، کب سے چھپی بات آج سامنے آ گئی تھی کہ عشما عبید صاحب کی کیئر کرتی ہے۔

"تم سے میں نے کیا کہا تھا؟" رمیل کی دہاڑتی ہوئی آواز سن کر عشما کے ہاتھ کانپنے لگے، جو کہ رمیل نے واضح طور پر

دیکھے۔

"میں نے تمہیں کس مقصد سے یہاں رکھا ہوا ہے اور تم ان کی کیئر کر رہی ہو، انہیں سکون پہنچا رہی ہو، تمہیں کیا پتہ وہ کس ٹائپ کے شخص ہیں؟"

"پلیز رمیل صاحب! مانا کہ میں آپ جیسے غیروں کے درمیان رہ رہی ہوں، لیکن مجھے اتنا تو اندازہ ہے کہ کون کس نگاہ سے دیکھ رہا ہے"۔ عشما تنک انداز میں بولی۔

"اچھا تو تمہیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ کون کس نگاہ سے دیکھ رہا ہے؟" یہ کہہ کر رمیل نے قریب آ کر عشما کی کلائی پکڑ کر گرفت سخت کر لی، سختی کی شدت سے عشما کی آنکھ میں آنسو آ گئے، اس نے تڑپ کر رمیل کو دیکھا، آج تک رمیل اس کے قریب بھی نہ آیا تھا، اسے رمیل کے اس انداز کی توقع نہ تھی، پانی سے بھری ان سمندر آنکھوں میں دیکھتے ہوئے رمیل نے کہا۔

"جانتی ہو میں کس باپ کا بیٹا ہوں؟ میرا کیا کیریکٹر ہے؟"

"ہاں، ہاں جانتی ہوں کہ آپ کس باپ کے بیٹے ہیں اور جس ماں کے ہاتھوں تربیت ہوئی ہے اس پاکیزہ اور عظیم ماں کے بارے میں بھی مجھے علم ہے"۔ رمیل کو رمیل کے انداز میں عشما نے جواب دے کر اتنے قریب کھڑے رمیل سے پیچھے ہٹنا چاہا، ماں رمیل کی کمزوری تھی، اس لڑکی کے منہ سے اپنی ماں کے بارے میں سن کر رمیل کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی، اور عشما کا رخ اپنی طرف موڑتے ہوئے بولا۔

"تم کیا جانتی ہو ممما کے بارے میں اور کس نے بتایا؟"

"وہ سب جو آپ اور آپ کی ممما پر گزری اور وہ کتنی پاکیزہ خاتون اور عبید صاحب کتنے عیاش انسان تھے، اپنی عیاشی اور زینب آنٹی کے صبر و عظمت کی داستان خود مجھے عبید صاحب نے سنائی ہے"۔

"کیا.... پاپا نے؟ ہونہہ.... صبر و عظمت.... وہ کیا جانیں یہ الفاظ؟" رمیل نے نفرت و شکستگی سے کہا۔

"نہیں رمیل صاحب! اب وہ اپنی غلطیوں پر پچھتا رہے ہیں، انہیں معاف کر دیں آپ"۔ عشما نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ کی۔

"معافی.... کوئی کیسے اتنی آرام سے معاف کر سکتا ہے؟ مجھے شدید نفرت ہے اور تم کہتی ہو میں معاف کر دوں، جانتی ہو بچپن سے آج تک ہر لمحہ جلا ہوں اندر ہی اندر، اس شخص کی وجہ سے"۔ رمیل طیش میں آتے ہوئے بولا۔

"یہ کہنا بہت آسان ہے، جس پر گزرتی ہے وہی جانتا ہے"۔

"لیکن ہم سب انسان ہیں اور انسان خطا کا پتلا ہے، ہمیں ایک دوسرے کو معاف کرنے میں ہی سکون میسر ہوگا"۔

"ٹھیک.... پر میں جب مانوں گا جب یہ عمل تم پر سے گزرے گا، اور تمہیں آج اندازہ ہوگا کہ جب کوئی کسی کو تکلیف پہنچاتا ہے یا کچھ غلط کرتا ہے تو سامنے والا کس اذیت سے گزر کے معافی تک پہنچتا ہے"۔ یہ کہہ کر رمیل غصے میں مڑا اور کمرے کا دروازہ لاک کر دیا، آستین چڑھا کر اپنی طرف آتا اسے دیکھ کر عشما کا رواں رواں کانپ گیا، جوں ہی رمیل، عشما کے قریب آیا عشما کی آواز تک میں لرزا طاری ہو گیا اور بولی۔

"پلیز رمیل صاحب! میں نے بہت مشکل سے اعتبار کیا ہے آپ پر، اس دنیا پر، میں یہ اعتبار اور آپ کی ذات پر

اعتماد کھونا نہیں چاہتی، میں نے زندگی میں اب تک کوئی سکھ نہیں دیکھا ہے، کوئی رشتہ اپنے پاس نہیں پایا، میں نے غیروں کو اپنا بنایا لیکن ہر اچھائی کے ساتھ برائی تحفے میں ملی، میں نے ہر بزرگ میں اپنے باپ کو ڈھونڈا، ہر لڑکی کو اپنی بہن بنایا، ہر عورت مجھے میری ماں اور دادی جیسی پر شفیق دکھائی دیتی رہی، لیکن ایسا تھا نہیں، کیا میں انسان نہیں، مجھے احساس یا کچھ نظر نہیں آتا، اتنا سب سمجھنے کے باوجود مجھے خاور جیسے عبدالکلام جیسے لوگوں نے نظروں سے تار تار کیا، اتنے کٹھن راستوں سے گزرنے کے بعد آپ پر بہت مشکل سے میں نے ٹرسٹ کیا ہے، آپ پلیز اپنا غلط ارادہ بدل دیں، کسی کو سمجھانے کے لیے ایسی برائی میں اترنا، یہ آپ جیسے لوگوں کو زیب نہیں دیتا، اگر آج آپ کا ہاتھ غلط ارادے سے میری طرف بڑھ گیا تو میں سمجھوں گی کہ میں دارالامان سے یہاں اپنے آپ کو بکوانے کے لیے آئی ہوں"۔ روتی ہوئی عشما کے آج الفاظ بھی اس کے دکھ پر رو رہے تھے، رمیل ٹھٹھک کر عشما کو دیکھے گیا، جانے کیا تھا اس پیاری لڑکی میں کہ رمیل کا دل چاہا کہ اس کے سارے دکھ خوشی میں بدل دے، رمیل کو تھوڑا نرم پڑتا دیکھ کر عشما روتی ہوئی کمرے سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

اب گھر میں مزید تناؤ بڑھ گیا تھا کیونکہ عشما اب رمیل کے سامنے کم ہی آتی اور اگر آتی تو انجان بنی رہتی، رمیل کے تمام معاملات اس کی غیر موجودگی میں عشما بخیر و خوبی انجام دے رہی تھی، باپ کی طرف سے بدگمانی ابھی رمیل کے اندر ویسی ہی موجود تھی جیسے پہلے تھی۔ شب و روز یونہی گزرنے لگے، عشما نے اب مزید کم سے کم کر دیا تھا رمیل کے سامنے جانا اور ادھر رمیل کو اگر کسی دن عشما نظر نہیں آتی اس کے حلق سے کھانا نہیں اترتا تھا، اپنی اس کیفیت پر رمیل حیران و پریشان تھا، کبھی وہ گھر کے ممبر کی حیثیت سے اسے عادت گردانتا تو کبھی اسے سوچنا اپنی ذمے داری سمجھ کر ٹالتا، عشما میں بھی سنجیدگی بڑھتی جا رہی تھی، کیونکہ عبید صاحب کی طبیعت دن بدن خراب ہوتی جا رہی تھی اور انہیں عشما سے ایک آس سی ہو گئی تھی کہ یہ لڑکی میرے اور رمیل کے درمیان نفرت مٹا سکتی ہے، ادھر عشما یہی سوچ کر کڑھتی رہتی کہ رمیل عبید صاحب کی زندگی میں انہیں معاف کر کے اپنے بیٹوں والا فرض ادا کر دے، لیکن رمیل تو ان کی طرف سے ایسا بے حس بنا ہوا تھا کہ اگر ایک دن بھی عبید صاحب سے سامنا نہ ہوتا تو وہ کرموبابا سے ان کے بارے میں پوچھنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا، عشما عبید صاحب کی طبیعت دیکھ کر ہولتی رہتی، آخر کار ایک دن وہی ہوا جس کا ڈر تھا، عبید صاحب کو اٹیک پڑا تو کرموبابا اور عشما ہاسپٹل لے کر بھاگے تھے۔

I.C.U کے باہر بیٹھی عشما کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے، آخر کار عبید صاحب کو ڈاکٹروں نے خطرے سے باہر قرار دیا تو کرموبابا نے ضد کر کے عشما کو ڈرائیور کے ساتھ گھر واپس بھیج دیا کہ کہیں رمیل آ کر پریشان نہ ہو۔ جوں ہی عشما گھر میں داخل ہوئی سامنے رمیل کو کار پورچ میں پریشانی سے ٹہلتے ہوئے پایا، رمیل نے اسے دیکھ کر غصے میں کہا۔

"کہاں گئی تھیں تم اور سیل بھی یہیں چھوڑ کر چلی گئیں، جب میں نے تم سے کہا ہے کہ تم گھر کے باہر نہیں جاؤ گی تو کیسے گھر سے نکلیں؟"

"میں ہی نہیں گھر کے دو افراد اور بھی اس گھر میں نہیں، آپ نے پاپا کا کمرہ دیکھنا گوارہ نہیں کیا؟" زندگی میں پہلی بار عشما نے کسی سے اتنی جرأت سے بات کی تھی۔

"مجھے کسی سے کوئی مطلب نہیں، بس میں نے تمہیں گھر سے نکلنے کو منع کیا ہے تو بس تم گھر سے باہر نہیں جاؤ گی"۔

رمیل غصے سے دھاڑا۔

"آپ جانتے ہیں پاپا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے؟" عشما نے اس کے علم میں لانے کی کوشش کی۔

"وہ مریں یا جئیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، مجھے ان سے نفرت ہے، ان کا نام بھی میرے سامنے مت لیا کرو"۔ رمیل نے انگلی اٹھاتے ہوئے عشما کو وارن کیا۔

"سوری رمیل صاحب! میں اتنی بے حس نہیں، میں کسی کو مرتا تو کیا ذرا سا تکلیف میں بھی نہیں دیکھ سکتی، آپ کو آپ کی اعلیٰ ظرفی مبارک ہو، لیکن جب انہیں میری ضرورت پڑے گی میں جاؤں گی اور رہا سوال نفرت کا تو نفرت کے قابل تو آپ بھی ہیں، آپ میں بھی انہی کا خون دوڑتا ہوا میں دیکھ رہی ہوں، مجھے کہیں سے زینب آنٹی کی تربیت کا ایک قطرہ آپ میں نظر نہیں آ رہا، کل جو وقت زینب آنٹی پر پڑا تھا، آج عبید صاحب پر پڑا ہے، کل جو عبید صاحب نے ان کے ساتھ کیا تھا، آج آپ عبید صاحب کے ساتھ کر رہے ہیں، تو کیا فرق ہے آپ میں اور ان میں؟"

"بس، بس بند کرو اپنی بکواس"۔ رمیل اتنا شفاف آئینہ دکھانے پر دنگ رہ گیا تھا، اس کی اصل حقیقت تو عشما نے آج بتائی تھی کہ وہ واقعی اتنی اچھی تربیت کے باوجود اپنے باپ کا ہی پرتو تھا۔

"بے شک آپ کا میرے اوپر بہت بڑا احسان ہے، جسے میں مرتے دم تک نہیں بھولوں گی، یہاں رکھنا اور میری ذمے داری اٹھانا، جب میں یہ دونوں باتیں سوچتی ہوں تو میں آپ کو بہت اونچائی پر پاتی ہوں، اتنا عزت و احترام ہے میرے دل میں آپ کا، لیکن رمیل صاحب! کسی کو گھٹ گھٹ کے مارنے سے بہتر ہے کہ اسے سکون سے اس دنیا سے رخصت کریں، پلیز میری آپ سے یہ التجا ہے کہ انہیں معاف کر دیں، چاہے اس کے لیے مجھے واپس دارالامان بھیج دیں"۔ یہ کہہ کر عشما سسک پڑی۔

"خبردار! جو دارالامان کا تم نے نام لیا، آئندہ اگر میں نے تمہارے منہ سے یہ بات سن لی تو اچھا نہیں ہوگا"۔ رمیل نے غصے میں دو قدم عشما کی طرف بڑھا کر کہا، لیکن اس وقت رمیل کے غصے میں وہ دم نہیں تھا، عشما سمجھ گئی تھی کہ اس کی باتیں دل پر لگی ہیں، رمیل کو جاتے جاتے ہی عشما نے اسے پکارا اور کہا۔

"صبح پاپا کے پاس مجھے آپ لے کر جائیں گے، تیار رہیے گا"۔ رمیل جاتے جاتے رکا، لیکن کچھ کہہ نہ سکا، رمیل کی ساری رات عشما کی باتیں سوچ سوچ کر گزری، اسے اپنا آپ پاتال میں گرتا ہوا لگا۔

"مما! مجھے معاف کر دیں، جب ساری زندگی سہنے کے بعد آپ پاپا سے نفرت نہیں کر سکیں، تو میں کون ہوتا ہوں، انہوں نے تو کبھی میرے ساتھ غلط بھی نہیں کیا، آج میں جو کچھ ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی وجہ سے ہوں"۔ آج ساری باتیں رمیل نے اپنے آنسوؤں کے ساتھ بہا دی تھیں، صبح بہت اجلی اجلی تھی، بلیک کلر کے نفیس سے سوٹ میں عشما کی رنگت خوب کھل رہی تھی، بالوں کا بڑا سا جوڑا باندھے عشما جب رمیل کے روم میں اٹھانے آئی تو حیرت زدہ رہ گئی، رمیل بالکل ریڈی تھا، عشما کی خوشی کی انتہا نہ رہی تو آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے بولی۔

"تھینک یو رمیل صاحب!" رمیل نے ایک نظر اس کی آنکھوں پر ڈالی، جہاں اسے محسوس ہوا کہ سمندر میں لہریں ٹھاٹھیں مار رہی ہوں، وہ ایک ہی لمحے میں اپنی جون میں واپس آتے ہوئے بولا۔

"یہ روتی بسورتی لڑکیاں مجھے پسند نہیں"۔ ہاسپٹل پہنچ کر رمیل سیدھا عبید صاحب کے پاس گیا جو کہ سو رہے تھے،

کرموبابا بھی حیرت وخوشی سے عشما کو دیکھنے لگے، انہیں پتہ تھا کہ یہ کایا پلٹ عشما کا ہی کمال ہے، بیڈ کے سرہانے بیٹھ کر رمیل نے جوں ہی عبید صاحب کے پاؤں چھوئے دو موٹے موٹے آنسو رمیل کے چہرے سے ڈھلک کر عبید صاحب کا پاؤں بھگو گئے، یہی وہ احساس تھا کہ عبید صاحب سوتے سے جاگ گئے اور رمیل کو اپنے پاس روتا دیکھ کر حیرت انبساط سے اٹھ بیٹھے اور تڑپ کر رمیل کو گلے لگا لیا اور بولے۔

''بس میرے بچے! کچھ نہیں کہنا، تم میرے پاس آ گئے میرے لیے یہی بہت ہے''۔ خوشی سے عبید صاحب کی آواز میں لرزا طاری ہو گیا، عشما ڈاکٹر سے ابھی عبید صاحب کی طبیعت ڈسکس ہی کر رہی تھی کہ نرس بھاگی ہوئی آئی اور ڈاکٹر سے بولی۔

''ڈاکٹر صاحب روم نمبر 9 کی پیشنٹ تکلیف سے بہت شور مچا رہی ہے، آپ کہیں تو نیلوفر کو پین کلر دے دوں؟'' نیلوفر کا نام سن کر عشما چونک گئی۔

''کہیں یہ وہ نیلوفر تو نہیں؟'' یہ سوچ کر عشما بھی ڈاکٹر کے پیچھے چل پڑی، آج عشما بہت شرمسار تھی کہ جب سے یہاں آئی تھی اپنی اس سب سے بڑی محسن کو تو اس نے یاد کرنا گوارا نہیں کیا تھا، پھر اسے نیلوفر کا دیا ہوا موبائل یاد آیا، جو کہ اس نے اپنے سامان کے ساتھ ہی آتے ہی پیک کر کے رکھ دیا تھا۔

''کم سے کم مجھے خبر تو لینی چاہیے تھی کہ میرے بعد نیلوفر کے ساتھ کیا ہوا؟'' دروازہ کھولتے ہوئے روم نمبر 9 کے بیڈ پر پڑی پیشنٹ کو دیکھ کر عشما کی روح جھنجھنا اٹھی۔ ایسڈ کی وجہ سے آدھے چہرے اور گردن کا حصہ جگہ جگہ ہاتھ اور ٹانگوں پر پڑے بڑے بڑے جھلسے ہوئے حصے عشما سے دیکھے نہیں گئے، ایک لمحے میں عشما، نیلوفر کو پہچان چکی تھی، تڑپ کر اس کے ہاتھ چوم لیے، شدید تکلیف میں بھی نیلوفر عشما کو دیکھ کر کھل اٹھی۔

''عشما! تو مجھے بھول گئی نا، مجھے اپنی خیریت کی اطلاع بھی نہیں دی؟ تم نہیں جانتی ہو کہ میں کتنا پریشان ہوئی ہوں''۔ یہ سنتے ہی عشما پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور وہ بولی۔

''ہاں نیلوفر! شروع میں تو میں بہت ڈری ہوئی تھی، رمیل صاحب سے، لیکن اب سب ٹھیک ہے''۔ پھر عشما نے اپنی الف سے ی تک کی ساری باتیں نیلوفر کو بتائیں۔

''لیکن نیلوفر! یہ سب تمہارے ساتھ کیسے ہوا؟'' عشما سے نیلوفر کے زخم دیکھے نہیں جا رہے تھے۔

''ہاں پہلے مجھے بھی یہ تکلیف برداشت نہیں ہو رہی تھی لیکن اب تمہیں اچھے حال میں دیکھ کر یہ تکلیف مجھے منظور ہے''۔ نیلوفر بمشکل بولی۔

''کیا مطلب؟'' عشما کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولی

''ہاں عشما! جب تم یہاں سے گئی تھیں تو میں واپس دارالامان گئی اور پھر میں نے وہاں جا کر شور مچا دیا کہ تمہیں میرے روم سے کون لے کر گیا ہے، تاکہ کسی کو مجھ پر شک نہ ہو، کیونکہ مجھے پتہ تھا کہ میرے روم کے لاک کی چابی صرف میرے علاوہ میم کے پاس ہے، پھر میں نے ان پر الزام لگایا کہ انہوں نے یقیناً عشما کو عمر جہان کے حوالے کیا ہے، خیر اس سے یہ ہوا کہ ان کا شک میری طرف نہیں گیا، میرا رواں رواں تمہارے لیے دعا گو تھا، بہت پریشان تھی کہ نجانے تم پہنچی یا نہیں، اور یہ بھی اچھا ہوا کہ تم نے مجھے خیریت کا کوئی فون نہیں کیا، کیونکہ مجھ پر اور میری تمام ایکٹویٹیز پر نظر رکھی جا رہی تھی، اور پھر

ایک دن وہ ہوا جس کا میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میم کو محبوب کے ذریعے پتہ چل گیا ہے کہ میں اس دن واش روم کے لیے گاڑی سے راستے میں اتری تھی، انہوں میرے اردگرد بہت سختی شروع کر دی تھی، جس پر میں نے احتجاج بھی کیا، لیکن کہتے ہیں نا کہ شکاری بھی کبھی کبھی شکار ہو جاتا ہے، بس انہوں نے ایک ایسا پتہ پھینکا کہ بازی ہی پلٹ گئی، میم نے مجھے ایک دن آلہ بنایا کہ ہم نے عشما کو ڈھونڈ لیا ہے اور اب وہ یہاں نہیں اس کا سودا کر کے وڈیرا اسلم کے پاس بھیج دیا ہے، یہ سنتے ہی میری روح فنا ہو گئی اور میں یہ بات سچ سمجھی، اور وڈیرا اسلم پہلے خود شکار کھاتا ہے پھر بچا کھچا اپنے کتوں کے آگے ڈال دیتا تھا، جب اس کے کتوں کا بھی اس سے دل بھر جاتا ہے تو وہ اسے ٹھکانے لگا دیتے تھے، ہمارے دارالامان کی 5 لڑکیوں کے ساتھ اس نے یہی کیا۔ میری تو ساری محنت ضائع ہو گئی، یہ سوچ کر تمہیں بچانے کے لیے میں جس حد تک جا سکتی تھی گئی، میں میم کے پاؤں میں بیٹھ گئی اور گڑگڑا، گڑگڑا کر ان سے تمہارے لیے بھیک مانگی، پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ عشما کو ایک شرط پر بچایا جائے گا وہ یہ کہ بتاؤ وہ کیسے یہاں سے نکلی؟ پھر میں نے اپنا گناہ قبول کرتے ہوئے انہیں ساری بات بتائی جسے سن کر وہ آگ بگولہ ہو گئیں، اور کہا کہ مجھے پہلے ہی شک تھا، اس لیے تو عشما کے نام پر تم سے یہ جھوٹ بول کر اصل کہانی اگلوائی، پھر انہوں نے مجھ سے یہ پوچھنے کے لیے کہ تم کہاں گئی ہو بھاگ کر، کیا کیا نہیں کیا، میرے ساتھ، لیکن میں تو پھر پتھر کی ہو گئی کہ اب کچھ بھی کر لو مجھے نہیں پتہ کہ وہ کہاں گئی، چھ مہینے کی اذیت دے دے کر وہ اکتا گئے اور پھر انہوں نے یہ حکم دیا کہ نیلوفر کو ایسا کر دو کہ یہاں کی کوئی لڑکی ایسا کچھ کرنے سے پہلے نیلوفر کو سوچ لے، میرا اختتام اس ایسڈ پر کیا اور مجھے کسی سڑک کنارے پھینک دیا گیا، کسی نامعلوم شخص نے مجھے یہاں پہنچایا پھر میں نے اپنی بہن کا اسے پتہ دیا تو اس طرح اب میری بہن ہی میرا سب کچھ کر رہی ہے''۔ یہ سب سن کر عشما کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

''نیلوفر! تم فکر نہ کرو، میں عبید صاحب سے بات کر کے تمہارا علاج کرواؤں گی''۔ عشما تڑپ کر بولی۔

''نہیں عشما! اب اس کا کوئی فائدہ نہیں، ڈاکٹرز نے مجھے جواب دے دیا ہے، اب شاید اس شدید تکلیف میں، میں 10 دن جیوں یا پھر سو دن، کچھ نہیں پتہ، لیکن خدا گواہ ہے عشما! جب تک یہ سانس تھی مجھے یہی آس تھی کہ تمہارے بارے میں کوئی نہ کوئی خیریت ضرور پتہ چلے گی، اب میرا انتظار ختم ہوا، میں بہت خوش ہوں''۔ عشما نے نیلوفر کے ہاتھ چوم لیے اور روتے ہوئے بولی۔

''نہیں نیلوفر! خدا کرے میری زندگی بھی تمہیں لگ جائے، میں تمہیں اتنی جلدی مرنے نہیں دوں گی، میں ڈاکٹرز سے بات کرتی ہوں''۔

''نہیں عشما! تم جاؤ، کیونکہ مجھے ابھی بھی ڈر ہے کہ میم کے بندے یقیناً تمہاری تلاش میں میرے آس پاس ہوں گے کہ شاید تم مجھ سے ملنے آؤ''۔ نیلوفر نے عشما کو ڈرا کر اپنے پاس سے ہٹانا چاہا، لیکن عشما اس کی حالت دیکھ کر اسے چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔

''دیکھو عشما! یہ سب میری محنت ہے، تم اسے ضائع نہ کرو، میری امانت سمجھ کر میں نے اپنے مرنے کے بعد انہی دونوں ہاتھوں سے اپنی مغفرت کی دعائیں سمیٹنی ہیں، اور ہاں رمیل صاحب سے کہو کہ میم سے ڈیل کر لیں، ورنہ یہ لوگ ساری زندگی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے، اگر انہوں نے تمہاری ڈیل کر لی تو تم محفوظ ہو، پھر تمہیں ان کے آدمی تو کیا خود میم بھی دیکھ لیں تو کچھ نہیں ہوگا''۔ نیلوفر کی باتوں سے عشما تھوڑا سہم گئی تھی، پھر زبردستی نیلوفر نے اسے اپنے پاس سے

واپس بھیجا، عشما نے اس سے دوسرے دن آنے کا وعدہ کیا، سامنے آتا عشما کو دیکھ کر رمیل غصے میں آگے آیا، لیکن عشما کا روتا ہوا چہرہ دیکھ کر رک گیا اور کہا۔

"کیا ہوا، کہاں تھیں تم؟ تم جانتی ہو میں کتنا پریشان تھا، پچھلے ایک گھنٹے سے"۔ یہ کہنا تھا کہ عشما کی ہچکیاں بندھ گئیں اور اس دوران وہ بمشکل رمیل کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"پلیز اسے بچالیں، وہ مجھے بچاتے بچاتے خود آگ میں چلی گئی ہے"۔

"کون؟" رمیل ایک لمحے چونک گیا اور عشما کو شولڈر سے پکڑ کر اپنے ساتھ لگالیا اور پوچھا۔

"کس کی بات کر رہی ہو؟"

"نیلوفر، نیلوفر پر ایسڈ ڈال کر اس پر تشدد کیا گیا ہے"۔

"کیا....؟" رمیل اس کی بات سن کر اچھل گیا۔

"تم چلو یہاں سے، اس کا مطلب وہاں کے بندے نیلوفر کے اردگرد موجود ہیں"۔ رمیل تیزی سے عشما کو لے کر گاڑی میں آ بیٹھا اور تیزی سے گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا گھر لے آیا، عشما کا رو رو کر برا حال تھا، رمیل عشما کو سنبھال نہیں پا رہا تھا، اس طرح کی سچویشن بھی اس نے ڈیل ہی نہیں کی تھی، دوسرے دن رمیل نے بہت سمجھا کر عشما کو گھر چھوڑا اور اس سے وعدہ کیا کہ نیلوفر کا علاج اور ڈسچارج ہونے کے بعد اسے گھر لانے کی ذمے داری میری ہے۔

☆.....☆.....☆

آج عبید صاحب بھی ڈسچارج ہونے والے تھے، رمیل نے جھجکتے ہوئے عبید صاحب کو عشما اور نیلوفر کے بارے میں بتایا اور انتظار کرنے کا کہہ کر روم نمبر 9 ڈھونڈنے ریسپشن پر آ گیا، ریسپشنسٹ نے بتایا۔

"وہ لیفٹ ہینڈ پر ہے"۔ پھر وہ اچانک بولی۔

"ایکسکیوزمی، لیکن روم نمبر 9 تو اب خالی ہے"۔ رمیل واپس مڑا اور اس سے کہا۔

"اس میں نیلوفر نام کی پیشنٹ تھیں"۔

"جی تھیں، کل رات ان کی ڈیتھ ہوگئی ہے، صبح ان کی سسٹر انہیں لے جا چکی ہیں، ڈیتھ باڈی صبح تقریباً 6 بجے چلی گئی تھی"۔

"واٹ....؟" رمیل تو سن کر شاکڈ ہوگیا۔ نیلوفر کی ڈیتھ کا اسے بھی دلی افسوس تھا، شکستہ سی چال چلتا ہوا وہ عبید صاحب کے پاس واپس آیا اور انہیں نیلوفر کے بارے میں بتایا۔ اب رمیل کو عشما کی طرف سے فکر لاحق ہوگئی کہ جانے یہ خبر سن کر عشما کیسا ری ایکٹ کرے؟ گھر پہنچا تو سامنے ہی لان میں عشما کو پریشان ٹہلتا ہوا پایا۔ عبید صاحب کے سامنے عشما نے رمیل سے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا اور نہ ہی اسے پتہ تھا کہ عبید صاحب سب جان چکے ہیں، عبید صاحب کو کمرے میں چھوڑ کر رمیل، عشما کے پاس آیا۔ خاموش افسردہ سا وہ عشما کو کسی انجانی گھبراہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔

"عشما! نیلوفر کی کل رات ڈیتھ ہوگئی"۔ رمیل نے عشما کا چہرہ دیکھے بغیر کہا، الفاظ تھے کہ بم، عشما تو تڑپ ہی گئی۔

"یہ.... یہ کیا کہہ رہے ہیں رمیل صاحب! وہ اتنی آسانی سے نہیں مر سکتی، مجھے چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہے وہ؟ اپنے حصے کی تو کیا میرے حصے کی بھی ساری تکلیفیں برداشت کر چکی تھی، اب تو اچھے دن شروع ہوئے تھے، میں نے اس سے وعدہ

کیا تھا کہ میں اسے اپنے ساتھ رکھ لوں گی، پھر بھی نجانے کیوں اتنی جلدی چلی گئی"۔ عشما بہتے آنسوؤں میں بولتی چلی جا رہی تھی، ہر کسی کا دکھ محسوس کرنے والی اس لڑکی پر رمیل کو ڈھیروں پیار آیا اور اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے تسلی دی اور کہا۔

"نہیں عشما! ایسے نہیں کہتے، اس نے اپنی زندگی کی دو بڑی نیکیاں کیں، ایک اپنی بہن کو اور ایک تمہیں بچا کر، اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی آزمائش میں سرخرو کرے، اس نے اپنے حصے کی ساری تکلیفیں دنیا میں جھیل کر ان گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا، جو اس سے زبردستی کروائے گئے"۔

"مجھے معلوم ہے، میں گردن تک دلدل میں دھنسی ہوئی ہوں، اب تو مر کر ہی یہاں سے نکلوں گی"۔ رہ رہ کر نیلوفر کی یہ بات عشما کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"دیکھا آپ نے، واقعی میں جہاں جاتی ہوں اپنے ساتھ ہر رشتے کو کھا جاتی ہوں، واقعی تائی بالکل صحیح کہتی تھیں، میں واقعی منحوس ہوں"۔ عشما ہچکیوں کے درمیان بولی۔

"شٹ اپ! آئندہ نہیں کہنا یہ بات"۔ رمیل نے ایک لمحے میں عشما کو جھنجھوڑ دیا۔

"نہیں یہ صحیح ہے، میں یہاں سے چلی جاؤں گی کہیں، آپ لوگ....!" عشما کا ابھی جملہ مکمل نہ ہونے پایا تھا کہ رمیل نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"خبردار! جو تم نے یہاں سے جانے کی بات کی، تم یہاں سے کہیں نہیں جاؤ گی، تم نے میرا گھر آباد کیا ہے اور میرا دل بھی"۔ رمیل نے اس کی کٹورا سی گلابی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلا گیا، عشما ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھتی رہ گئی، ادھر عبید صاحب نے اپنی کھڑکی سے تمام منظر دیکھا اور کچھ سوچتے ہوئے مسکرا کر وہاں سے ہٹ گئے۔ رمیل، عشما سے سامنا کرنے سے کترانے لگا کیونکہ عشما کو دیکھ کر اس پر سے نظریں ہٹانا ایک مشکل کام لگتا تھا اسے، محبت چیز ہی ایسی ہے کہ انسان کے پوشیدہ احساسات اور جذبات نظروں سے عیاں ہونے میں ایک لمحہ نہیں لگتا۔

☆.....☆.....☆

عشما روٹین کے مطابق اپنے سارے کام بخیر و خوبی انجام دے رہی تھی بلکہ عبید صاحب کا اب وہ اور بھی زیادہ خیال رکھ رہی تھی، ادھر رمیل نے اپنے اثر و رسوخ سے منسٹر کے ذریعے عشما کی ڈیل مہنگے داموں میم سے کر لی تھی، اب عشما آزاد تھی، لیکن رمیل کی ابھی بھی اجازت نہیں تھی کہ عشما اکیلی ڈرائیور کے ساتھ بھی جائے۔

رمیل کو بھوک لگی تو کچن کی جانب آ گیا، لیکن وہاں عشما کو نہ پا کر رمیل سیدھا اس کے کمرے میں گیا، دروازہ ناک کرنے پر بھی کوئی جواب نہ ملا تو ہلکا سا دروازہ پش کر کے اندر چلا آیا، سامنے ایزی چیئر پر عشما آدھ کھلا میگزین ہاتھ میں پکڑے دنیا جہاں سے بے خبر پرسکون نیند سو رہی تھی، رمیل دبے قدموں چلتا ہوا عشما کے سرہانے آ کھڑا ہوا، چھوٹے سے چہرے پر بڑی بڑی جھیل سی آنکھیں، چھوٹا دہانہ اور کھڑی ناک چہرے کے اردگرد شرارت کرتی ہوئی گھنگریالی لٹیں، رمیل کو وہ معصوم سی لڑکی دنیا کی حسین ترین لڑکی لگی، یا پھر جس جذبے سے وہ سوچ رہا تھا، وہ اسے کسی اور دنیا کی ماورائی اپسرا سے کم نہیں لگ رہی تھی، نظروں کی تپش تھی یا جذبوں کی حدت ایک لمحے میں عشما کی آنکھ کھل گئی اور وہ اپنے سرہانے رمیل کو پا کر گھبرا گئی، اس کی یہ گھبراہٹ رمیل کو مزہ دے گئی

اور وہ اسے بغور دیکھتا رہا۔

''آپ کو کوئی کام تھا؟'' عشما نے بمشکل پوچھا۔

''ہاں مجھے ایک بات کرنی ہے''۔ رمیل نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے عشما کو دیکھا۔

''جی کہیے!'' عشما بہت مودب انداز میں سننے لگی۔

''عشما! کیا تم زندگی بھر میرا ساتھ دے سکتی ہو؟'' رمیل نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا، عشما کو رمیل سے اس بات کی ہرگز توقع نہ تھی۔

''لیکن میرا ساتھ کیوں؟ آپ کو تو ایک سے ایک لڑکی مل جائے گی، میں آپ کے قابل نہیں''۔ عشما نے رخ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

''عشما! میں نے تمہارے ظاہر سے نہیں باطن سے پیار کیا ہے، تم ایک بہترین اوصاف کی مالک ہو، اور سچ تو یہ ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں اپنی ماں کے بعد صرف تمہیں اتنا بہترین پایا ہے، تم میرا آئیڈیل بن گئی ہو عشما!'' رمیل نے ایک جذبے سے عشما کے ہاتھ پکڑ لیے، اتنے صاف اظہار پر عشما کے پسینے چھوٹ گئے، وہ رمیل سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی ناکام سی کوشش کرنے لگی۔

''نہیں، میں اس وقت تک تمہارا ہاتھ نہیں چھوڑوں گا جب تک تم جواب نہیں دو گی''۔

''رمیل، رمیل بیٹا!'' عبید صاحب کی آواز قریب سے سنائی دی۔

''ارے یار! پاپا بھی ناں''۔ رمیل جھنجھلا ہی گیا اور عشما کے چہرے پر ایک مسکراہٹ آ گئی۔

''آیا پاپا!'' جلدی سے رمیل نے جانے میں ہی عافیت جانی کہ مبادا عبید صاحب کہیں یہاں ہی نہ آ جائیں۔ دروازے کی طرف اسے بڑھتا دیکھ کر عشما نے کہا۔

''رمیل صاحب! مجھے آپ کا ساتھ منظور ہے''۔ اتنے سادہ اظہار پر رمیل کے قدم وہیں رک گئے، اور وہ مسکراتا ہوا واپس عشما کے پاس پلٹ آیا، قریب آ کر عشما کے چہرے کو دیکھا جو کہ شرم سے گلنار ہو رہا تھا، اس کے چہرے پر قوس و قزح کے رنگ دیکھ کر رمیل شدت جذبات سے آگے آیا اور عشما سے کہا۔

''I Lov.....!''

''رمیل.....رمیل!'' عبید صاحب کی آواز پھر ابھری۔

''پاپا!'' رمیل کا یہ کہنا تھا کہ عشما کا ایک جاندار قہقہہ بلند ہوا، ادھر رمیل I Love کہتے کہتے عبید صاحب کی آواز سن کر پاپا کہنے پر جھینپ گیا۔

''یہ پاپا بھی ناں، اپنی تو ساری لائف لو اسٹوری پر گزاری اور مجھے ایک لائن بھی نہیں کہنے دے رہے، سارے موڈ کی ایسی تیسی کر دی''۔ رمیل جھنجھلاتا ہوا باہر کی جانب بڑھا اور ادھر عشما کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔

''بات سنو! اپنے بال جوڑے میں قید کر کے نہیں رکھا کرو بلکہ انہیں کھلا رکھا کرو، یا پھر چوٹی باندھا کرو میری خاطر''۔ رمیل نے اسے زندگی سے بھرپور ہنستے ہوئے دیکھا تو کان میں ایک سرگوشی کی، رخ پھیرے عشما کا ہنستے ہنستے بریک لگ گیا۔ محبت کے رنگ عشما اور رمیل کے چہرے پر چھپائے نہیں چھپتے تھے اور یہ سب عبید صاحب بھی دیکھ چکے تھے، سو

انہوں نے دونوں سے بات کر کے انہیں ایک رشتے میں باندھ دیا۔

حجلہ عروسی میں بیٹھی عشما اپنے نصیب پر رشک کے ساتھ ساتھ اپنے رب کا شکر بھی ادا کر رہی تھی، جوں ہی دروازہ کھلا عشما اپنے آپ میں سمٹ گئی تھی، خوبصورت سی شیروانی میں رمیل کسی شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا، ابھی رمیل نے عشما کا چہرہ اوپر ہی کیا تھا اور کہنے کے لیے لب ہی کھولے تھے کہ عبید صاحب نے آواز دی۔

''رمیل.....رمیل بیٹا! بس ایک منٹ باہر آؤ''۔

''یار! یہ پاپا کی انٹری بھی نا''۔ یہ کہہ کر رمیل باہر چلا گیا اور کہا۔

''جی پاپا!''

''بیٹا! یہ تمہاری ماں کے کنگن ہیں، اسے عشما کو منہ دکھائی میں دے دینا''۔ عبید صاحب اپنے بیٹے کو ان معاملات میں بالکل اناڑی سمجھ رہے تھے۔

''لیکن پاپا! میں عشما کی منہ دکھائی لے چکا، آپ اسے صبح عشما کو خود دیجیے گا''۔

''چلو ٹھیک ہے بیٹا!'' کہہ کر عبید صاحب چلے گئے۔ ابھی رمیل اندر آ کر بیٹھا تھا کہ پھر سے دروازہ بجا۔

''اب کون ہے یار؟'' عشما کو گہری مسکراہٹ سے مسکراتے دیکھ کر رمیل نے گھورا، دروازہ کھولا تو کرموبابا ہاتھ میں جگ گلاس لیے کھڑے تھے، انہیں دیکھ کر رمیل نے سنجیدگی سے ان کے ہاتھ سے دودھ کا جگ لیا اور کہا۔

''اگر کوئی محلے والا بچا ہے تو اسے بھی کہہ دیں کہ ابھی آ جائے، میں دروازے پر کھڑا ہوں، یا آپ ہی کوئی کام یاد کر لیں، کچھ رہ تو نہیں گیا؟'' رمیل کی اس بات پر کرموبابا بھی مسکرا دیے اور چلے گئے، دروازہ بند کر کے رمیل نے عشما کو دیکھ کر کہا۔

''شکر ہے یار! ہمارے گھر میں دو ہی افراد ہیں، اگر دس افراد ہوتے تو پوری رات میری دروازہ کھولنے میں ہی گزر جاتی''۔ عشما کے ہاتھ تھام کر رمیل نے ایک بھاری ڈائمنڈ کی رنگ عشما کے ہاتھ میں پہنا دی اور عشما کی کلائی کے اس داغ کو دیکھ کر (جو رمیل کے کپڑے استری کرتے ہوئے جل گیا تھا) رمیل نے اس پر اپنے ہونٹ رکھ دیے اور کہا۔

''اس جلنے کی تکلیف آج بھی میں اپنے اندر محسوس کرتا ہوں اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تمہیں میری ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی''۔

''اور میں بھی وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ کوئی کام بھی آپ کی مرضی کے خلاف نہیں کروں گی''۔ عشما معصومیت سے بولی۔

''اچھا جیسا میں کہوں گا ویسا ہی کرو گی؟'' رمیل نے مسکراتے ہوئے شرارت سے عشما کے ہاتھ دبائے۔

''تو پھر کرو؟'' رمیل نے شرارتی انداز سے عشما کو دیکھا۔

''کیا.....؟'' عشما نے ناسمجھی سے رمیل کو دیکھا۔

''میرے ابا کو فون!'' یہ کہنا تھا کہ دونوں کے قہقہے بلند ہو گئے اور رمیل نے عشما کو گلے لگا کر سر سے پاؤں تک اسے محبت کی بارش میں بھگو ڈالا۔

☆.....☆.....☆

رابعہ احمد

افسانہ

مکافاتِ عمل

میرا نام شائستہ ہے، لیکن میں اپنے نام کے متضاد ہوں، شائستگی سے میرا دور دور تک بھی کوئی واسطہ نہیں، ہوتا بھی کیسے؟ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی، ماں باپ کی سر چڑھی، بھائیوں کی لاڈلی، دادا، دادی کے دل کا چین وغیرہ

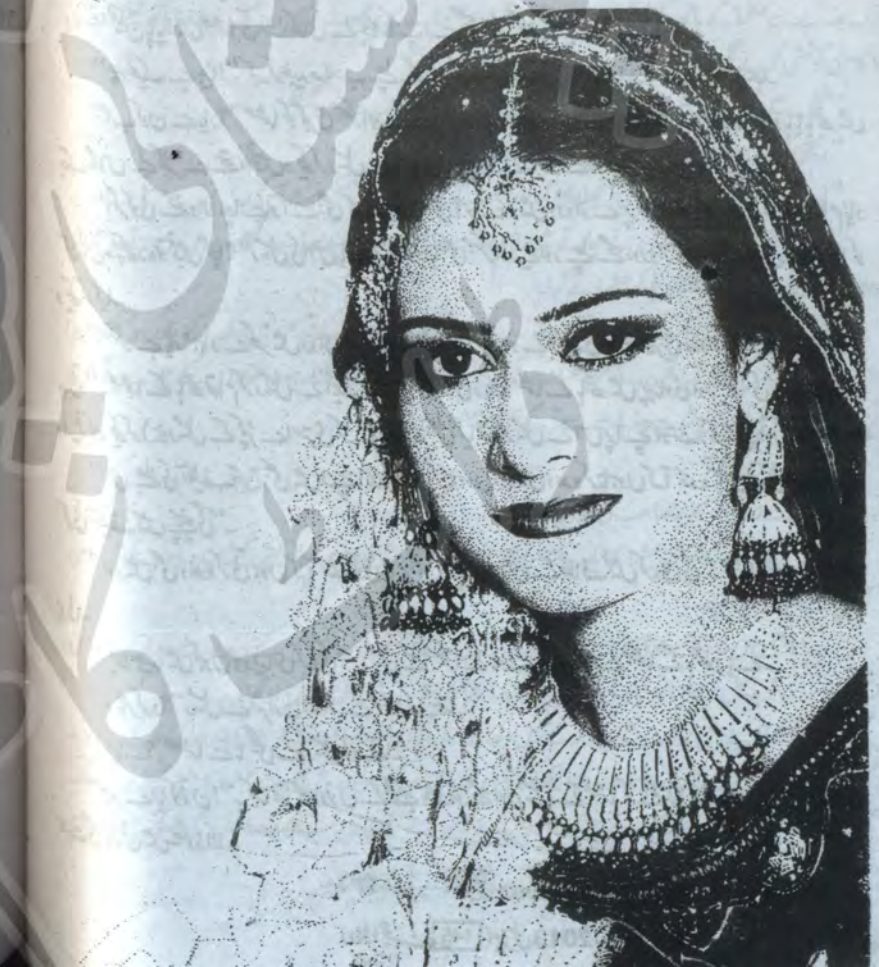

وغیرہ۔ بدتمیز، بدلحاظی مجھ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی، اور کوئی مجھے روکنے ٹوکنے والا بھی نہیں تھا، سب سے زیادہ سپورٹ مجھے میری ماں کی حاصل رہی، کیوں کہ گھر میں انہی کا ہولڈ تھا، اور وہ میری ہر غلط کام میں پشت پناہی کرتی تھیں، زندگی میں سکھ چین کا راج تھا، بہت مزے کا وقت گزر رہا تھا، پھر ایک دن بڑے بھائی نے گھر میں ایک دھماکا کیا، ہوا کچھ یوں کہ بھائی کچھ دنوں سے سب سے اُکھڑا اُکھڑا تھا، امّاں نے وجہ پوچھی تو اس نے پہلے آنا کانی کی، پھر یکا یک بلّی تھیلی سے باہر آ ہی گئی، موصوف کسی کی زُلف کے اسیر ہو گئے تھے، امّاں کا تو سنتے ہی بی پی شوٹ کر گیا۔

''جوان بہن گھر میں بیٹھی ہے اور اسے سہرا سجانے کا شوق چڑا ہے، کون ہے وہ چڑیل..... جس کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے؟'' امّاں نے بھائی کے وہ لتے لیے کہ میرا دل اندر ہی اندر بھنگڑے ڈالنے لگا، کتنا خیال تھا میری امّاں کو میرا، لیکن ہم جو سمجھ رہے تھے کہ امّاں کی ڈانٹ سے بھائی کی طبیعت صاف ہو گئی ہو گی، تو یہ ہماری خام خیالی تھی، اس چڑیل کا جادو واقعی بھائی کے سر چڑھ کر بول رہا تھا، بھائی اُس وقت تو خاموش ہو گیا، لیکن بعد میں اس نے جو عمل روا رکھا، اس سے ہمیں رشتہ لے جاتے ہی بن پڑی۔

بھائی نے گھر میں تنخواہ دینا ہی بند کردی تھی، اچھا خاصا کماؤ پوت بھائی تھا، ڈھیروں نوٹ ہر مہینے لتاں کی مٹھی میں آتے تھے، جس میں سے ایک مخصوص حصہ میرے اکاؤنٹ میں جمع ہوتا تھا، لتاں کو سمجھ آ گیا کہ اگر بیٹے کی بات نہ مانی تو سمجھو وہ ہاتھ سے گیا، اس لیے خاموشی سے ہتھیار ڈال کے بیٹے کے دیئے گئے ایڈریس پر پہنچ گئیں۔ لڑکی کا گھر بار اچھا تھا، پڑھے لکھے شریف لوگ تھے، لڑکی بھی پُرکشش تھی اور پہننے اوڑھنے کا سلیقہ تھا، اُس کی ڈریسنگ دیکھ کر میں جل بھن کے راکھ ہوگئی، میں کتنی بھی کوشش کرلیتی مجھ میں اچھا پہننے اوڑھنے کا سلیقہ نہیں تھا، مہنگا کپڑا ابھی ایسے سلوائی کہ وہ اپنی ناقدری پہ زار زار روتا، وہاں پہنچ کر میرے اردگرد خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں، مجھے اپنی راج دھانی یہاں وہاں ڈولتی نظر آئی اور پھر چٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا اور نادیہ بی بی ہمارے گھر سدھاریں، شادی بہرحال انتہائی جوش وخروش سے ہوئی، سب کی دلی رضامندی بھی بہرحال شامل ہو ہی گئی تھی، مجھے بھی نہ چاہتے ہوئے ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا پڑا، آخر کو اکلوتی نند تھی، ایسا نہ کرتی تو سب کی نظروں میں آجاتی، شروع سے ہی بڑوں کے درمیان رہتے ہوئے مجھ میں قدرتی طور پر پکا پن آ گیا تھا اور یہ پکا پن میرے چہرے سے چھلکنے لگا تھا، دیکھنے میں میری شکل اچھی خاصی تھی، لیکن پینڈو پن میرے ہر ہر انداز سے جھلکتا تھا۔

ہاں! تو بات ہو رہی تھی شادی میں پیش پیش رہنے کی، تو یہ میری مجبوری تھی، لیکن میں ساتھ ساتھ اپنی لتاں کے کان بھرنا نہیں بھولتی تھی بھائی کے خلاف، وہی چھوٹی چھوٹی باتیں کہ یہ تو ابھی سے بدل گئے ہیں، پتہ نہیں آنے والی ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے، یہ وہ، لتاں بھی بغیر سوچے سمجھے میری مان جاتی تھیں، شادی پر بھابی بہت ہی خوبصورت لگ رہی تھیں، ولیمے میں، میں نے جان بوجھ کر ان کی بکنگ سستے پارلر میں کروائی اور اس نے میری پسند کے مطابق بھابی کا حشر کیا، بھابی تو بہرحال دلہن تھی اس لیے چپ رہی، لیکن ان کے گھر والوں نے ڈھکے چھپے لفظوں میں جتا دیا، میں نے یہ ساری باتیں بھی نمک مرچ لگا کر لتاں کے کانوں میں اُنڈیل دیں، شادی اختتام کو پہنچی تو میں نے سکھ کا سانس لیا، لیکن یہ میری خام خیالی تھی، بھابی ایک مستقل آزمائش کی صورت میں میرے سر پر موجود تھیں، بھائی تو شادی کروا کر اُڑے اُڑے پھر رہے تھے، غصہ تو مجھے باقی سب کے بدل جانے پر تھا، سب ہی اس نئی آنے والی کی آؤ بھگت میں لگے تھے، میرے سینے پر سانپ لوٹ جاتے، جب میں اسے روزانہ ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت لباس میں ہمرنگ میچنگ جیولری کے تیار شیار دیکھتی، میرا حلق تک کڑوا ہو جاتا، میں دن بھر اس کو نیچا دکھانے کی کوشش میں لگی رہتی، جب جب وہ لتاں سے بات کرنے لگتی، میں درمیان میں بات اُچک کر اُس کو چپ کرا دیتی یا زبردستی لتاں سے لاڈ شروع کر دیتی اور لتاں بھی اس کو جواب دینا بھول بھال میرے ساتھ لگ جاتیں، میرے چہرے پر اپنا مطلوبہ ہدف پا کر ایک شاطرانہ سی مسکراہٹ آ جاتی، بھائی کے رویے میں حقیقتاً تبدیلی آئی تھی، وہ جو پہلے مجھے اہمیت دیتے تھے وہ خاص اہمیت اب بھابی کو حاصل ہوگئی تھی، بھابی نے جلد ہی اپنے شوق سے گھرداری سنبھال لی تھی، میں تو ویسے بھی کوئی کام نہیں کرتی تھی جو تھوڑا بہت لتاں کا ہاتھ بٹاتی تھی اب اُس سے بھی ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ بقول ابا کے گھر کی اصل مالکن تو آ گئی تھی ناں، پھر مجھے کیا پڑی تھی، ہاتھ پاؤں ہلانے کی، لتاں کو ہر چیز کے لئے آرڈر دینا تو میری شروع سے عادت رہی تھی، اور لتاں کو میرا حکم بجا لانے کا شوق، میں نے نئی آنے والی کے ساتھ بھی وہی کرنا چاہا، اس نے پہلے پہل تو میرا کام کیا پھر حتی الامکان مجھے نظرانداز کرنا شروع کر دیا۔ میں نے لتاں سے شکایت کی۔

''بھابی سب سے بات کرتی ہے، مجھے تو پوچھتی بھی نہیں''۔ لتاں بغیر سوچے سمجھے اس پر چڑھ دوڑیں، اس نے لتاں کو جواب تو کوئی نہیں دیا، لیکن بھائی کو جا کر چابی

بھر دی، بھائی نے بھی کسی سے کچھ نہیں کہا، لیکن اسی کا طریقہ کار اپنایا اور مجھے نظرانداز کرنا شروع کر دیا، مجھے یہ سب کسی طور قبول نہیں تھا، میں پورا دن منہ بنائے سرمنہ جھاڑے پلنگ توڑتی رہتی، لتاں میرے ناز اُٹھائے اُٹھائے نہ تھکتیں، انہیں میری خاموشی بڑی کھلتی، ہم دونوں نند بھاوج میں بات چیت نہ ہونے کے برابر تھی، اور اس خاموشی کو دونوں طرف سے کم کرنے کی کوشش نہ کی گئی، پھر ایک دن بہت بڑا ہنگامہ ہوا، ہوا کچھ یوں کہ بھائی کو آفس کی طرف سے 15 دن کے لئے دبئی بھیجا گیا، مجھے اپنا کھیل کھل کے کھیلنے کا موقع ملا، جو تھوڑا بہت ڈر مجھے بھائی کی طرف سے رہتا تھا وہ بھی ختم ہوا، اب صرف میں تھی اور میری چالیں اور میری معصوم ماں کی نادانیاں، میں نے بغیر نتائج کی پرواہ کیے لتاں سے ایک سنگین جھوٹ بولا۔ میں نے لتاں کو کہا۔

''بھابی نے بھائی سے فون پر ہماری بہت شکایتیں کی ہیں، ہم کو نیچ اور گھٹیا کہا ہے اور وہ اب اپنے گھر بیٹھنے کی پلاننگ کر رہی ہیں''۔ لتاں کے تو سنتے ہی منہ سے کف نکلنے لگا۔ بُلا بھیجا چھوٹے بھائی کے ذریعے بھابی کو، اور اس کو وہ سنائیں کہ بس، پہلے پہل تو بے چاری کو کچھ سمجھ ہی نہیں آیا پھر میری شکل دیکھ کر اس کو ساری کہانی سمجھ آ گئی، اس نے پہلی بار ہمارے سامنے زبان کھولی، اور ایسی کھولی کہ کچھ پل کے لئے تو میرے ہاتھوں کے بھی طوطے اُڑ گئے، اس نے صاف صاف سارا الزام میرے سر ڈالا اور یہ تک کہہ دیا۔

''شائستہ ہی فساد کی جڑ ہے، جب تک یہ رہے گی، اس گھر کا سکون ایسے ہی تباہ ہوتا رہے گا، آپ سب نے اس کو سر پر چڑھا رکھا ہے، لگام ڈال کر رکھیں اسے، ورنہ اس کی وجہ سے پتہ نہیں کتنے گھر تباہ ہوں گے''۔ میں تو سنتے کھا سکتے میں آ گئی، لیکن پھر اپنے دماغ کو حاضر کر کے معاملے کو اپنی فیور میں کرنے کا طریقہ سوچا اور سوچتے ہی کام کر ڈالا، بھاگ کر کچن سے چھری لے آئی اور لا کر اپنی کلائی پر رکھ دی، لتاں ابا تو صدمے سے رو پڑے، ابا نے چھری میرے ہاتھ سے لے کر پھینکی اور لتاں نے مجھے کلیجے سے لگا کر بھائی کو بے نقط سنائیں، بھابی تو گنگ کھڑی کی کھڑی رہ گئیں، پھر مردہ قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں اور پھر ان کے کمرے کا دروازہ بھائی کے آنے پر ہی کھلا، بھائی بھی ہفتہ پہلے واپس آ گئے تھے، اپنی چہیتی کو اس حال میں دیکھ کر ان کا غم وغصے سے بُرا حشر تھا، لتاں، ابا کو تو کچھ کہہ نہیں سکتے تھے، لیکن مجھے تو پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھ کر گزر جاتے، لتاں نے بھائی کے سامنے بھابی کی بہت بُرائی کی، جتنی باتیں میں نے انہیں بتائیں، وہ سب کی سب ان کے گوش گزار کیں، مجھے پتہ تھا بھائی ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال رہے ہیں، لیکن میں اپنی بھولی ماں کو اس وقت چپ نہیں کروا سکتی تھی، کچھ دن اور آگے سرک گئے، لتاں کی کوئی جاننے والی میرا رشتہ لائیں، رشتہ ہر لحاظ سے مناسب تھا، مجھے بھی بڑی خوشی تھی اپنی شادی کی، بھابی کو جلانے کا ایک اور موقع میرے پاس تھا، یہ اور بات تھی کہ اس کو جلانے کے چکر میں، میں خود جل بھن کر راکھ ہو جاتی تھی، اس دن کے بعد سے بھابی نے تو میری طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی ختم کر دیا تھا، بھائی تو پھر بھائی تھا، کب تک خفا رہتا، اب تو میری شادی بھی ہونے والی تھی، جلد ہی میری شادی بھی نزدیک آ گئی، میں نے دل کھول کر شاپنگ کی، بے تحاشہ ملبوسات بنائے اور سب کی سب اپنی پسند کے، بھابی سے تو کہہ نہیں سکتی تھی بالآخر میری شادی کا دن آ گیا، بارات انتہائی روکھے پھیکے طریقے سے آئی، حالانکہ ٹھیک ٹھاک لوگ تھے، میری ساس نندیں بھی بس لئے دیئے رہیں، میرے گھر والوں نے بہت زبردست انتظام کیا تھا، دلہا کو سلامی میں 1 لاکھ روپے اور موٹر بائیک دی، ساس کو سونے کے کڑے دیئے اور دونوں نندوں کو ٹاپس، سسر کو بھی قیمتی گھڑی پہنائی، الغرض انہوں نے اپنی بساط سے بھی بڑھ کر کیا، میں سب کی دعاؤں میں رخصت ہو کر اپنے سسرال آ گئی، اچھا بڑا گھر تھا، فیملی میں ساس، سسر، دو نندیں، ایک دیور تھا۔ نندیں دونوں غیر

شادی شدہ تھیں، ایک ہفتہ تو دعوتوں کی نظر ہوگیا، ویسے میں میرا حشر بھی بھابی سے کم بُرا نہیں ہوا تھا، لیکن میں موقع دیکھ کر خاموش رہی، بس بھابی کی اٹھی طنزیہ نظر میرے سینے میں کھب گئی، ایک ہفتہ واقعی خوشیوں کے ہنڈولے میں گزرا، میرے شوہر اسد کافی اچھے تھے، مجھے اپنی قسمت پر ناز ہونے لگا، میں نے جو چاہا تھا وہ مجھے ملا، ساس نندوں سے میرا ابھی واسطہ نہیں پڑا تھا، ان کو قابو کرنے کے میرے پاس کئی طریقے تھے، سب سے پہلے تو مجھے اپنے شوہر کو مٹھی میں لینا تھا، پھر تو ان لوگوں نے ویسے ہی جھک جانا تھا، مگر میری خام خیالی رہی، ایک ہفتے بعد ہی ساس نے مجھے بلا بھیجا، اور کچن کا سارا کام میرے سر تھوپ دیا، یہ کہہ کر۔

''میری دونوں بچیاں پڑھائی کرتی ہیں، میری بوڑھی ہڈیوں میں دم خم نہیں اور بڑی بہو ہونے کے ناتے یہ سب تمہاری ذمہ داری ہے''۔ میں غصے میں بھناتی اپنے کمرے میں گئی، اور کنڈی چڑھا کر بیٹھ گئی، شام کو جب اسد آفس سے آئے تو میں نے رو رو کر ان کو ساری بات بتائی، ہمیشہ کی طرح مرچ مسالے کا اضافہ کر کے، وہ خاموشی سے میری بات سنتے رہے اور پھر کندھے اُچکا کر معذوری ظاہر کردی کہ وہ اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے، میں بھول گئی تھی کہ یہاں میری ماں نہیں تھیں جو مجھے سپورٹ کرتیں، کام کرنے کی مجھے عادت کوئی نہیں تھی، سخت گرمی میں کچن میں جا کر میں نے رات کا کھانا بنایا، کیسے بنایا یہ تو ان کے کھانے کے بعد پتہ چلا، سب ہی کھانا چھوڑ کر چلے گئے، نندوں نے منہ ٹیڑھا کیا، ساس نے گھور کر دیکھا، سسر نے خامشی سے ایک روٹی ختم کی اور اسد نے وہ بھی نہیں کی، میرا دل دھاڑیں مار مار کر رونے لگا، خاموشی سے برتن سمیٹ کر برتن دھوئے اور سب کے لئے چائے بنائی جو کہ بہت ہی بُری بنی، چھوٹی نند نے منہ چڑھا کر کہا۔

''بھابی کو تو کچھ بنانا ہی نہیں آتا ہے''۔ بڑی والی نے طنز بھری مسکراہٹ سے دیکھنے پر اکتفا کیا، میں جو صبح سے سب برداشت کر رہی تھی پھٹ پڑی اور کہہ دیا۔

''جب پتہ چل گیا ہے کہ کچھ نہیں آتا تو خود کر لو ناں!'' میرے لہجے میں میرے میکے کا فخر بول رہا تھا، جہاں مجھ سے کوئی کڑک لہجے میں بات کرنے کی ہمت نہیں کرتا تھا، میرا اتنا کہنا تھا ان تینوں نے وہ غل مچایا کہ ان کے شور سے میرے شوہر بھی آ گئے، بھائی کو دیکھتے ہی بہنیں آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لے آئیں اور لتاں نے سینہ کوبی شروع کردی، انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، میرے منہ پر دو تھپڑ لگائے اور دھکا دے کر اپنی لتاں کے پیروں میں گرا دیا، معافی مانگنے کے لئے، میں اس وقت انتہائی صدمے کے زیر اثر تھی، مجھے رہ رہ کر اپنے کئے گئے غلط کام یاد آ رہے تھے، اپنی ساری کوتاہیاں، مجھے سمجھ آ گئی تھی کہ یہ تذلیل ہی اب میرا مقدر ہے، مجھے یہ بھی سمجھ آ گئی تھی، برداشت ہی زندگی ہے، مگر کئی سوال میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے، اس سارے واقعے میں کیا صرف میری ہی غلطی ہے؟ یا میری ماں کی غلطی ہے، جس نے میری پردہ پوشی کی، ہر غلط عمل میں؟ یا میرے گھر والوں کی جنہوں نے کبھی مجھے ٹوکا ہی نہیں؟ میرا ان ساری ماؤں سے سوال ہے جو اپنی بیٹیوں کی تربیت میں کوتاہی برتتی ہیں اور انہیں لاڈ پیار میں اس حد تک بگاڑ دیتی ہیں کہ آئندہ زندگی میں تذلیل ہی ان کا مقدر بنتی ہے، آخر وہ ایسا ظلم کیوں کرتی ہیں؟ ایک لڑکی جو آئندہ گھر کی بنیاد رکھتی ہے، اُسے اتنا ناکارہ کیسے بنا دیتی ہیں کہ وہ ایک گھروندہ بنانے کے قابل نہیں رہتیں؟ جبکہ وہ خود ہر فن میں طاق ہوتی ہیں، تو کیوں چراغ تلے اندھیرا ہوتا ہے؟ کیوں اپنی بیٹیوں کی تربیت میں کمی کرتی ہیں؟ یہ کیسی اندھی محبت ہے جو زندگیاں تباہ کر دیتی ہے، میں اپنی ساس کے پاؤں پکڑے دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی، اور میرے آنسو پونچھنے والا کوئی نہ تھا، نہ میری ماں نہ میرا باپ، نہ میرا بھائی۔

☆.....☆.....☆

نائلہ طارق

قسط نمبر 5

سلسلے وار ناول

کبھی ٹوٹ کے میرے دل تک

"تم مجھے ناراض ہونے کا موقع مت دیا کرو، تم ہی میرا ساتھ چھوڑ دوگی، تو میں کس طرح حالات کا سامنا کر سکوں گا، تم میرے بارے میں کیوں نہیں سوچتیں؟" وہ زچ ہو کر بولا تھا۔

"اب یہ آنکھیں صاف کرو، یا میں نکال کر صاف کروں؟ جانتا ہوں کس طرح اپنے بھائی کے سامنے تمہارا دم خشک ہو جاتا ہے"۔ اس کے گھر کنے پر بیلا نے جلدی سے آنکھیں خشک کی تھیں۔

"کیا ہے اس میں؟ مجھے تو حلیم کی خوشبو آ رہی ہے"۔ شاپر کا جائزہ لیتا وہ بولا تھا۔

"بھابی نے حلیم بنایا ہے، وہی تمہاری طرف بھیجنا تھا، فاران کو کرکٹ سے فرصت نہیں، اسی لیے تمہیں بلایا تھا"۔

"یہ ہاٹ پاٹ تو تنہا میں ہی ختم کر دوں گا"۔ وہ بولا تھا۔

"معلوم ہے، اسی لیے تمہارا حصہ میں نے الگ نکال رکھا ہے، یہیں کھا کر جاؤ میں نکالتی ہوں"۔ بیلا نے کہا تھا اور جھٹ پٹ حلیم کے ساتھ دیگر لوازمات بھی ٹیبل پر رکھ دیے تھے۔

"بہت زبردست حلیم بنایا ہے آپی نے، میں نے بلاوجہ انہیں ناراض کر دیا"۔ حلیم کھاتے ہوئے عثمان کو افسوس ہوا تھا۔

''تم سے نہیں ہونے والیں وہ ناراض، ان کا سارا غصہ مجھ پر ہی اترتا ہے''۔ کولڈ ڈرنک کا گلاس اس کے سامنے رکھتی وہ جتا رہی تھی۔

''خبردار! میری بہن کے بارے میں کچھ مت کہنا''۔ عثمان نے فوراً تنبیہہ کی تھی جبکہ وہ خشمگیں نظروں سے اسے دیکھتی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

''تمہارے جلاد بھائی نے کس وقت گھر آنا ہے، شام تو ہونے والی ہے؟'' عثمان کو یاد آیا تھا۔

''ابھی ان کی واپسی میں بہت وقت ہے، آرام سے حلیم کھاؤ، ذرا تحمل سے''۔ بیلا نے دھیرے سے ہنستے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''سنو! تم نے میگزین کے لیے فوٹو سیشن کروالیا، اور مجھے بھنک تک نہیں لگنے دی؟'' وہ شکایت کر رہی تھی۔

''بس اچانک سب ہوتا چلا گیا، ایک آفر آئی، میں نے قبول کرلی، تمہیں ضرور بتاتا اگر ناراض نہ ہوتا''۔ وہ اطمینان سے بولا تھا۔

''ویسے فوٹوز کافی اسٹائلش تھیں، مگر ہاٹ زیادہ''۔ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بیلا نے اسے دیکھا تھا۔

''غلط.... تم ساتھ ہوتیں تو، یقیناً درجہ حرارت زیادہ بڑھ جاتا''۔ عثمان کے فوراً ہی کہنے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''تمہارے بھیا تو بے خبر نہیں رہے ہوں گے؟ میری ایک ایک حرکت پر نظر رکھتے ہیں''۔ سوالیہ نظروں سے عثمان نے اسے دیکھا تھا۔

''اتنے دن بعد بات کر رہے ہو، صرف اپنی بات کرو''۔ وہ ناراضی سے بولی تھی۔

''اپنی باتیں نہیں مسائل ہیں، ڈگری ہاتھ میں آنے میں تو زیادہ وقت نہیں ہے، مگر جاب ملنے میں جانے کتنا عرصہ لگے گا، کبھی کبھی تو سوچتا ہوں، بھائی کے پاس چلا جاؤں''۔

''ایسا سوچنا بھی مت، سات سمندر پار جانے سے پہلے مجھے کسی سمندر میں غرق کردینا''۔ بیلا کا چہرہ ہی سفید پڑ گیا تھا۔

''میں نے صرف ایک بات کی ہے''۔

''میرے سامنے یہ بھیانک باتیں مت کیا کرو، اگر تم نے دوبارہ ملک چھوڑ کر جانے کی بات کی تو میں یہ دنیا چھوڑ دوں گی''۔ وہ بے طرح جذباتی ہوئی تھی۔

''فضول باتیں مت کرو، کہیں نہیں جا رہا میں، مجھے تو یہیں رہ کر تمہارے بھائی کے سامنے لوہا منوانا ہے اور تمہیں اس گھر سے لے کر جانا ہے''۔ وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

''یہ سب اتنا آسان نہیں ہے تم جانتے ہو''۔ بیلا بجھے لہجے میں بولی تھی۔

''برہان بھائی کچھ عرصے میں آنے والے ہیں، ان کے آنے کے بعد ہی میں کوئی قدم اٹھاؤں گا''۔

''ہاں، شاید وہ بھائی کو راضی کرنے میں کامیاب ہو جائیں''۔ بیلا کا لہجہ امید بھرا تھا۔

''اور یہ تم کیا بھائی سے میری شکایتیں کرتی رہتی ہو، کیا سوچتے ہوں گے وہ؟'' عثمان نے اسے گھورا تھا۔

''جو بھی سوچتے ہیں، سوچنے دو، ان سے کچھ چھپا نہیں ہے''۔ وہ ڈھٹائی سے بولی تھی۔

''ویسے ہوسکتا ہے، بھائی کی آزادی یہاں آکر ختم ہو جائے، امی اور آپی تو پوری طرح تیار ہیں''۔ سنک کی طرف جاتا وہ بتا رہا تھا۔

''مجھے تو مشکل لگ رہا ہے، جب بھی ان سے بات ہوتی ہے، ایک خاتون کا بہت ذکر ہوتا ہے، محترمہ سنجیدگی سے انوالو ہیں''۔ ٹیبل سے چیزیں سمیٹتی وہ بتا رہی تھی۔

''تمہیں ساری خبریں ہوتی ہیں، اپنے بھائی کو میرے پیچھے چھوڑ کر خود میرے بھائی کی جاسوسی میں لگی ہو''۔ بولتے ہوئے وہ قریب آیا تھا اور اگلے ہی پل اس کے دوپٹے کے پلو سے ہاتھ خشک کرنے شروع کردیئے تھے۔

''یہ کیا حرکت ہے، بدتمیز انسان!'' وہ چیخی تھی۔

''تم تمیز سکھانے آجاؤ میری زندگی میں، اپنے بھائی سے اجازت لے کر''۔ اس کے بال کھینچتا وہ سرعت سے دور ہوا تھا اور اگلے ہی پل شاپر اٹھاتا کچن سے باہر تھا۔

''مان! بات سنو، بھابی تو احمد انکل سے ہاسپٹل میں ہی مل آئی تھیں، مگر میں نہیں جاسکی، کل تم مجھے لے جاؤ گے خرمن کے گھر؟'' اس کے پیچھے آتی بیلا نے آواز لگائی تھی۔

''میرا کوئی بھروسہ نہیں، تم فاران کے ساتھ چلی جانا''۔ رکے بغیر وہ بولا تھا اور تیزی سے سیڑھیاں اترتا یکدم رکا تھا، اوپر ہی آتے فاروق نے بس ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی اور دوسری نگاہ ان کی اوپر کی بیلا پر ٹک گئی تھی جو وہیں فریز ہو چکی تھی، عثمان کے سلام کا جواب انہوں نے سر کے اشارے سے دیا تھا جبکہ وہ دوبارہ اسی تیزی سے ان کے برابر سے گزرتا آگے بڑھ چکا تھا۔

''کیوں آیا تھا یہ؟'' کڑی نظروں سے انہوں نے بیلا کو دیکھا تھا۔

''بھابی نے بلایا تھا، حلیم گھر بھیجنا تھا''۔ ان کے چمکتے جوتوں پر نظر جمائے وہ بمشکل بولی تھی۔

''عروسہ کہاں ہے؟'' دوسرا سوال آیا تھا۔

''وہ نیچے ہیں''۔ اس بار آواز بیلا کے حلق میں اٹکی تھی، وہ نظر اٹھا کر ان کی جانب دیکھ تو نہیں سکی تھی، مگر انہوں نے اپنے پیچھے جس طرح دروازہ بند کیا تھا، بیلا کی سانس اوپر کی اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

کھلتے دروازے سے فاطمہ نظر آئی تھیں، انہیں سلام کرتا وہ اندر داخل نہیں ہو سکا تھا کہ فاطمہ نے روک دیا تھا۔

''پہلے اپنی بائیک اندر لاؤ''۔ وہ قطعی انداز میں بولی تھیں۔

''لے آؤں گا مامی! ابھی مجھے تو اندر آنے دیں''۔ وہ کوفت سے بولا تھا۔

''میں نے جو کہا ہے وہ کرو، یہ بدبخت جب تک باہر کھڑی رہے گی، تم بھی گھر میں نہیں رکو گے، پہلے ہی گیارہ بجا کر گھر آئے ہو''۔ فاطمہ نے انتہائی سختی سے اسے گھرکا تھا۔

''بہت بھوک لگ رہی ہے مامی! مجھ میں ہمت نہیں ہے ابھی کہ اس بائیک کو اندر تک لاؤں''۔ بھوک کی اذیت چہرے پر پھیلائے وہ کسی طرح بائیک اندر نہیں لانا چاہتا تھا کہ آج رات عثمان کے ساتھ خالی سڑکوں پر طویل رائیڈ لینے کا پروگرام تھا، ہر ویک اینڈ پر ان دونوں کی نائٹ رائیڈ ہوتی تھی۔

"تم ایسے نہیں مانو گے، مجھے خرمن کو بلانا ہی پڑے گا، تم اسی کی زبان سمجھتے ہو"۔ فاطمہ کی دھمکی نے اسے سیدھا کر دیا تھا۔

"اسے کیوں درمیان میں لا رہی ہیں؟ مان تو رہا ہوں آپ کی بات"۔ جھلائے انداز میں بولتا وہ بائیک کی طرف پلٹ گیا تھا۔ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے فاطمہ گیٹ کے سامنے سے ہٹتیں اس کے ناراض تاثرات کو ہی دیکھ رہی تھیں۔

"تم پہلے کھانا کھالو پھر اپنے ماموں کے پاس چلے جانا، تمہیں پوچھ رہے تھے"۔ فاطمہ کی ہدایت پر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"خیریت ہے؟"

"ہاں، وہ بس تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں"۔ فاطمہ کے مبہم سے لہجے نے اسے حیران کیا تھا۔

"پھر میں کھانا بعد میں کھاؤں گا، پہلے ان سے بات کروں گا"۔ بولتا ہوا وہ برآمدے کی سمت بڑھ گیا تھا، کتاب بند کر کے ایک طرف رکھتے وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ تھے جو بیڈ کے کنارے ہی سامنے بیٹھ رہا تھا۔

"آج تم کافی لیٹ ہو گئے ہو، ایسی صورت میں گھر آنے تک ہر پانچ منٹ بعد اپنی مامی کو فون کرتے رہا کرو، ورنہ یہ اپنے ساتھ ساتھ سب کو ہولاتی رہتی ہیں"۔ مسکراتے ہوئے انہوں نے فاطمہ کو بھی دیکھا تھا جو کچھ فاصلے پر کرسی پر بیٹھ رہی تھیں۔

"آپ نے کہہ دیا اور اس نے کر لیا فون، آپ خود دیکھیں صبح سے جو نکلا ہے، تو اب چہرہ دکھا رہا ہے"۔ فاطمہ نے ناراضی سے کہا تھا۔

"میں ایک گھنٹہ تو لیٹ ہوا ہوں مامی! اکیڈمی میں ایکسٹرا کلاس لینی پڑتی تھی، کہیں آپ کو یہ تو نہیں لگ رہا کہ میں ڈینگ پر جانے لگا ہوں؟" عارش نے مسکراتی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"اب یہ کون سی نئی جاب نکل آئی ہے؟" فاطمہ کے حیران سوالیہ لہجے پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

"فاطمہ! تمہیں اس لڑکے سے زیادہ معصوم کوئی نظر نہیں آنا، مگر میں تمہیں لکھ کر دینے کے لیے تیار ہوں کہ یہ لڑکا تمہاری بیٹی سے بھی چار چھ ہاتھ آگے ہے"۔ احمد حسین نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"مامی! اس وقت آپ مجھے اتنی حسین لگ رہی ہیں کہ میری نظر ہی آپ کو نہ لگ جائے، ابھی جا کر نظر اتروائیں، اپنی جھاڑ پھونک کرنے والی بیٹی سے"۔ عارش نے مزید ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"اس کے سامنے یہ سب کہو، بتائے گی تمہیں اچھی طرح سے، اور ہزار بار کہا ہے تم سے کہ میرے سامنے زیادہ انگریزی مت بولا کرو"۔ فاطمہ نے اسے گھرکا تھا۔

"میرے فرشتوں کی توبہ، یہ دیکھیں میں نے اپنے کان پکڑ لیے ہیں"۔ عارش نے واقعی اپنے کان پکڑے تھے۔

"عارش! میرا خیال ہے کہ تمہیں جاب یا اکیڈمی میں سے کسی ایک چیز کو چھوڑ دینا چاہیے"۔ احمد حسین بولے تھے۔

"ماموں جان! آپ جانتے ہیں کہ آپ سب کی دعاؤں سے وقت سے پہلے مجھے اتنی اچھی جاب مل گئی ہے، اس میں آگے بڑھنے کے مواقع بہت زیادہ ہیں، سو میں جاب چھوڑ کر ناشکری نہیں کرنا چاہتا، جبکہ میرے ہاتھ میں ابھی ڈگری بھی نہیں ہے اور جہاں تک بات ہے اکیڈمی کی تو میں وہاں ایکسپیرینس کے لیے اپنا وقت دے رہا ہوں، کیونکہ آپ کو بھی

پتہ ہے کہ میں اپنی اکیڈمی شروع کرنا چاہتا ہوں"۔ وہ سنجیدگی سے تفصیل بتا رہا تھا۔

"تو پھر کب شروعات کر رہے ہو؟" احمد حسین نے پوچھا تھا۔

"بس ایگزامز کے فوراً بعد"۔ وہ بولا تھا۔

"عثمان میرے ساتھ ہوگا، مزید کچھ فرینڈز ہیں میرے جو اس کام میں میرے ساتھ ہوں گے"۔

"پھر تو تم رات میں بھی گھر آ کر شکل نہیں دکھاؤ گے"۔ فاطمہ بول اٹھی تھیں اور پھر شوہر کو دیکھا تھا۔

"آپ کو جو بات کرنی ہے وہ کر لیں پہلے، اس نے ابھی کھانا بھی نہیں کھایا ہے"۔

"کیا بات کرنی تھی آپ کو، میں تو پوچھنا ہی بھول گیا؟" عارش مکمل طور پر ان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"آج عثمان کی والدہ آئی تھیں، بتا رہی تھیں کہ برہان آ رہا ہے، اس کے واپس جانے سے پہلے وہ اس کی شادی کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں"۔ احمد حسین بولے تھے۔

"مانی سے مجھے معلوم ہوا تھا، مگر اس میں ایسی کیا بات ہے؟" کچھ الجھے انداز میں اس نے فاطمہ کو دیکھا تھا۔

"باتوں باتوں میں وہ خرمن کے لیے ارادہ ظاہر کر گئی ہیں"۔ فاطمہ کے انکشاف پر وہ دنگ نظروں سے انہیں دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔

"ان کی باتوں سے اندازہ ہوا ہے کہ وہ باقاعدہ طور پر عروسہ کے ساتھ رشتہ لے کر آئیں گی"۔ فاطمہ کے مزید کہنے پر عارش کے تاثرات بالکل سپاٹ ہو گئے تھے۔

"آپ دونوں کیا سوچ رہے ہیں اس بارے میں؟" رکی سانسوں کے ساتھ اس نے دونوں کو ہی دیکھا تھا۔

"دیکھا جائے تو عثمان کے گھر والوں سے ہمارے تعلقات اس وقت سے ہی مضبوط ہیں جب ہم اس شہر میں آ کر آباد ہوئے تھے، گھر آنگن ایک رہا ہے، برہان اچھا لڑکا ہے، دور جانے کے باوجود وہ ہم سے اسی طرح رابطے میں ہے جس طرح اپنے گھر والوں سے، اس بارے میں کچھ تو سوچنا پڑے گا"۔ احمد حسین کے سنجیدہ لہجے پر وہ خاموش نہیں رہ سکا تھا۔

"اس بارے میں سوچنے سے پہلے آپ کو یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ خرمن کے لیے آپ کسی پر اتنا بھروسہ کر سکتے ہیں کہ اس کی حقیقت سب کے سامنے کھول دیں؟" اس کے سوال پر احمد حسین نے ایک نظر فاطمہ کو دیکھا تھا۔

"عارش! کسی نہ کسی پر بھروسہ تو کرنا ہی پڑے گا، آخر خرمن کی شادی کہیں نہ کہیں تو کرنی ہے، پھر ہم ان پر بھروسہ کیوں نہ کریں جو ہمارے قریب ہیں؟" فاطمہ متفق نہیں ہوئی تھیں۔

"آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہیں کہ خرمن کے بارے میں سب کچھ جان کر بھی عثمان کے گھر والے کوئی اعتراض نہیں اٹھائیں گے؟" عارش نے کہا تھا۔

"کیونکہ برسوں سے ان سے تعلق داری ہے، اتنا عرصہ کافی ہے فیصلہ کرنے کے لیے کہ کس پر بھروسہ کریں کس پر نہیں"۔ قطعی لہجے میں بول کر فاطمہ نے احمد حسین کو دیکھا تھا۔

"ہم انکار نہیں کریں گے، ہمیں یہ رشتہ قبول کرنا ہے، میں خرمن کو اپنے گھر میں آباد ہوتا دیکھنا چاہتی ہوں"۔

"مامی! یہ سب اتنا آسان نہیں ہے، اس طرح جذبات میں آ کر آپ خرمن کا پردہ کسی کے سامنے نہیں اٹھا سکتیں، وہ

شخص چار سال سے امریکا میں زندگی گزار رہا ہے اور اس عرصے میں بہت کچھ بدل جاتا ہے، آپ صرف شادی پر فوکس کر رہی ہیں، زندگی خرمن نے گزارنی ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ راضی نہیں ہوگی اور اگر کسی دباؤ میں آ کر اس نے سر جھکا بھی دیا تو وہ کس طرح ایڈجسٹ کر سکے گی؟ یہاں اور امریکا کی زندگی میں بہت فرق ہے، آپ اس کی آگے کی زندگی کے بارے میں بھی تو سوچیں''۔ ناگواری چھپائے وہ بولا تھا۔

''تم کیا چاہتے ہو، میں تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں''۔ احمد حسین پوچھ رہے تھے، جواباً ایک پل کو رک کر عارش نے فاطمہ کو بھی دیکھا تھا۔

''انکار کر دیں''۔ وہ بولا تھا۔

''ایسے کیسے انکار کر دیں، اتنا اچھا رشتہ ہے، میں اسے ٹھکرا نہیں سکتی''۔ فاطمہ فوراً ہی بولی تھیں۔

''مامی! یہ سب قبل از وقت ہے، خرمن نے ابھی دنیا کو دیکھنا شروع کیا ہے، وہ ایم۔اے کی تیاری شروع کر رہی ہے، بیوٹیشن بننے کا خواب دیکھ رہی ہے اور آپ جلد بازی میں اسے پھر سے کنوئیں میں قید کر رہی ہیں''۔ وہ زچ ہو کر بولا تھا۔

''اسے جو کرنا ہے بعد میں بھی کر سکتی ہے، مجھے یقین ہے کہ لقمان بھائی اور عطیہ ہر صورت خرمن کو قبول کریں گے''۔ فاطمہ کسی صورت اپنے موقف سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

''مامی! اتنی توقعات کسی انسان سے وابستہ نہیں کرنی چاہئیں، آپ انکار کر دیں، ورنہ پھر مجھے خرمن سے بات کرنی پڑے گی''۔ وہ ناگواری سے بولا تھا۔

''تم اس سے کوئی بات نہیں کرو گے، ہمیں جو کرنا ہے کر لیں گے، اس معاملے میں تمہیں کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں، ابھی اتنے بڑے نہیں ہوئے تم''۔ فاطمہ کے ڈپٹنے والے انداز پر عارش نے احمد حسین کو دیکھا تھا، ان کی خاموشی اسے بہت کھٹکی تھی اس موقع پر۔

''ٹھیک ہے، پھر میں خاموش ہو جاتا ہوں، جب میری کسی بات کی اہمیت ہی نہیں ہے تو مجھ سے رائے لینی ہی نہیں چاہیے تھی، مجھے کوئی حق ہی نہیں آپ کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کا''۔ سرخ چہرے کے ساتھ وہ بولا تھا اور اگلے ہی پل تیز قدموں سے کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ریسٹ واچ پر ایک نظر ڈال کر وہ کھلتے گیٹ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''خرمن آ رہی ہے، مگر تم تو اندر آ جاؤ بلکہ آ ہی جاؤ، میں تمہارا فیشل کر دیتی ہوں''۔ بیلا کے چہکتے لہجے پر وہ مسکرایا تھا۔

''مجھے معاف کرو، اپنے ہنر مانی پر آزماؤ، اسے زیادہ ضرورت ہے''۔ عارش کی بات پر وہ کھلکھلائی تھی۔

''فاروق بھائی کو خبر ہے کہ ہمارے عثمان صاحب نت نئے ہیئر اسٹائل کے لیے تم سے رابطہ کرتے ہیں؟''

''اور زور سے بولو تاکہ اوپر بھائی تک آواز چلی جائے''۔ خشمگیں لہجے میں بولتی وہ خرمن کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''تم یہاں کھڑی ہو اور عروسہ آپی تمہاری پکاریں لگا رہی ہیں، جلدی جاؤ''۔ خرمن کی اطلاع پر وہ ان دونوں کو خدا حافظ کہتی اندر بھاگی تھی۔

''تم آج اکیڈمی نہیں گئے؟'' خرمن نے بغور اس کے تھکے تھکے چہرے کو دیکھا تھا۔

''نہیں، بس موڈ نہیں ہو رہا تھا''۔ اس سے نظر ملائے بغیر بولتا وہ بائیک کی طرف متوجہ ہو گیا تھا، ایک پل کو تو دل چاہا تھا کہ خرمن کو بتا دے کہ گھر میں کیا کھچڑی پک رہی ہے، اس کے بعد وہ یقیناً گھر سر پر اٹھا لے گی اور وہ اطمینان سے دیکھے گا، مگر وہ ایسا صرف سوچ کر رہ گیا تھا، گھر میں داخل ہو کر خرمن نے ایک نظر فاطمہ کو دیکھا تھا جو خاموشی سے گیٹ کھول کر واپس برآمدے کی طرف چلی گئی تھیں، جبکہ عارش کے تاثرات بھی سپاٹ ہی تھے، خرمن کے لیے یہ نئی بات نہیں تھی، عارش ایسے ہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر فاطمہ سے روٹھ جاتا تھا، جیسے کہ آج کل گاڑی کا مسئلہ چل رہا تھا، عارش گاڑی خریدنا چاہتا تھا، مگر فاطمہ مسلسل مخالفت کر رہی تھیں، ناراضی کی وجہ اسے یہی لگ رہی تھی۔

''امی! آپ کی بیسٹ فرینڈ ناراض ہے آپ سے، آپ تو اس کی سلام دعا سے بھی گئیں''۔ مسکراتے لہجے میں بولتے ہوئے خرمن نے اسے بھی دیکھا تھا جو خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے کی سمت چلا گیا تھا۔

''بابا کہاں ہیں؟'' تخت کے کنارے بیٹھتی وہ فاطمہ سے پوچھ رہی تھی۔

''نماز کے لیے گئے ہیں، کھانا تیار ہے، عارش سے بھی پوچھ لو یا میں پہلے نماز پڑھ لوں؟''۔ فاطمہ نے کہا تھا۔

''آپ پہلے نماز پڑھ لیں تب تک بابا بھی آ جائیں گے، ساتھ ہی کھانا کھا لیں گے''۔ سینڈلز کے اسٹریپ کھولتی وہ بولی تھی جبکہ فاطمہ وضو کے ارادے سے صحن کی طرف چلی گئی تھیں۔

کچھ دیر ستانے کی غرض سے وہ بھی تخت پر نیم دراز ہوئی تھی کہ گیٹ بج اٹھا تھا، دروازہ کھول کر اس نے حیرت سے عثمان کے بے انتہا سنجیدہ تاثرات کو دیکھا تھا۔

''عارش کہاں ہے؟''

''گھر میں ہی ہے، آ جاؤ یا یہیں بلاؤں اسے؟'' اس کی سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے اس نے مطلب کی ہی بات کی تھی۔

''اس کے پاس وقت کہاں ہے، ہم جیسے فارغ لوگوں سے ملنے کا، میں ہی جا کر حاضری دیتا ہوں''۔ ناگواری سے بولتا وہ اندر آیا تھا۔

''ہوا کیا ہے؟'' حیرانی سے پوچھتی وہ اس کے پیچھے ہی گئی تھی مگر وہ ان سنی کرتا سیدھا عارش کے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا، وہ جو جوتوں سمیت بیڈ پر دراز تھا عثمان کی آواز پر بیزاری سے اٹھ بیٹھا تھا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں، آخر مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟'' بگڑے تیوروں کے ساتھ عثمان پوچھ رہا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا، کیا ہونا ہے مجھے؟'' جوتے اتارتے ہوئے وہ بھی ناگواری سے ہی بولا تھا۔

''تم مسلسل مجھے اگنور کر رہے ہو اور کہتے ہو کچھ نہیں ہوا، تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے یا میں تمہیں پاگل نظر آ رہا ہوں؟'' عثمان ہتھے سے اکھڑا تھا۔

''میں اس وقت تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا، بہتر ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ''۔ عارش کے سخت ناگوار لہجے پر جہاں خرمن دنگ تھی وہیں عثمان بھڑک اٹھا تھا۔

''تمہارے حکم کا غلام ہوں کہ جب چاہو گے بلاؤ گے، جب چاہو گے دھتکار دو گے، کیا غلط کیا ہے میں نے تمہارے ساتھ؟ لینڈ لارڈ ہو گئے ہو جو دماغ آسمان پر پہنچ گیا ہے''۔ عثمان دھاڑا تھا۔

"میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا، تم چلے کیوں نہیں جاتے یہاں سے؟" عارش کی آواز بھی بلند ہوئی تھی۔

"کیا ہوا ہے تم دونوں کو، کیوں اس طرح بات کر رہے ہو؟" مزید ضبط کیے بغیر خرمن نے غصیلی نظروں سے دونوں کو دیکھا تھا۔

"یہ بات کرنے کے لائق نہیں ہے، اس سے اب بات کریں گے میرے جوتے"۔ عثمان نے خونخوار نظروں سے عارش کو دیکھا تھا۔

"اور میں اسی جوتے سے تمہارا حشر بگاڑوں گا سمجھے تم؟" عارش کا چہرہ دہک اٹھا تھا۔

"عارش! بالکل آواز بند کرلو اپنی، اگر عثمان نے کچھ غلط کیا بھی ہے تو.....!"

"واہ! کمال ہوگیا، بہت اچھی بات کی ہے"۔ عثمان کے استہزائیہ لہجے پر وہ رکی تھی۔

"کیا مطلب ہے، کمال ہوگیا، ایک دوسرے کے بخیئے ادھیڑ رہے ہو، یہ کمال ہے؟" خرمن نے بھڑک کر عثمان کو دیکھا تھا۔

"تمہیں کیسے الہام ہوگیا کہ میں ہی غلط ہوں، تم اس کی زبان نہیں دیکھ رہی ہو، اسی کی طرفداری کر رہی ہو، میں اسے بے عزت کر رہا ہوں یا وہ مجھے بے عزت کر رہا ہے؟" عثمان کا فیوز مکمل اڑ چکا تھا۔

"بات تو سن لیا کرو عثمان، ذرا سی بات برداشت نہیں ہوتی تم سے، کیا ایسے ہائپر ہو رہے ہو؟" خرمن نے اسی طرح اسے جھڑکا تھا۔

"مجھے اب کچھ نہیں سننا، جو کچھ کہنا سننا ہے اس بزدل انسان کو سناؤ"۔ عثمان نے شعلہ بار نظروں سے عارش کو دیکھا تھا۔

"بزدل، کسے کہہ رہے ہو تم، مجھے بزدل کہا تم نے؟" عارش بھڑک کر اس کی طرف بڑھا تھا۔

"جو انسان سچ بول سکے نہ سچ قبول کر سکے اسے بزدل نہیں کہوں تو کیا کہوں؟ تم بھی جانتے ہو کہ تم.....!" عثمان کی بات ادھوری رہ گئی تھی، عارش کے دھکے پر وہ بری طرح لڑکھڑایا تھا۔

"عارش! یہ کیا کر رہے ہو تم، پاگل ہو گئے ہو؟" خرمن نے ہول کر اسے روکا تھا۔

"تم درمیان میں مت آؤ"۔ خرمن کا ہاتھ جھٹکتا وہ جس طرح اس پر غرایا تھا ایک پل کے لیے تو وہ دق رہ گئی تھی، مگر اگلے ہی لمحے پلٹ کر باہر فاطمہ کو آوازیں دیتی بھاگی تھی، جبکہ عارش دوبارہ عثمان کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

"میں اگر بزدل تھا بھی تو اب نہیں رہا ہوں، سمجھے تم؟" وہ عثمان پر بھڑکا تھا۔

"اگر اتنے ہی ہمت والے بن چکے ہو تو کروا دو انکار، مجھے کس بات کا طعنہ دے رہے ہو، میں نے اپنا رشتہ بھیج کر تمہاری پشت پر خنجر نہیں گھونپا ہے"۔ بھڑکتے لہجے میں عثمان غرایا تھا اور اگلے ہی پل اس کے رخ چہرے سے نظر ہٹاتا پلٹ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

فاطمہ کے مسلسل پکارنے پر بھی وہ اپنی جلتی آنکھیں کھولنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"تم کچھ کھاؤ گے نہیں تو دوا کیسے دوں گی؟ اس طرح تو تمہارا سر درد اور بڑھتا جائے گا"۔ فاطمہ نے اسے سمجھانے کی

کوشش کی تھی۔

"آپ میرے سر سے ہاتھ تو نہ ہٹائیں، پھٹ رہا ہے میرا سر"۔ وہ بچوں جیسے انداز میں جھلایا تھا۔

"دنیا ادھر کی ادھر ہوجائے عارش! مگر تمہارے سر میں درد نہ ہوا کرے، میرا دم خشک کر دیتے ہو تم"۔ اس کا سر دباتے ہوئے وہ ناراض ہوئی تھیں۔

"چلو اب اٹھ جاؤ، خرمن نے نماز پڑھ لی ہوگی، میں نے اس سے کہہ دیا ہے دم کر دے گی تو درد ختم ہو جائے گا"۔ اس بار فاطمہ نے زبردستی اس کا بازو پکڑ کے اٹھایا تھا۔

"اب اتنا بیمار بھی نہیں ہوں، چلا جاؤں گا خود"۔ اپنا بازو ان کی گرفت سے نکالتے ہوئے عارش کو غالباً اپنی ناراضی یاد آ گئی تھی۔

"تم چلو، میں یہ دودھ دوبارہ گرم کر لاؤں، تمہاری ضد میں ٹھنڈا ہو چکا ہے"۔ فاطمہ اس کے پیچھے ہی کمرے سے نکلی تھیں۔

دروازے پر دستک دے کر وہ کمرے میں داخل ہوا تھا، پہلی نظر اس پر ہی گئی تھی جو جاء نماز پر موجود دعا مانگنے میں مصروف تھی، سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کے پرسکون چہرے پر ایک عجیب سی چمک پھیلی تھی، بند پلکوں کی لرزش نے اس کے دل کو مزید بوجھل کر دیا تھا، سینے کا بوجھ بڑھتا چلا گیا تھا، مخملی بیڈ پر گرتے ہوئے وہ چہرہ تکیے میں چھپا گیا تھا، سر کے پچھلے حصے میں لگتی ضربیں ناقابل برداشت تھیں، خرمن کے فارغ ہونے تک فاطمہ اس کے سرہانے بیٹھیں اس کا سر دباتی رہی تھیں۔

"امی! ذرا پرے ہٹیں، یہ ڈرگز تو نہیں لینے لگا؟" بیڈ کی طرف آتی وہ ناگواری سے بولی تھی۔

"سوچ سمجھ کر بولا کرو خرمن!" فاطمہ نے فوراً اسے ڈپٹا تھا۔

"آپ کو کیا پتہ، یہی عمر ہوتی ہے نت نئی لتیں پالنے کی، اس کی مشکوک حرکتیں یہ شک پیدا کر رہی ہیں"۔

"مامی! میں ابھی اسی وقت جہنم میں چلا جاؤں گا"۔ تکیے میں چہرہ چھپائے وہ احتجاجاً بولا تھا۔

"خرمن! اب کوئی فضول بات مت کرنا، تم دیکھ رہی ہو اس کی کتنی طبیعت خراب ہے"۔ فاطمہ کے سختی سے ٹوکنے پر وہ بس سر جھٹک کر رہ گئی تھی۔

"اب تم خاموشی سے اس کے سر پر دم کرو، میں گرم دودھ لاتی ہوں، دوا کھائے گا تو درد اور بخار کم ہوگا"۔ اسے ہدایت دے کر فاطمہ کمرے سے نکل گئی تھیں، دوسری جانب وہ تکیے میں ہی چہرہ چھپائے اس کے قریب آنے کا منتظر تھا، مگر خرمن جانے کہاں مصروف ہوگئی تھی، فاطمہ کی پکار اسے نیم غنودگی سے نکال لائی تھی۔

"جلدی اٹھ کر دودھ کے ساتھ ٹیبلیٹ کھاؤ، ورنہ میں کچھ نہیں کروں گی"۔ خرمن کی دھمکی کارگر ہوئی تھی، ٹیبلیٹ کے ساتھ اس نے دودھ کے چند گھونٹ مجبوراً لیے تھے کیونکہ جانتا تھا وہ اپنی بات منوائے بغیر قریب بھی نہیں آئے گی، وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک تھی، دعا کے ساتھ دوا بھی تو ضروری ہوتی ہے، اس کے سر میں بہت تھکن کے باوجود ہلکا سا بھی درد نہیں ہوتا تھا، مگر جب ہوتا تو برداشت سے باہر ہو جاتا تھا، ایسے میں خرمن سر درد کی مخصوص دعا، مخصوص انداز میں پڑھتی تو بہت سکون ملتا تھا۔

نیم غنودگی میں اسے تازہ گلابوں کی مدھم مہک اپنے دل و دماغ میں اترتی محسوس ہو رہی تھی، نرم انگلیاں اب اس کے بالوں میں سرسرا رہی تھیں، اس لمس میں جادو بھرا تھا، شانے پر اس کے ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ محسوس ہوا تھا، سیدھا ہوتے ہوئے سر میں شدید قسم کی ٹیس اٹھی تھی، مدھم سی کراہ اس کے لبوں سے نکلی تھی، لہورنگ آنکھیں ایک پل کے لیے ذرا کھول کر اس نے دیکھا تھا، وہ اب اس کی پیشانی کو نرمی سے سہلاتی زیرلب کچھ پڑھ رہی تھی، اپنی پیشانی پر گہرے گداز لمس کو محسوس کرتے ہوئے اسے اپنا سراور وجود بہت ہلکا پھلکا ہوتا محسوس ہو رہا تھا، کوئی تعجب کی بات نہیں تھی کہ اگر اس وقت وہ دنیا کو بھی بھول رہا تھا، چند لمحوں میں ہی وہ گہری نیند میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔ اس پر کمبل پھیلاتے ہوئے وہ دروازے کی طرف متوجہ ہوئی تھی، احمد حسین کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ورنہ یہ اس وقت نہیں سوتا ہے''۔ کچھ تشویش سے احمد حسین نے عارش کی پیشانی کو چھوا تھا۔

''اسے تو جب موقع ملتا ہے، یہ سو جاتا ہے، فکر مت کریں صبح تک ٹھیک ہو جائے گا''۔ وہ کوفت سے بولی تھی۔

''اب اسے جگانا نہیں، یہیں سونے دو، بلکہ میرا بستر بھی یہیں نیچے لگا دو، رات میں کہیں اس کا بخار بڑھ نہ جائے، میں دیکھتا رہوں گا''۔ احمد حسین کی تشویش عارش کے زرد چہرے کو دیکھتے ہوئے مزید بڑھ گئی تھی، پہلے ہی وہ اپنی ناراضی کی وجہ سے گھر میں بات چیت بہت کم کر چکا تھا اور یہی نہیں وہ کافی ڈسٹرب بھی دکھائی دیا تھا، عثمان سے اس کی تلخ کلامی کی خبر ملنے کے بعد احمد حسین موقع ڈھونڈ رہے تھے اس سے بات کرنے کا جو کہ ابھی تک نہیں ملا تھا۔

☆.....☆.....☆

اس کے ہاتھ سے پلیٹ چھوٹ کر گری تھی، جب فاروق بلند آواز میں اسے پکارتے شدید طیش میں کچن کے اندر داخل ہوئے تھے۔

''تمہیں کب سے شوق ہوا ہے غیر مردوں کی تصویریں اپنے موبائل میں سجا کر رکھنے کا؟'' ان کی دھاڑ پر وہ بس ساکت نظروں سے اسکرین پر نظر آتے عثمان کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''کون سی زبان سمجھتی ہو تم، کس زبان میں سمجھاؤں تمہیں؟'' شدید طیش میں وہ سیل فون کھڑکی کی جانب پھینکتے اسے باہر اچھال گئے تھے، بیلا کا چہرہ خوف سے سفید اور زبان گنگ ہو گئی تھی، وہ سرعت سے عروسہ کی طرف گئی تھی جو فاروق کے پیچھے ہی آئی تھیں۔

''آخر کون سی قیامت آ گئی ہے، اور کون سے غیر مردوں کی بات کر رہے ہیں آپ؟ اپنے بھائی کے لیے میں مزید آپ کی یہ باتیں برداشت نہیں کروں گی''۔

''میں بھی اپنے گھر میں تم سب کی من مانیاں برداشت نہیں کروں گا، سنا تم نے؟'' بلند آواز میں انہوں نے عروسہ کی بات کاٹی تھی۔

''اپنے بھائی کو تم اپنی حد تک محدود رکھو، اس بے شرم لڑکی کو پتہ ہونا چاہیے کہ اس کی حدود کیا ہیں''۔ ایک بار پھر انہوں نے خونخوار نظروں سے بیلا کو دیکھا تھا جو عروسہ کی پشت پر چہرہ چھپائے لرز رہی تھی۔

''کس طرح بات کر رہے ہیں آپ؟ یہ آپ کی بہن ہے، ایسا کیا کر دیا ہے اس نے جو آپ اسے بے شرم کہہ رہے

ہیں، ایسا کیا دیکھ لیا ہے آپ نے؟'' عروسہ کو بیلا کی سسکیوں نے غصے میں بھڑکا دیا تھا۔

''جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تمہیں نظر نہیں آ سکتا، یہ سب تمہاری لاپروائی کا نتیجہ ہے، آنکھیں بند کر کے تماشہ دیکھتی رہی ہو تم''۔ وہ مزید غصے میں بھڑکے تھے۔

''آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں، کون سے تماشے لگوا دیئے ہیں میں نے آپ کے گھر میں؟'' عروسہ دنگ ہوئی تھیں۔

''میرا منہ مت کھلواؤ، ورنہ.....!'' یکدم رک کر وہ فاران کی طرف متوجہ ہوئے تھے جو بیلا کے سیل فون کے ٹوٹے پرزے ہاتھ میں پکڑے وہاں موجود تھا۔

''اسے اپنی زبان میں سمجھا دو کہ اگر یہ اسی طرح میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کا کھیل کھیلتی رہی، تو ایک دن اپنی جان سے جائے گی''۔ وہ پھر عروسہ کی طرف متوجہ ہوتے بھڑکے تھے۔

''پاپا! آنی کو نہیں معلوم کہ ان کے سیل میں مانی ماموں کی پکچرز ہیں، آنی کا فون ایک ہفتے سے میرے پاس ہے، کل نانو کے گھر میں، میں نے یہ تصویریں لی تھیں''۔ شدید ناراضی سے باپ کو دیکھتے ہوئے فاران نے حقیقت بتائی تھی۔

''تمہیں کوئی ضرورت نہیں تھی یہ سچ بتانے کی، کیونکہ یہ وہی سوچیں گے جو یہ سوچنا چاہتے ہیں''۔ سلگتی نظروں سے عروسہ نے ان کے تنے ہوئے تاثرات کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل بیلا کا ہاتھ پکڑے اسے کچن سے لے گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

آج پارلر آف تھا، مگر عروسہ نے اسے کال کر کے گھر آنے کے لیے کہا تھا، فون پر وہ بس یہی بتا سکی تھیں کہ بیلا کی طبیعت خراب ہے، اس کے بعد وہ رہ نہیں سکی تھی، روزانہ احمد حسین شاپ سے دوپہر میں واپس آتے تھے اور خرمن کو عروسہ کی طرف چھوڑ کر دوبارہ شاپ پر چلے جاتے تھے، آج انہیں بھی پارلر آف ہونے کا پتہ تھا سو وہ نہیں آئے تھے، عارش کے یہ آفس میں ورکنگ آورز تھے، اس وقت عثمان ہی دستیاب ہو سکتا تھا، عارش سے جھڑپ کے بعد یہ غنیمت ہی تھا کہ وہ اسے ساتھ لے جانے کے لیے آ گیا تھا یا پھر بیلا کی طبیعت کی خرابی کا سن کر وہ انکار نہیں کر سکا تھا۔

عثمان کے ہمراہ جب وہ عروسہ کے گھر پہنچی تو ان کے تاثرات نے ہی معاملے کی سنگینی کا احساس دلا دیا تھا، عثمان کو ان کے پاس چھوڑ کر وہ سیدھی بیلا کے کمرے کی طرف چلی آئی تھی، بیلا کے ست ہوئے چہرے اور سوجی سرخ آنکھوں کو دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئی تھی۔

''بیلا! کیا ہوا ہے تمہیں، کیوں کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے تم نے؟'' خرمن کا یہ پوچھنا قیامت ہو گیا تھا، اس کے شانے سے لگتی وہ اس طرح کلس کلس کر روئی تھی کہ خرمن کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے، اسے خاموش کروانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ دروازے کی سمت متوجہ ہوئی تھی، عثمان کے پیچھے عروسہ بھی کمرے میں داخل ہوئی تھیں جبکہ عثمان کی وہاں موجودگی نے بیلا کے آنسوؤں میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

''آپ کے شوہر کو مجھ سے پرخاش ہے تو مجھ سے وہ بات کیوں نہیں کرتے، بیلا کو کیوں تختہ مشق بنا لیا ہے انہوں نے، کیوں اسے اذیت کا نشانہ بنا کر رکھا ہوا ہے انہوں نے؟'' عثمان مشتعل انداز میں عروسہ سے پوچھ رہا تھا جو خاموش تھیں۔

''صرف آپ کی وجہ سے لحاظ کرنا پڑتا ہے، ورنہ سبق سکھا دوں اس شخص کو''۔

"کس شخص کو سبق سکھاؤ گے، کس شخص کے بارے میں یہ بکواس کر رہے ہو، وہ شخص تمہاری بہن کا شوہر ہے، اس کے بچوں کا باپ ہے، اس کی عزت نہیں کر سکتے تو منہ بند رکھو، ورنہ زبان کھینچ لوں گی تمہاری"۔ عروسہ نے شدید غصے میں عثمان کو دیکھا تھا۔

"انہوں نے مجھے کتنی عزت دی ہے جو ان کے لیے آپ اب بھی مجھ سے عزت کی توقع رکھتی ہیں؟" عثمان بھڑک کر بولا تھا۔

"کام بھی تو کرو عزت لینے والے، ساری دنیا میں تمہیں یہی ایک ملی تھی اور اسے تم ملے تھے، میری تو زندگی اجیرن کر دی ہے تم سب نے مل کر"۔ عروسہ بولی تھیں۔

"زندگی تو میں اجیرن کر دوں گا، اگر ان کی وجہ سے بیلا کو کوئی نقصان پہنچا"۔ وہ بری طرح کھول اٹھا تھا۔

"کچھ نہیں ہوگا اس مہارانی کو، یہ بس اسی طرح ساری زندگی مجھے بھیا اور محبوب کے درمیان پستی رہے گی"۔ عروسہ نے جس طرح تلملا کر بیلا کو دیکھا تھا، اسے کندھے سے لگائے بیٹھی خرمن بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپا سکی تھی۔

"بھائی کے دو جملے برداشت نہیں ہوئے، کھانا پینا تک چھوڑ کر بیٹھی ہے"۔ عروسہ مزید بیلا پر بگڑی تھیں۔

"بھائی اپنی بہن کو غیر مردوں کا طعنہ نہیں دیتے، چھوٹے بڑوں کے سامنے ذلیل نہیں کرتے"۔ بیلا روتے ہوئے ہی چیخی تھی۔

"کیا کہہ رہی ہے یہ؟" بری طرح دنگ ہو کر عثمان نے عروسہ سے تصدیق چاہی تھی جو اس کی جانب دیکھ بھی نہیں سکی تھیں۔

"وہ میرا کوئی لحاظ نہیں رکھتے، آپ برداشت کر لیں، مگر وہ بیلا کے لیے اس حد تک چلے گئے آپ نے کیسے برداشت کر لیا؟" عثمان سرخ چہرے کے ساتھ بولا تھا۔

"خرمن! میں اس کے لیے کھانا نکال رہی ہوں، آ کر لے جاؤ، یہ کھاتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ چھوڑ دو اسے اس کے حال پر"۔ عثمان کی بات سنی ان سنی کیے وہ خرمن سے مخاطب ہوتیں کمرے سے نکل گئی تھیں۔

"عثمان! تمہیں آپی کی پوزیشن کو سمجھنا چاہیے، فاروق بھائی ان کے شوہر ہیں، وہ ایک حد کے اندر رہ کر ہی تم دونوں کو سپورٹ کر سکتی ہیں اور تم بھی یقیناً یہ نہیں چاہو گے کہ ان کے فاروق بھائی سے تعلقات خراب ہوں"۔ خرمن نے ایک ہلکی سی کوشش کی تھی عثمان کو سمجھانے کی۔

"اور تم اٹھو، ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھاؤ میرے سامنے، جسے آنسو کھانے تھے وہ دیکھ چکا ہے، اب تم یہ رونا بند کرو"۔ بیلا کو گھرکتے ہوئے خرمن نے اسے واش روم تک چھوڑا تھا اور پھر کھانا لینے کمرے سے نکل گئی تھی، واش روم سے باہر آتے ہوئے بیلا نے اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا اور پھر مزید اس کے قریب آ گئی تھی۔

"مجھے معاف کر دو، میری وجہ سے بھابی کے ساتھ تم بھی ڈسٹرب ہو گئے"۔ نظر جھکائے وہ شرمندہ لہجے میں بولی تھی، دوسری جانب وہ چند لمحوں تک اس کے چہرے پر چمکتی پانی کی بوندوں کو دیکھتا رہا تھا اور پھر دھیرے سے اس کا نم ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا، نظر اٹھانے پر وہ مجبور ہو گئی تھی، مگر اس کی سحر انگیز آنکھوں میں دیکھتی اسے یہ نہیں بتا سکی تھی کہ اس کے ہاتھ کی مضبوط گرفت کتنی ڈھارس دے رہی تھی، وہ ایک ہی پل میں خود کو کتنا محفوظ تصور کرنے لگی ہے۔

"میری وجہ سے تمہیں ان کا سخت رویہ برداشت کرنا پڑتا ہے"۔ وہ بجھے لہجے میں بولا تھا۔

"تمہارے لیے میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں، کم از کم اتنا تو کر ہی سکتی ہوں، بھابی کی طرف سے بدگمان مت ہوا کرو مانی! وہ ہمارے لیے بہت فکر مند رہتی ہیں، ان کو ناراض مت کیا کرو"۔ اس کے مدھم لہجے پر وہ اثبات میں سر ہلاتا پلٹ کر خرمن کی طرف متوجہ ہوا تھا جو کھانے کی ٹرے اٹھائے مسکراتے چہرے کے ساتھ آ رہی تھی۔

"آج میری گرل فرینڈ، میری ایکس گرل فرینڈ کے ساتھ کھانا کھائے گی"۔ عثمان نے اعلان کیا تھا۔

"شکل دیکھ لو آئینے میں"۔ خرمن نے فوراً ہی ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

"میں کچھ دیر بعد آ کر تمہیں ساتھ لے جاؤں گا"۔ خرمن کو مخاطب کرتا وہ دروازے کی سمت بڑھا تھا، اس سے پہلے کہ گود میں اپنے بیٹے کو اٹھائے عروسہ اندر آتیں اس نے لپک کر انہیں بازوؤں میں بھینچ لیا تھا۔

"کیا مصیبت ہے، دفع ہو جاؤ یہاں سے"۔ جھنجھلا کر چیختے ہوئے عروسہ نے اسے دو چار ہتھڑ بھی لگانے چاہے تھے جو سرعت سے باہر نکل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

کمپیوٹر اسکرین سے نظر ہٹاتا وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو آدھی سوئی جاگی کیفیت میں اندر داخل ہوئی تھی۔

"اب کیا ساری رات اس منحوس کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے رہو گے؟" کچھ خوابیدہ مگر ناگوار لہجے میں وہ بولی تھی۔

"تمہارا بس چلے تو دن رات میرے کمرے میں ہی ڈیرہ ڈالے رکھو"۔ بڑبڑاتی ہوئی وہ اب اپنا اسکارف سر سے اتارتی واش روم کی سمت جا رہی تھی، کچھ دیر بعد وہ کاٹن کے ہلکے پھلکے لباس میں ملبوس واش روم سے برآمد ہوئی تھی اور اسکارف بیڈ کی سمت اچھالتی ڈریسنگ کے سامنے جا رکی تھی۔

"عثمان سے صلح کر لو، وہ بے چارا پہلے ہی بہت ڈپریسڈ ہے"۔ خرمن کی آواز پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا تھا، دوپٹے سے قطعی بے نیاز وہ بالوں میں برش پھیر رہی تھی، جواباً عارش نے نہ کچھ کہا تھا اور نہ ہی دوبارہ کمپیوٹر اسکرین سے نظریں ہٹائی تھیں، بیڈ کے سرہانے پچھلے صحن کی طرف کھلتی کھڑکی کے پردے پھیلاتے ہوئے وہ رکی تھی، اوپر آسمان پر پورا چاند بہت حسین لگ رہا تھا، پردے واپس پٹختی وہ پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"عارش! جاتے ہوئے ٹھیک طرح دروازہ بند کر کے جانا اور باہر کی گرلز بھی چیک کر لینا"۔ لائٹ آف کرتے ہوئے وہ عارش کو ہدایت دیتی بیڈ پر آ گئی تھی۔

کمپیوٹر کی تاریک اسکرین سے نظر ہٹاتا وہ کرسی سے اٹھ گیا تھا، نظر بیڈ تک گئی تھی جہاں وہ گہری نیند سو چکی تھی، وہ جانتا تھا کہ اسے کسی گستاخی کی اجازت نہیں، اسے فوراً کمرے سے نکل جانا چاہیے، مگر اسے معلوم ہی نہیں ہوا تھا کہ کس وقت اس کے قدم بیڈ کی سمت بڑھ گئے تھے، کمرے میں پھیلی مدھم نیلگوں روشنی میں کھڑکی کے بندشیشوں سے چھن کر آتی چاند کی تیز روشنی مدغم ہوتی اس کے وجود کے گرد گھیرا ڈالے پہرے داری کر رہی تھی، اس کی لانبی گھنی پلکوں کے سائے عارض پر ٹھہرے ہوئے تھے، یہ رات، یہ گزرتے لمحے سب کچھ جیسے تھم سا گیا تھا، یہاں تک کہ اس کی سانسیں بھی، چند قدم کے فاصلے پر رکا، ساکت نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھتا وہ پہلی بار اپنے دل میں جھانکنے کی جرأت کر رہا تھا، پہلی بار اس کا دل بلا خوف و خطر اعتراف کر رہا تھا کہ وہ پور پور اس کی محبت میں اس کی جستجو میں غرق ہے، جو ہر چیز سے غافل نیند کی سنہری

وادیوں میں اتری ہوئی تھی، وہ اپنے دل کی دھڑکن رکتی محسوس کر رہا تھا، اس سچ کو قبول کرتے ہوئے کہ وہ تو شاید صدیوں پہلے سے اس کی روح میں گھل مل چکی ہے، اس کی سانسوں کے ساتھ سانس لے رہی ہے، شاید اس کے وجود کا حصہ بن چکی ہے، یہ سب کب اور کیسے ہوا؟ اس کا جواب ڈھونڈنے کا وقت گزر چکا تھا اور پتہ بھی نہیں چلا، اس کی چاہت رگوں میں اتارے وہ اسی طرح پرسکون رہتا جس طرح کچھ دن پہلے تھا، اگر سکون کی اس خاموش جھیل میں برہان کے نام کا کنکر نہ گرا ہوتا، ایک بھیانک ہلچل تھی جو اس کی زندگی میں ہی نہیں اس کے دل و دماغ میں بھی مچ گئی تھی، کسی نے ایک دم سے اسے راستے سے ہٹا کر بھٹکا دیا تھا، دربدر کر دیا تھا، برہان ہر طرح سے ہر لحاظ سے اس سے کئی درجے بہتر تھا، یہ سچ اذیت بن کر اسے نگل رہا تھا، فاطمہ اور احمد حسین کا اس رشتے کی طرف جھکاؤ اس کی زندگی کو تہس نہس کر رہا تھا، وہ احمد حسین اور فاطمہ کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ دونوں بے خبری میں اس پر کیسی قیامت توڑنے جا رہے ہیں، اس سے کیا کچھ چھین رہے ہیں مگر.....وہ اپنی زبان سے ان کے سامنے یہ اعتراف نہیں کر سکتا تھا، جس کا سامنا وہ خود آج رات کے اس پہر خود سے کرنے پر مجبور ہوا تھا، خاموش رہ کر وہ اپنا سب کچھ آگ کی نظر کرنے کے لیے تیار نہیں تھا، مگر دل کا حال زبان تک لانے کے بعد بھی تو سب کچھ ختم ہو سکتا تھا، اسی شش و پنج میں اس کا لمحہ لمحہ عذاب بن رہا تھا، بھوک، پیاس، مسکرانا تک وہ بھول گیا تھا، جلتی آنکھوں سے اس کے خوابیدہ چہرے کو دیکھتا وہ دو قدم مزید آگے بڑھا تھا، یکدم دل چاہا تھا کہ اسے جھنجھوڑ کر نیند سے بیدار کر دے، اسے چیخ چیخ کر بتائے کہ وہ اس کے ساتھ کیا کچھ کر چکی ہے، کس دوراہے پر وہ اس کی وجہ سے پہنچ چکا ہے، اس کی نیند اڑا کر وہ کس طرح پرسکون نیند سو سکتی ہے، آخر کیوں وہ اس کے جذبوں سے بے خبر اسے پل پل مر کر جینے کے لیے تنہا چھوڑ سکتی ہے؟ سینے میں بھرتا غبار اسے پاگل کر رہا تھا، اسے فیصلہ کرنا تھا، اس غبار کو نکالنا تھا، انجام چاہے کچھ بھی ہو، مگر اسے ہر حال میں اپنی ڈوبتی ناؤ کو بچانا تھا، اسے حاصل کرنا تھا، بس چند لمحے لگے تھے اسے اپنے فیصلے پر غور کرنے میں، دل کو کچھ سہارا ملا تھا، گہری سانس لے کر اس نے اپنے اندر کی گھٹن کو کچھ کم کرنے کی کوشش کی تھی۔

واپس پلٹنے سے پہلے اس نے دھیرے سے خرمن کے پیروں کے پاس رکھی نرم و ملائم چادر احتیاط سے اس کے وجود پر پھیلاتے ہوئے شانوں تک پہنچائی تھی، اس کی سانسوں کے اتار چڑھاؤ اس کی نیند کی گہرائی کا پتہ دے رہے تھے، اس کا خوابناک چہرہ تکیے پر ایک جانب ڈھلکا ہوا تھا، اس طرح کے شہ رگ کے نیچے جاگتا دودھیا ماہ نیم بہت واضح ہو رہا تھا، وہ اپنی نظریں اس نشان سے نہیں ہٹا سکا تھا، جس نے اس کی چوری پکڑ لی تھی، قدم پیچھے ہٹاتے ہوئے وہ یکدم ساکت ہوا تھا، نیند میں ہی وہ کروٹ لے رہی تھی، فل اسپیڈ میں چلتے پنکھے کی تیز ہوا سے اس کی نازک پشت پر سیاہ بال بکھرتے اسے احساس دلا رہے تھے کہ رات کتنی خوبصورت، کتنی پرفسوں ہے، دبے قدموں وہ مزید پیچھے ہٹا تھا اور پھر پلٹ کر دروازے کی سمت بڑھ گیا تھا، برآمدے تک آنے کے بعد بھی اس کی سانسیں بحال نہیں ہوئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

اس کے پارلر جانے کا ٹائم قریب تھا، احمد حسین آنے والے تھے، گرمی کی شدت کو دیکھتے ہوئے وہ ان کے لیے خاص طور پر لسی تیار کر رہی تھی، تب کچن کی طرف فاطمہ چلی آئی تھیں۔

''خرمن! تم دیکھ رہی ہو کہ آج کتنی گرمی ہے، لو چل رہی ہے پھر بھی تم نے چھت پر عارش کو کس کام پر لگا دیا ہے، صبح تمہارے باپ کے ڈائلنے پر وہ آفس سے چھٹی کر کے گھر میں آرام کرنے کے لیے رکا تھا، معلوم بھی ہے کہ اس کی کتنی

طبیعت خراب ہے؟'' وہ غصے میں بول رہی تھیں۔

''میں نے اس سے یہ کہا تھا کہ نیا پنجرہ بنا دو، یہ نہیں کہا تھا کہ ابھی جا کر یہ کام کرو، وہ کوئی نازک دوشیزہ تو ہے نہیں جو آپ کو اس کی اتنی فکر ہو رہی ہے، آخر میں بھی تو اس گرمی میں باہر جا رہی ہوں''۔ وہ بیزاری سے بولی تھی۔

''اپنی بات مت کرو، دروازے سے نکلو گی اور ٹیکسی میں بیٹھ جاؤ گی، اوپر جا کر دیکھو اس کا کیا حشر ہو رہا ہے، دس بار نیچے آنے کا کہہ چکی ہوں، مگر مجال ہے جو میری ایک سن لے یہ لڑکا''۔ وہ اب عارش پر غصہ ہوتیں واپس کچن سے نکل گئی تھیں، بری طرح ہولتیں وہ دوبارہ اس کی طرف آئی تھیں جو چلچلاتی دھوپ میں اوزاروں اور لکڑیوں میں مصروف تھا، بالکل سر پر آگ برساتا سورج اسے پسینے میں شرابور کر چکا تھا اور پچھلے ایک گھنٹے سے اس نے پانی کا ایک گلاس بھی پینے سے انکار کر دیا تھا۔

''عارش! تم ایک بات سنتے کیوں نہیں ہو؟ تمہارے ماموں آنے والے ہیں، انہوں نے تمہیں اس حال میں دیکھ لیا تو مجھے ہی ہزار باتیں سننی پڑ جائیں گی، چھوڑو یہ کام، ابھی چلو میرے ساتھ''۔ فاطمہ کے غصیلے لہجے پر بھی وہ کان بند کیے کیلیں ٹھونکنے میں مگن رہا تھا، تب ہی کال بیل بجی تھی، فاطمہ نے اوپر سے ہی گیٹ تک جاتی خرمن کو ہدایت دی تھی کہ احمد حسین کو فوراً اوپر بھیجے۔ دبنگ نظروں سے احمد حسین نے اسے دیکھا تھا جس کا چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا، شرٹ بالکل بھیگ چکی تھی، پسینے سے تربتر بال بکھرے ہوئے تھے۔

''آپ خود دیکھ لیں، اپنی ضد میں کس طرح اس نے مجھے پریشان کر رکھا ہے، اب جب تک یہ نیچے نہیں آئے گا میں بھی یہیں رہوں گی''۔ فاطمہ اب اس کی ڈھٹائی پر ہتھے سے اکھڑ گئی تھیں۔

''عارش! میں نے تمہیں آرام کرنے کے لیے گھر میں روکا تھا، اور تم یہ کیا کام لے کر بیٹھ گئے ہو؟'' احمد حسین نے سخت لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے اوزار لے لیا تھا۔

''میں گھر میں بور ہو رہا تھا، اس لیے یہ کام کرنے اوپر آ گیا''۔ ان سے نظر ملائے بغیر وہ سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

''مجھے کچھ نہیں سننا، تم فوراً نیچے جاؤ''۔ اوزار ایک طرف پھینکتے احمد حسین برہم ہوئے تھے، جس پر وہ کسی بھی جانب دیکھے بغیر تیزی سے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا تھا۔

''کیا ہوتا جا رہا ہے اسے، یہ ایسا تو کبھی نہیں کرتا''۔ فاطمہ بہت فکرمند ہو کر بولی تھیں۔

''یہ سب تمہاری بحث کا نتیجہ ہے، برہان کے لیے اس نے جو کچھ کہا اس پر غور کرنے کے بجائے تم نے کس طرح اسے خاموش کروا دیا تھا''۔ بگڑے لہجے میں احمد حسین بولے تھے جبکہ فاطمہ کچھ بول نہیں سکی تھیں۔

برآمدے کی طرف آتے ہوئے عارش نے بس ایک نظر اسے دیکھا تھا۔ آف وائٹ لباس میں ہم رنگ ہی نیٹ کا اسکارف چہرے کے گرد نفاست سے سجائے وہ اس کے جلتے وجود کے لیے ٹھنڈی پھوار ثابت ہوئی تھی۔

''میرے فرشتوں کی توبہ جو آئندہ تمہیں کوئی کام کرنے کا کہوں''۔ گھرکتے ہوئے وہ اسے گھور رہی تھی، جو رکے بغیر اپنے کمرے کی سمت جا رہا تھا۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

نوشین طاہر

افسانہ

کاسنی لہنگا

"چاندی... اری چاندی! باہر آجا، اب کب تک سوگ مناتی رہے گی اپنی غربت کا؟ ہزار مرتبہ سمجھایا ہے رب سوہنے سے شکوے کرنے کی بجائے اچھے کی امید لگا، پر یہ لڑکی میری سنتی کہاں ہے"۔ اب کی بار اماں نے پہلے سے زیادہ سخت لہجے میں اسے آواز دی تو چاروناچار چاندی کو کمرے سے باہر آنا پڑا۔

"کیا ہے اماں!" رضیہ بیگم کی نظر اس کے چہرے پر پڑی تو وہ دل ہی دل میں دکھی ہو گئیں اور اپنا سارا غصہ بھول کر ان کے لہجے میں چاندی کے لیے پیار آگیا۔

"ادھر آمیرے پاس بیٹھ، کیوں جی کو جلاتی ہے اور کیوں رو رو کر اپنی اتنی اچھی آنکھیں خراب کر رہی ہے، دیکھ کتنی لال ہو رہی ہیں اور ذرا سی دیر میں کتنا سامنہ نکل آیا ہے"۔ اماں نے اس کے سر کو سہلاتے ہوئے کہا، چاندی نے ماں کو دکھی ہوتے دیکھا تو دل ہی دل میں خود کو ڈانٹنے لگی۔

"میں بھی جھلی ہوں، جو اپنی فضول خواہشوں کے پیچھے اپنی سوہنی اماں کو پریشان کر دیتی ہوں، اماں کے بس میں ہوتا تو میری خواہش پوری کرنے سے بڑھ کر کیا تھا ان کے لیے"۔

"اماں! تُو پریشان نہ ہو، میں وہی جوڑا پہن لوں گی، جو تُو نے اتنے شوق سے منگایا ہے، بس نیلی سے کہنا کام اچھے سے کرے اور میرا جوڑا بالکل شہری جوڑوں کی طرح تیار کرے"۔ رقیہ بیگم چاندی کی بات سن کر مسکراتے ہوئے کہنے لگیں۔

"تُو بے فکر رہ، میں نے اسے پہلے ہی تاکید کر دی تھی کہ میری بیٹی کے جوڑے میں کوئی کمی نہ رہ جائے، وہ آج کل میں ہی تیار ہو جائے گا تیرا جوڑا، کل جب میں نیلی کے گھر گئی تھی تو تھوڑا سا کام باقی تھا، اور چاندی! اب تُو پریشان نہ ہونا، جب تُو دکھی ہوتی ہے تو میرا دل بڑا دکھتا ہے، میرا بھی بڑا ارمان تھا کہ اپنی رانی بیٹی کو اس کی مرضی کا جوڑا دلواؤں، پر تجھے پتہ تو ہے تیرے ابا کی بیماری پر بھی کتنا پیسہ اٹھا اور اب شادی کا خرچہ، ایک کمانے والا ہے، چھوٹی سی مزدوری میں ہم غریب اپنی خواہشیں کیسے پوری کر سکتے ہیں؟" وہ دکھی لہجے میں بولیں۔

"اماں! کیوں دکھی ہوتی ہے؟ اب میں نے کہہ تو دیا ہے کہ میں وہی جوڑا پہن لوں گی، جو تُو نیلی کو کام کرنے کو دے کر آئی ہے، اماں! کیا فرق پڑتا ہے، لہنگا پہنوں یا جوڑا"۔ چاندی آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کرتے ہوئے زبردستی مسکرائی تھی۔

"بڑی سیانی ہے میری لاڈلی"۔ رقیہ بیگم نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔

"ہاں اماں! سیانی ہوں بھی اور نہیں بھی"۔ چاندی نے دل ہی دل میں کہا اور پھر ماں سے مخاطب ہوئی۔

"اماں! میں اوپر والے کمرے کی صفائی کرا دوں، پھر پروہنے (مہمان) آنا شروع ہو جائیں گے، تو اتنا بکھیرا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا"۔ یہ کہہ کر چاندی چھت پر چلی آئی تھی اور چھوٹے سے کمرے میں موجود فالتو سامان باہر نکالنے لگی، یہ کمرہ اسٹور روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا، مگر اب اس میں مہمان خواتین کے سونے کا انتظام کیا جا رہا تھا، جبکہ مردوں کے سونے کا انتظام اس کے ابا (رحمت بخش) نے اپنے ہمسائے صابر کی بیٹھک میں کر دیا تھا، کمرے کی صفائی کرتے ہوئے چاندی کی نظر اس چھوٹی سی صندوقچی پر جا ٹکی تھی، جس میں اس کا بچپن اور اس کی یادیں اس نے بہت سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں اور پھر وہ جھاڑو وہیں فرش پر پھینک کر اس صندوقچی کو کھولنے لگی اور پھر جیسے ہی لکڑی کی صندوقچی کا ڈھکن کھلا، اس کی نظر اس میں لیٹی اپنی گڑیا پر ٹھہر گئی، جو لال جوڑے میں دلہن بنی رنگ برنگے موتیوں کا زیور پہنے اسے آج بھی اتنی ہی اداس لگ رہی تھی، جتنی اپنے بچپن میں لگتی تھی، جب اس نے اسے دلہن بنایا تھا، وقت کتنا آگے نکل آیا تھا، گڑیا کو دلہن بنانے والی لڑکی چند دن بعد خود بھی دلہن بننے جا رہی تھی، وقت آگے نکل آیا تھا، مگر وہ خود یادوں کی منڈیر پھلانگ کر کچھ دیر کے لیے ماضی میں چلی گئی تھی اور بیتے دنوں کے خیالوں میں کھونے لگی تھی، اسے یاد آ رہا تھا وہ وقت جب وہ اپنی اماں کے ساتھ ان کے دور کے رشتے دار ماموں کی بیٹی کی شادی

میں شہر گئی تھی اور اماں کے یہ رشتے دار بہت امیر تھے، اسی لیے اماں نے اسے بہت اچھا سا ریشمی جوڑا سلوا کر دیا تھا اور ساتھ میں میچنگ چوڑیاں اور جوتیاں بھی دلوائی تھیں، تاکہ ان کی بیٹی امیر رشتے داروں میں خود کو کمتر محسوس نہ کرے، وہ اپنے ان شہری اور امیر رشتے داروں کو دیکھ کر بہت حیران ہوئی تھی، کچھ بھی تو ان کے گاؤں کے لوگوں جیسا نہیں تھا اور سب سے زیادہ حیران تو وہ دلہن کے کاسنی لہنگے کو دیکھ کر ہوئی تھی، جس کو دیکھ کر وہ پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی، اس نے تو ایسا لہنگا کبھی خوابوں میں بھی نہیں دیکھا تھا، اور دلہن کی ماں بھی ہر ایک کو بڑے فخر سے بتا رہی تھی۔

''میری بیٹی کا لہنگا پورے تیس ہزار کا ہے''۔ اور وہ دل ہی دل میں سوچ کر رہ گئی تھی۔

''یہ تیس ہزار کتنے ہوتے ہیں؟'' پھر وہ شہر سے واپس تو آ گئی تھی، مگر ایک انوکھا خواب آنکھوں میں سجا لائی تھی، کاسنی لہنگے کا خواب، اس کا دل کاسنی لہنگے میں اٹک گیا تھا اور پھر جب اس نے اپنی گڑیا کو دلہن بنانے کا سوچا تھا تو کاسنی لہنگا اس کی آنکھوں میں آ کر ٹھہر گیا اور پھر اس نے اپنی گڑیا کے لیے کاسنی لہنگا بنانے کی بڑی کوشش کی تھی، پر اس کی قسمت کے گاؤں کی اکلوتی درزن کے پاس بھی اسے پیارا سا کاسنی کپڑا نہ ملا اور پھر اس نے مایوس ہو کر اسے لال جوڑا پہنا کر دلہن بنایا تھا اور پتہ نہیں کیوں اسے ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی گڑیا خوش نہیں ہے اور بہت اداس ہے، اسی لیے اس نے اپنی گڑیا سے کہا تھا۔

''میں کیا کرتی مجھے کاسنی لہنگا نہیں ملا''۔ اور پھر وقت بڑی تیزی سے گزرنے لگا، مگر کاسنی لہنگے کی تصویر تو اس کی آنکھوں سے نکل ہی نہ پائی تھی اور وہ پاگل خود کو کاسنی لہنگا پہننے کا خواب دیکھنے لگی تھی، جیسے ہی اس نے خوبصورت الہڑ دوشیزہ کا روپ دھارا، کاسنی لہنگے کا خواب بھی اس کی آنکھوں میں پل کر جوان ہو گیا، وہ خود کو اپنے معصوم خیالوں میں کاسنی لہنگا پہنے دلہن بنا دیکھتی تو شدت سے اس کے لبوں سے کاسنی لہنگا پانے کی دعا نکلتی اور آخر وہ دن بھی آ گیا تھا، جب اس کا رشتہ اسی کے گاؤں کے ایک غریب لڑکے سے طے کر دیا گیا، اس کی ماں نے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

''غریب گھر کی لڑکیوں کو امیر گھر کے شہزادے بیاہنے نہیں آتے، کیونکہ انہیں بھی اپنے ہی جیسے گھر کی امیر شہزادیاں چاہیے ہوتی ہیں''۔ اس نے خاموشی سے اپنی نگاہیں اپنی ماں کے فیصلے کے سامنے جھکا دی تھیں کہ اس نے کسی امیر شہزادے کا خواب دیکھا ہی کب تھا، اس نے تو صرف ایک ہی خواب دیکھا تھا، کاسنی لہنگے کا خواب، اور وہ خواب نہ تو اس کی اماں پورا کر سکتی تھیں کہ اتنا مہنگا خواب پورا کرنا اس کے بس میں کہاں تھا، اور نہ ہی اس کا ہمسفر جس کے ساتھ اسے زندگی کا سفر طے کرنا تھا، اپنے اکلوتے خواب کے ادھورا رہ جانے پر وہ ٹوٹ گئی تھی۔

''چاندی..... چاندی! نیچے آ جا، نیلی آئی ہے تیری شادی کا جوڑا تیار ہو گیا ہے''۔ اماں کی آواز اسے خیالوں سے باہر لے آئی تھی، آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر اس کی گڑیا کے چہرے کو بھگو رہے تھے اور چاندی کو ایسا لگا جیسے وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ رو رہی ہے، اسے لگ رہا تھا کہ اس میں اور اس کی گڑیا میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جب اس کی گڑیا دلہن بنی تھی تو اسے بھی کاسنی لہنگا نہیں ملا تھا، اور اب جب اس کے دلہن بننے کا ٹائم آیا تو کاسنی لہنگا اس کا نصیب بھی نہیں بنا، اسے اپنی ماں کی بہت پہلے کہی بات یاد آ رہی تھی۔

''بیٹا! خواب ہمیشہ اپنی اوقات میں رہ کر دیکھنے چاہئیں''۔ اور غریبوں کی اوقات کیا ہے آج اسے بڑی اچھی طرح سمجھ آ گیا تھا کہ وہ امیروں کی طرح خواب دیکھ تو سکتے ہیں، مگر ان کے خواب کبھی پورے نہیں ہوتے، اس کی گڑیا کی طرح اس کا مقدر بھی لال جوڑا ہی تھا، کاسنی لہنگا ایک ایسا خواب تھا، جس کی تعبیر نہ تو اس کی گڑیا کو ملی تھی اور نہ کبھی اسے ملنی تھی۔

☆.....☆.....☆

سعدیہ عابد

قسط نمبر 8

سلسلے وار ناول

بندِ قبا کھلنے لگی جاناں

"فضیل! سیل فون دیجئے گا ذرا، مجھے ایک کال کرنی ہے"۔ وہ کمرے میں آتے ہی اس سے بولی اور اس نے خاموشی سے جیب سے فون نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

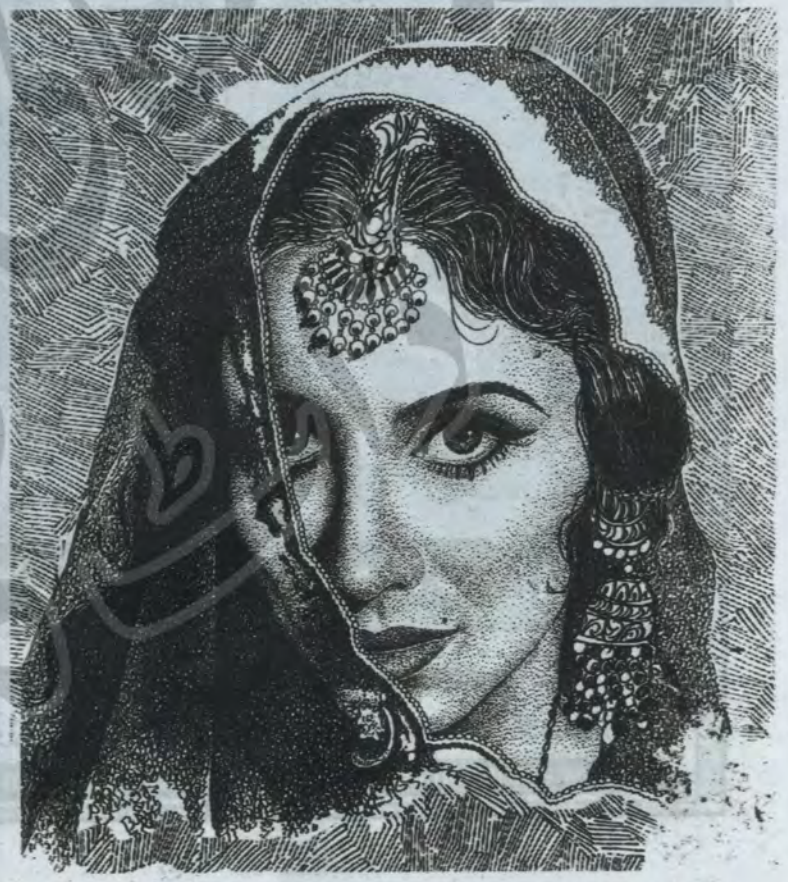

"تھینکس! آپ چاہیں تو چینج کر کے سو جائیں، مجھے کچھ ٹائم لگے گا"۔

"کوئی بات نہیں ہے زرمین! آج تم مجھے کافی ڈسٹرب لگ رہی تھیں؟"

"فضیل! بات آپ کو بتانے کی ہوئی تو ضرور بتاؤں گی"۔

"میں تم سے کچھ پوچھ نہیں رہا"۔

"لیکن میں آپ کو ضرور بتاتی، مگر بات مجھ سے جڑی ہوئی نہیں ہے، اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتی، آپ ڈسٹرب نہ ہوں، اس لیے بالکنی میں جا کر بات کر لیتی ہوں"

"کمرے میں ہی رہ کر بات کر لو، میں اسٹڈی میں ہوں"۔ وہ اسے موقع دیئے بغیر وہاں سے ہٹ گیا، ڈور بند کرتے ہوئے اس نے اتنا ہی سنا۔

"ارحم! میں زرمین بول رہی ہوں"۔ اور وہ توجہ دیئے بغیر دروازہ بند کر گیا۔

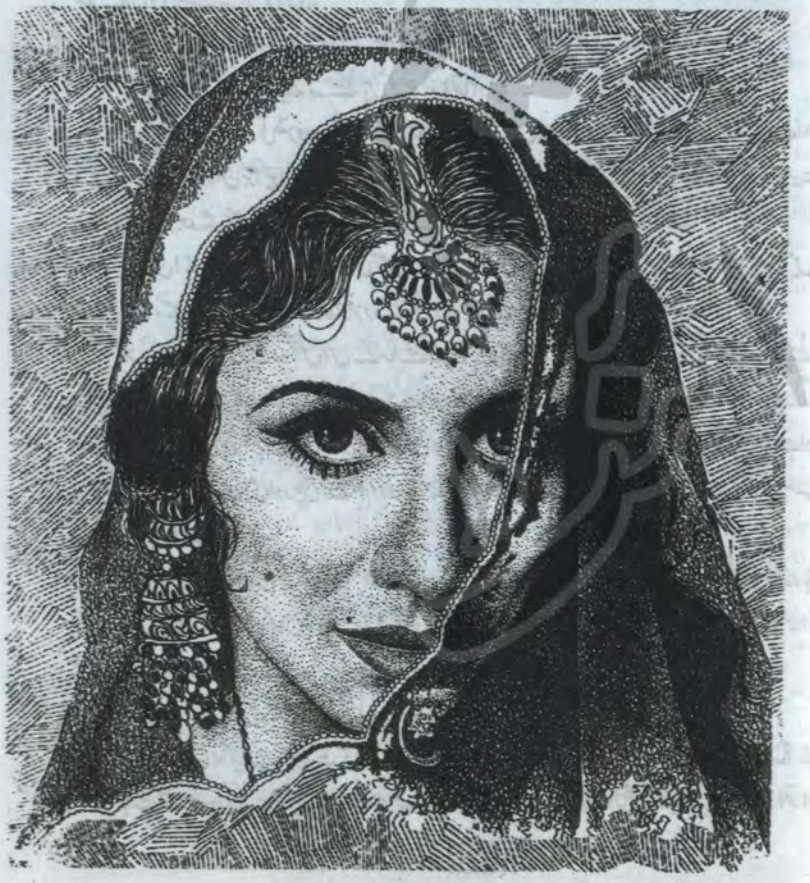

''زرمین! تم فضول میں پریشان ہورہی ہو''۔

''ارحم! آپ مجھے سب کچھ بتا کیوں نہیں دیتے، سحرش سے میری بات ہوئی تھی کہ آپ نے حنین کو مجھے کچھ بھی بتانے سے منع کیا ہے، ایسی کیا بات ہے کہ آپ نہیں چاہتے کہ مجھے پتہ چلے؟'' زرمین نے شاز مین سے پوچھا تھا کہ گھر میں کوئی بات ہوئی ہے، جسے لے کر حنین پریشان ہے، تب اس نے کہا تھا کہ حنین کی ولیمہ کی شب سے طبیعت خراب ہے اور اسی لیے ارحم اسے گھر لے گئے تھے، اتفاق سے یہ سب باتیں کرتے سحرش نے سن لیا، تب اس نے ساری باتیں زرمین کو بتادی تھیں اور اس نے ارحم سے وہیں پوچھا تھا تب اس نے کہا تھا کہ وہ گھر جا کر فون کرے گا، مگر اس نے فون کا انتظار کرنے کی بجائے خود ہی اسے کال کرلی تھی اور اس کو ارحم نے وہ سب کچھ جو اسے حنین نے بتایا تھا کہہ سنایا۔

''آپ نے یہ سب پہلے کیوں نہیں بتایا؟ یہ فضیل کی کن لوگوں سے دوستی ہے اور اس کی اتنی ہمت کہ وہ ہمارے گھر تک آ گیا؟'' وہ تو سن کر ہی شاک ہوگئی تھی۔

''اسی لیے جب سے وہ آیا تھا، حنین اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھی، اتنا کچھ ہوگیا اور مجھے حنین نے بتایا تک نہیں''۔ وہ صدمے کی سی کیفیت میں آ گئی تھی۔

''میں نے منع کیا تھا، اور پلیز! تم اس سے ذکر مت کرنا، جو کچھ ہونا تھا ہوگیا''۔

''آپ اتنے آرام سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جو ہونا تھا ہوگیا''۔

''زرمین! ہائپر ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کنعان برا شخص نہیں ہے، جس سوسائٹی سے اس کا تعلق ہے، وہاں یہ سب باتیں عام ہیں، مگر وہ ان برائیوں سے دور ہے، جو کچھ اس نے کیا، وہ سب اس نے سوچ کر نہیں کیا اس کی نیت میں کھوٹ ہوتا تو وہ حنین کو بعد میں نقصان پہنچا سکتا تھا''۔ ارحم نے اسے واش روم کا احوال بھی کہہ سنایا۔

''زرمین! میں جانتا ہوں بات معمولی نہیں ہے، مگر خاموشی تو ہمیں ہی اختیار کرنا ہوگی، جتنا پھیلائیں گے اتنا ہی نقصان ہوگا، حنین اس سب کے بعد کچھ خوفزدہ ہے، مگر وہ دھیرے دھیرے اس سے باہر آ جائے گی''۔

''تب آئے گی کہ جب وہ شخص اس کے سامنے نہیں آئے گا، اس نے حنین کی ہیلپ کی، مگر اس سے پہلے اس نے جو جو کیا، وہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، آپ نے سوچا ہے اس سب کا حنین کے دل و دماغ پر کیا اثر ہوا ہوگا، ہمارے گھر کا ماحول بہت محتاط ہے اور حنین کو تو ہم نے کبھی موویز وغیرہ بھی دیکھنے نہیں دیں کہ لاڈ پیار کی وجہ سے اس میں بچپنا ہے اور وہ کسی بھی چیز کا غلط اثر لے سکتی ہے، امی اور چچی نے ہم دونوں بہنوں کا اتنا خیال نہیں رکھا جتنا حنین کا رکھتی ہیں، اور یہ سب آپ سے ہرگز بھی چھپا ہوا نہیں ہے''۔

''اچھا تو خود ہی بتاؤ میں کیا کروں؟ کنعان سے میں نے باز پرس کی تھی، وہ شرمندہ ہے، ایکسکیوز کر رہا ہے، تو اس کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش ہی کہاں بچتی ہے؟ مگر تم کو جو لگتا ہے وہ بتادو، میں اسے ویسے ہی ٹریٹ کرلوں گا''۔ ارحم کے لہجے میں سنجیدگی تھی اور وہ صوفے سے اٹھ کر بیڈ پر نیم دراز ہوگیا جبکہ وہ تو کھڑے سے بیٹھنا بھی بھول گئی تھی۔

''آپ کچھ مت کریں، میں خود ہی فیصل سے بات کروں گی''۔

''دماغ خراب ہوگیا ہے، جو بات کسی کو نہیں پتہ کیوں سب کو خبر کردینے پر تلی ہو؟'' اسے زرمین پر غصہ آنے لگا تھا،

''بات کرنا ضروری ہے ارحم! کہ بات صرف حنین کی نہیں ہے، گھر میں اور بھی لڑکیاں ہیں، اور وہ تو ہمارے ہاں

بڑے دھڑلے سے آتا ہے اور میں نہیں چاہوں گی کہ وہ شخص کبھی بھی کچھ بھی ایسا ویسا سحرش.....!''

''تم اس وقت بات نہیں سمجھو گی، سوچ سمجھ کر صبح فون کرنا، اور وہ شخص اتنا بھی برا نہیں ہے، تمہیں کیا لگتا ہے کہ اس نے شرمندگی ظاہر کی اور میں اس کے ایکسکیوز کو قبول کر کے بیٹھ گیا، میں نے ماہ کنعان کی فیملی اور اس کے بارے میں پوری انویسٹی گیشن کی ہے، ہائی سوسائٹی سے بی لونگ کرنے کے باوجود اس کی کوئی گرل فرینڈ تک نہیں ہے، شراب تو دور، وہ سگریٹ بھی نہیں پیتا، اس لیے مجھے خود سمجھ نہیں آ رہا کہ اس نے حنین کو کیوں پریشان کیا؟''

''آپ کچھ بھی کہیں ارحم! مگر میں اب اس شخص کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی، اور میں اس مسئلے کو سولو ضرور کروں گی، آپ بے فکر رہیں، حنین کا نام تک نہیں آئے گا، اس کی عزت مجھے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہے، میں اب فون رکھتی ہوں، کچھ سوچ کر کل فون کروں گی''۔ لائن ڈسکنیکٹ ہوگئی تھی، مگر وہ کتنی ہی دیر ساکت سی وہاں کھڑی رہی تھی۔

''زرمین! آر یو اوکے؟'' وہ اسے کھڑے دیکھ کر پریشان ہوا اور وہ چونکتی اسے دیکھنے لگی اور پھر نفی میں سر ہلاتی وہاں سے ہٹ گئی، مگر ارحم کی بتائی بات نے تو اس کی نیند ہی اڑا دی تھی اور وہ بے چینی سے کروٹیں بدلتی فضیل کو پریشان کر گئی، مگر اس نے اس سے کچھ بھی نہیں پوچھا تھا۔

☆.....☆.....☆

''فضیل! ایک بات پوچھوں؟'' وہ شادی کے بعد آج آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا جب وہ اس کے سامنے آ رکی تھی۔

''ہاں، پوچھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟'' پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے اسے دیکھا اور اس نے جو کچھ پوچھا، اس کی تو اسے ہرگز بھی توقع نہیں تھی۔

''فیصل کے دوست ماہ کنعان کس قسم کے انسان ہیں؟''

''میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا، تم کیا پوچھنا چاہ رہی ہو؟''

''صرف اتنا کہ ماہ کنعان بائے نیچر اور بائے کیریکٹر کیسے ہیں؟ پلیز یہ مت پوچھیئے گا کہ میں کیوں پوچھ رہی ہوں؟'' اس نے پہلے ہی حفاظتی بند باندھ لیے تاکہ وہ اس سب کے پوچھنے کی وجہ نہ پوچھ لے۔

''بہت اچھا انسان ہے، فیصل کی اور کنعان کی دوستی اسکول سے ہے اور وہ ہمارے گھر بھی اکثر آتا رہا ہے جبکہ فیصل سے وہ دو سال سینئر تھا، مگر ان کی دوستی پھر بھی ہوئی اور اب تک قائم ہے جبکہ ہمارا تعلق مڈل کلاس فیملی سے ہے اور کنعان ہائی سوسائٹی و سیاست دان گھرانے سے تعلق رکھتا ہے، مگر آج تک کبھی کنعان کے بارے میں کچھ بھی ایسا ویسا سننے کو نہیں ملا، ہائی کلاس سوسائٹی کی برائیاں اس میں میرا خیال ہے بالکل نہیں ہیں، ورنہ تم تو جانتی ہو زرمین کہ جس طبقے سے وہ تعلق رکھتا ہے، وہاں برائیاں، کبھی برائیاں چھپی ہی نہیں جاتیں جبکہ کنعان کی تو کوئی گرل فرینڈ بھی نہیں ہے''۔

''یہ آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں فضیل؟''

''میری آبزرویشن ہی یہی ہے اور اخبار وغیرہ میں بھی کبھی اس کا اسکینڈل نہیں بنا، تم خود سوچو، آج کل تو ایکٹرز سے زیادہ سیاست دانوں کے اسکینڈلز سننے میں آتے ہیں، مگر کبھی کنعان کے بارے میں ایسا کچھ بھی نہیں چھپا، تو شاید نہیں یقیناً کوئی نہ کوئی کہیں نہ کہیں تو اس میں اچھائی ہوگی''۔ وہ پوچھنے کا سبب جانے بغیر بھی پوری سچائی سے کہہ رہا تھا، مگر اس کی

الجھن تھی کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

"فضیل! سیاست سے تو اس کے فادر وابستہ ہیں، وہ خود تو نہیں"۔ وہ ٹینشن میں بچکانہ بات کر گئی تھی۔

"وہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ کنعان کے فادر کے کتنے ہی اسکینڈلز منظر عام پر آ چکے ہیں، جن میں سے کچھ میں سچائی ہے تو کچھ ان کی اپوزیشن پارٹی کی سازش، مگر ہر اسکینڈل جھوٹا نہیں ہے، اس کی ممی، سینیٹ کی ممبر رہ چکی ہیں اور وہ خود براہ راست سیاست کا ابھی حصہ نہیں ہے، مگر مستقبل قریب میں امکانات تو ہیں، اور کنعان کے فادر کے مخالفین ان کے وارث کو سیاست میں قدم رکھنے سے پہلے ہی اس کے خلاف پروپیگنڈہ کر سکتے ہیں، تاکہ اس کا امیج اتنا خراب ہو کہ وہ قدم ہی نہ رکھ سکے، اور کنعان کے خلاف پروپیگنڈہ بھی ہوا ہے، مگر اس انداز میں نہیں اور صاف بات تو یہ ہے زرمین کہ اگر وہ برا ہے، اچھا ہے تو ہمیں فرق نہیں پڑتا، وہ فیصل کا دوست ہے، اس کے ساتھ اور اس کی فیملی کے ساتھ فیئر ہے، تو بس ٹھیک ہے، وہ نجی زندگی میں کیسا ہے یہ ہمارا پرابلم نہیں ہے، کیونکہ ظاہری طور پر جو نظر آتا ہے وہ بعض اوقات صحیح نہیں ہوتا، اور جو چھپا ہوا ہو ضروری نہیں کہ وہ غلط ہی ہو"۔ اس کو دیر ہو رہی تھی، اس لیے اس نے بات ختم کر دی۔

"مگر تم کیوں پوچھ.....!"

"ویسے ہی پوچھ رہی تھی، میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ وہ فیصل کے دوست کیسے بنے، کیونکہ ایسے لوگوں کی نہ دشمنی اچھی ہوتی ہے اور نہ ہی دوستی"۔

"تمہیں شاید کل تمہارے گھر کنعان کا جانا پسند نہیں آیا"۔ وہ ٹائی باندھنے لگا۔

"ہاں، شاید"۔ اس کے نیم اقرار پر وہ محض اسے دیکھ کر رہ گیا، وہ اس سے پوچھنا تو بہت کچھ چاہ رہا تھا، مگر یہ سوچ کر نہیں پوچھا کہ بتانے والی بات ہوتی تو وہ خود بتا دیتی، اور اس کی نیچر میں فورس نہیں تھا، وہ کسی کو بھی کسی بھی بات کے لیے مجبور نہیں کرتا تھا، سیدھے سادے طریقے سے کام کرنا اسے پسند تھا، نہ وہ دوسروں کی لائف میں فضول انٹرسٹ لیتا تھا، نہ ہی یہ اس کی نیچر تھی اسی لیے وہ ہر حال میں مطمئن رہتا تھا۔

☆.........☆.........☆

"زرمین آپی! ہم لوگ پکنک پر جا رہے ہیں، آپ بھی ساتھ چلیں گیں، بہت مزہ آئے گا"۔ حنین سب کے ساتھ ان کے گھر آ گئی تھی اور آج راحم نے آفس سے چھٹی کی تھی اس لیے وہ بضد ہو گئی کہ پکنک پر چلا جائے اور فریدہ کے کہنے پر راحم اور مائدہ راضی ہو گئے، جبھی اس نے زرمین کو فون کیا، کیونکہ وہ اس کے بغیر کوئی پروگرام نہیں بناتی تھی۔

"کون کون جا رہا ہے؟"

"بس میں، ارحم بھیا اور مائدہ آپا، اگر آپ جائیں گی تو شاز مین بجو کو بھی لے لیں گے"۔

"تم لوگ ایسا کرنا شاز مین کو ساتھ ضرور لے جانا، کبھی کبھی تو باہر نکلنے کا موقع ملتا ہے، مگر میرا جانا پوسیبل نہیں ہے"۔

"لیکن کیوں آپی! آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا، کیا آپ میری اتنی سی بات نہیں مان سکتیں؟"

"حنین! میں تم سب لوگوں کے ساتھ ضرور چلتی، لیکن فضیل شادی کے بعد آج ہی آفس گئے ہیں تو میں کیسے جا سکتی ہوں؟"

"آفس تو فضیل بھیا گئے ہیں، آپ تو گھر ہی میں ہیں ناں تو پھر ہمارے ساتھ چلیں"۔

"آج پوسیبل نہیں ہے، نیکسٹ ٹائم میں تمہارے ساتھ ضرور چلوں گی"۔

"شادی کے بعد آپ بدل گئی ہیں زرمین آپی! پہلے تو میرے کہنے سے بھی پہلے میری بات مان جاتی تھیں، اور اب میرے اتنا کہنے پر بھی.....!"

"حنین! تم سمجھ نہیں رہی ہو، میں تمہاری خوشی کی خاطر تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں، مگر کیا تم یہ چاہو گی کہ میں اداس رہوں اور پکنک انجوائے نہ کر سکوں؟"

"یہ کیا بات ہوئی، آپ اداس کیوں ہوں گی؟"

"میں اس لیے اداس ہوں گی کہ فضیل میرے ساتھ نہیں ہوں گے"۔ فضیل کھلے دروازے سے اندر آتا ہوا چونک اٹھا، زرمین کی دروازے کی طرف پشت تھی، اس لیے وہ فضیل کو دیکھ نہیں سکی تھی۔

"آفٹر آل فضیل میرے ہسبینڈ ہیں اور میں ان کے ساتھ پکنک پر جانا چاہوں گی تاکہ پکنک انجوائے کر سکوں"۔

"آپ اکیلے ہمارے ساتھ جائیں گی تو پکنک انجوائے نہیں کر سکتیں، اور فضیل بھیا مجھ سے زیادہ اہم ہو گئے؟"

"تم سے زیادہ میرے لیے کوئی اہم ہو ہی نہیں سکتا، بٹ تم، تم ہو اور فضیل، فضیل ہیں، نہ تم فضیل کی جگہ لے سکتی ہو اور نہ ہی وہ تمہاری"۔

"میں فون رکھ رہی ہوں، آپ سے مجھے بات نہیں کرنی، فضیل بھیا، فضیل بھیا، کوئی اور بات نہیں کر سکتیں، صاف بتا دیں کہ آپ چل رہی ہیں یا نہیں؟"

"حنین! [illegible]"۔

"ہاں، یا نہیں؟ مجھے دوسری کوئی بات نہیں سننی"۔

"تم لوگ جاؤ گے کب تک؟"

"ابھی شاید 4 بج رہے ہیں، 6 بجے تک جائیں گے، کیونکہ ہم لوگوں کا لیٹ نائٹ تک آنے کا ارادہ ہے"۔

"جا کہاں رہے ہو؟"

"سی ویو جائیں گے، میکڈونلڈ سے زبردست ساڈنر کریں گے، اور خوب مستی اور شور بھی، ممی کو ساتھ نہیں لے جائیں گے، اسی لیے تو شاز مین بجو سے میں نے پوچھا نہیں، وہ مجھے ممی کی کاربن کاپی لگتی ہیں"۔ وہ اس کے پوچھنے پر خوش ہو گئی تھی کیونکہ اسے لگا تھا کہ وہ چل رہی ہے۔

"بری بات حنین!"

"سوری آپی! فون رکھتی ہوں، آپ جلدی سے آ جائیے، میں فون کر کے شاز مین بجو کو بھی اپنے پروگرام میں شامل کر لیتی ہوں، خدا حافظ!" اس نے زرمین کی سنے بغیر جلدی جلدی کہہ کر لائن ڈسکنیکٹ کر دی۔

"او مائی گاڈ! یہ حنین کی بچی بھی ناں، سمجھ رہی ہے میں ساتھ جا رہی ہوں، اب فون کر کے منع کروں گی تو ہرٹ بھی ہو گی اور مجھ سے ناراض بھی، ایسا کرتی ہوں فضیل سے پوچھ لیتی ہوں، انہوں نے منع کیا تو پھر کچھ سوچوں گی کہ حنین کو کیسے ہینڈل کرنا ہے"۔ وہ با آواز خود سے باتیں کرتی فضیل کا نمبر ملانے لگی، وہ اب تک کمرے میں اس کی موجودگی سے لاعلم تھی اور فضیل کا سیل وائبریشن پر تھا، اس لیے بیل کی آواز سنائی نہیں دی تھی، اس نے سیل کان سے لگا لیا، زرمین نے سلام

کر کے خیر خیریت دریافت کی اور اصل موضوع پر آ گئی۔

"فضیل! کچھ دیر پہلے حنین کا فون آیا تھا وہ لوگ پکنک پر جا رہے ہیں، اگر آپ کہیں تو میں ان کے ساتھ چلی جاؤں، کیونکہ میری باتوں سے حنین سمجھی کہ میں راضی ہو گئی ہوں اور اب منع کروں گی تو وہ خفا ہو گی"۔

"زرمین! تم حنین کو منع کر دو، تم پکنک پر نہیں جا رہی ہو"۔

"آپ.... آپ کب آئے؟" آواز سے اسے محسوس ہوا کہ بہت قریب سے آ رہی ہے، پلٹی اور اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"میں جب آیا تھا جب تم فون پر حنین کے ساتھ بزی تھیں"۔

"آئی ایم سوری، مجھے پتہ ہی نہیں چلا، پانی لاؤں آپ کے لیے؟"

"پانی کی ضرورت نہیں ہے اور چائے کے لیے میں سحرش سے کہہ چکا ہوں، تم یہ بتاؤ کہ کہہ کیا رہی تھیں؟" تو اس نے حنین سے فون پر ہوئی بات دہرا دی۔

"تم ان لوگوں کے ساتھ چلی جاؤ"۔

"میں جا کر کیا کروں گا، اور ویسے بھی کچھ تھک گیا ہوں"۔

"آپ نہیں جا رہے تو میں منع کر دوں گی، آپ کے بغیر میں بھی جا کر کیا کروں گی، اور میں بھی تو صرف حنین کی وجہ سے ہی جانا چاہ رہی ہوں"۔

"تم حنین کو ناراض نہیں کر سکتیں زرمین! اور میں تمہیں بھی ناراض کرنا نہیں چاہوں گا"۔ وہ بڑی گہری نظروں سے اس کے تیکھے نین نقش دیکھ رہا تھا اور آج پہلی بار زرمین کے دل نے ایک ہارٹ بیٹ مس کی تھی۔

"تم تیار ہو جاؤ، میں کچھ دیر آرام کر لوں، اور ہاں! تم فون کر کے جگہ صحیح سے پوچھ لینا، ہم خود سے چلے جائیں گے، ورنہ لمبا چکر پڑے گا"۔ وہ اس کے سرخ ہو جانے والے چہرے سے نگاہ ہٹاتا بیڈ پر دراز ہوتا کہہ رہا تھا اور وہ ایک نگاہ اس پر ڈالتی اس کے کہے پر عمل کرنے لگی تھی، اس نے سحرش کو راضی کر لیا تھا، سمیرا سے بھی پوچھا تھا مگر اس نے منع کر دیا تھا، کیونکہ وہ آج صبح ہی اپنے فادر کے ہاں گئی تھی اور فیصل اس وقت آفس میں تھا، فضیل تو سائیٹ پر گیا ہوا تھا کام ختم کر کے وہ گھر آ گیا تھا، اس لیے وہ ان کے پروگرام کا حصہ بن گیا تھا، جاتے ہوئے فضیل نے شازمین کو بھی پک کر لیا تھا کیونکہ اگر راحم اسے پک کرتا تو لمبا چکر پڑتا، کیونکہ ان کے گھر سے "کاشانہ عالم" بہ نسبت فضیل لوگوں کے گھر کے کچھ دور تھا، نوجوان پارٹی نے بڑوں کو بھی شامل کرنا چاہا تھا، مگر وہ پہلو بچا گئے تھے، اس لیے یہ ساتوں ہی سی ویو چلے آئے تھے اور انجوائے کر رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

"کنعان یار! بتا ناں بات کیا ہے جو تُو اتنا ڈسٹرب ہے؟"

"فیصل! مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں تجھ سے کیسے کہوں؟"

"سوچ نہیں اور جو دل میں ہے کہہ دے، کل تُو کس قدر اپ سیٹ لگ رہا تھا، اتنا فرسٹریٹ کبھی میں نے تجھے نہیں دیکھا، اسی لیے میں نے تجھے نہ چاہتے ہوئے بھی صرف تیرے خیال سے تجھے جانے کی اجازت دی، مگر تجھے نوید انکل اور ڈیڈی کی وجہ سے رکنا پڑا، اور میں محسوس کر سکتا تھا کہ تُو کتنا اپ سیٹ تھا، مگر کیوں، یہ سمجھ نہیں پایا تھا، پلیز! کہہ دے جو

تیرے دل میں ہے اور تجھے پریشان کر رہا ہے"۔ کل کے کنعان کے رویے کی وجہ سے وہ آفس سے گھر آیا تھا اور چینج کر کے اس سے کونفیکٹ کیا تھا اور اس کے کہنے پر کنعان نے اسے گھر سے پک کر لیا تھا اور وہ سی ویو آ گئے تھے، یہاں وہ اکثر آ جاتے تھے اور آج بھی اپنی مخصوص جگہ پر اونچے سے پتھروں پر قدرے پرسکون جگہ پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

"فیصل! میں تجھ سے سب شیئر تو کر لوں، مگر مجھے تیری ناراضی کی پرواہ ہے، میں تجھے ناراض کرنا نہیں چاہتا، اور مجھے لگتا ہے کہ تُو میری بات سن کر مجھ پر ضرور خفا ہو گا، اور تُو میرا واحد بہترین ایسا دوست ہے جسے میں کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا"۔ ماہ کنعان اس سے نظر چرائے کہہ رہا تھا۔

"کنعان! میں نے تجھ پر خود سے زیادہ بھروسہ کیا ہے، اور مجھے یقین ہے کہ تُو غلط کر ہی نہیں سکتا، مگر تُو انسان ہے ناں تو غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں، اگر کچھ غلط کر بیٹھا ہے تو کہہ دے مجھ سے، میری دوستی میں اتنا ظرف ہے کہ میں تیری غلطی کیا گناہ بھی نظر انداز کر سکتا ہوں، اور تُو اتنا یقین اپنے ساتھ ضرور رکھنا کنعان! کہ میں خود سے ناراض ہو سکتا ہوں، مگر تجھ سے نہیں۔ ہم نے زندگی کا بہت سا وقت ساتھ گزارا ہے، ہم دونوں تو ایک دوسرے کے لیے مانند کھلی کتاب ہیں تو پھر مجھ سے کیسا پردہ؟"

"میں پردہ رکھنا نہیں چاہتا، بس مجھے لگتا ہے کہ میں نے کچھ غلط کیا ہے"۔

"غلطی سدھاری جا سکتی ہے"۔

"کہی ہوئی بات اور کیا ہوا عمل کبھی لوٹایا نہیں جا سکتا فیصل!"

"آئندہ کے لیے بچا تو جا سکتا ہے؟"

"وہی تو مجھ سے نہیں ہو رہا، مجھے نجانے کیا ہو گیا ہے فیصل! کہ میں اپنے معیار سے ہی گر گیا ہوں"۔ اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا تھا اور وہ کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے بولا تھا۔

"کسی لڑکی کا چکر ہے؟ کیا تجھے کسی سے محبت ہو گئی ہے؟"

"ہاں، لیکن محبت کی مجھے خبر نہیں ہے، اس نے مجھے بہت بے بس کر دیا ہے، اتنا فیصل! کہ لڑکیوں کو اہمیت نہ دینے والا ایک فاصلہ رکھ کر ملنے والا کنعان لمحوں میں فاصلے مٹا دینا چاہتا تھا، کیا تُو یہ سوچ سکتا ہے کبھی فیصل! کہ میں کسی لڑکی کو بازو سے تھام کر اپنے نزدیک کروں گا، اتنا کہ اس کی دھڑکن صاف سن سکوں، اس کے گداز لبوں کو چھو کر گردن چوم لوں، اس کے بالوں کی نرماہٹ پوروں پر محسوس کروں، اس کے حسن کی تعریف کروں؟" وہ نگاہ جھکائے بول رہا تھا اور وہ تو حیران ہی ہوتا جا رہا تھا، کیونکہ ان دونوں کی ہی کوئی گرل فرینڈ نہیں تھی، کلاس فیلوز سے ہائے ہیلو ضرور تھی، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

"تُو مجھے کھل کر ساری بات بتا، اس طرح مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا، اور یہ لڑکی ہے کون، اور تجھے ملی کہاں؟"

"تیری مہندی میں فرسٹ ٹائم اچانک ٹکرا گیا تھا، اور اس پر نظر کیا پڑی، ہٹنے سے ہی انکاری ہو گئی، میں نے لڑکیوں کو کبھی غور سے نہیں دیکھا، دیکھا بھی تو اہمیت نہ دی، مگر وہ چہرہ اہمیت منوانا جانتا تھا شاید، اور مجھے اپنے سحر میں جکڑ گیا"۔ وہ اس لمحے کے سحر میں کھونے لگا۔

"اس کی آنکھیں، ہونٹ، مژگاں اور اس پر جگمگاتا روشن سیاہ تل، میں کس کس کی بات کروں، اس لمحے میں اپنا وجود

بھول گیا تھا، یاد تھا تو اس کا پیشانی مسلنا، پلکوں پر موتیوں کا آ ٹکنا اور ہلتے احمریں لب، میں اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا، کسی پکار پر سحر ٹوٹا تھا اور میں سمجھا تھا کہ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا، یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سحر تو مجھ پر طاری ہونے کو ہے، وہ لڈی ڈالتی، آگے پیچھے جاتی، دھیمے دھیمے مسکاتی اپنی لہراتی چوٹی اور نین کٹوروں میں میرا دل پیوست کر گئی، اس کی ہنسی نے دل میں جلترنگ بجادی، اس لمحے احساس ہوا کہ سینے میں میرے بھی دل تھا جو اس ساحرہ کی آنکھوں، لبوں، لہراتی چوٹی یا اس کے جوبن میں اٹک گیا، اس کا ہاتھ میرے سینے سے ٹکرایا تو عجیب سا سحر مجھ پر طاری ہو گیا، اس کی چھون، اس کا لمس، قرب کی خواہش جگا گیا، اور جب وہ پیچھے ہوتے ہوئے مجھ سے ٹکراتے ہوئے بچی تو اس کی بھوری آنکھوں میں مچلتے آنسو ہونٹوں سے چن لینے کی خواہش دل میں در آئی، وہ پلٹی تو اس کے سیاہ ریشمی بالوں کی نرماہٹ محسوس کرنے کی حسرت انگلیوں میں مچلنے لگی، اس نے جب خوبصورت ہاتھ پیروں کی بات کی تو خود اپنے ہاتھوں کو مسکراتے ہوئے دیکھا کہ کتنے ہی لوگوں نے میرے ہاتھ پیروں کی تعریف کی تھی، جسے اہمیت ہی نہیں دی تھی، اس وقت وہ اہمیت کے حامل لگنے لگے، اسے جانے سے روکنے کے لیے آواز دے سکتا تھا، مگر نجانے کیوں اس کا بازو تھام لیا، وہ جھٹکے سے آزاد کراتی نجانے کیا کچھ کہنے لگی، میں تو بس اس کے ہلتے لب دیکھ رہا تھا۔ میری نگاہ تو اس کی آنکھوں پر تھی، گردن پر جگمگاتے تل پر تھی، بولنے کے ساتھ اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا اور میں نے اس کے لبوں پر انگلی رکھ دی، کتنی حیرانگی در آئی تھی ان بھوری آنکھوں میں، اور وہ وہاں سے بھاگنے کو تھی کہ میں نے اسے بازو سے تھام کر اپنی طرف ایسے کھینچا تھا کہ اس کی پشت میرے سینے سے آ لگی تھی، اس کے بال مجھے چھو رہے تھے، میرے چہرے پر اپنا حصار باندھ رہے تھے اور میں نے انہیں نرمی سے ایک سائیڈ پر کیا تھا، اس کی دودھیا گلابی صراحی دار گردن اور اس پر چمکتا سیاہ تل میری نگاہوں میں آ گیا تھا اور جس پر میں نے اپنے لب رکھ دیئے تھے، وہ مچل کر میرا حصار توڑ کر نکلی تھی، اس کے چہرے کا رنگ اناری ہو چلا تھا، اور بھوری آنکھوں میں آنسوؤں کی آمیزش کے ساتھ حیرانگی، خوف، بے چینی و بے یقینی کیا کچھ نہیں لکھا تھا، اس کا جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا اور ہونٹ کپکپا رہے تھے، وہ تو سحر ش کے آ جانے کی وجہ سے میں اس سے کچھ کہہ نہ سکا، وگرنہ کم از کم جس مقصد سے روکا تھا یعنی سوری تو کر لیتا، میں وہاں سے ہٹ گیا تھا اور واش روم میں کوٹ پر گری کولڈ ڈرنک صاف کرنے گیا تھا کہ وہ وہاں چلی آئی تھی، مجھے دیکھ کر بھونچکا رہ گئی تھی، وہ غلطی سے جینٹس واش روم میں چلی آئی تھی اور مجھے دیکھ کر چیختا چاہتی تھی جسے میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر نا کام بنا دیا تھا اور اسے بڑی احتیاط سے وہاں سے نکالا تھا تا کہ اسے وہاں میرے ساتھ دیکھ کر لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع نہ مل سکے، ارحم نے جب مجھ سے اس سب کے بارے میں پوچھا تو مجھے ایک شرمندگی نے آ گھیرا تھا اور اسی لیے میں تمہارے ساتھ دعوت میں جانا نہیں چاہ رہا تھا، مگر اس خیال سے چلا گیا کہ میں اس سے ایکسکیوز کر لوں گا، مگر وہ میری موجودگی کی وجہ سے اپنوں کے درمیان آنے سے کترا رہی تھی اور یہ بات میری شرمندگی بڑھا گئی تھی، اسی لیے میں وہاں سے آ جانا چاہتا تھا، اور جس وقت میں کپڑے واش کرنے گیا تھا میں جان کر نہیں غلطی سے اس کے ہی روم میں چلا گیا تھا، چاندنی میں دھلا اس کا نازک تراشیدہ پیکر بستر پر محو استراحت تھا، وہ مجھے اپنی جانب کھینچ رہی تھی، اس سے پہلے میں بہکتا لمحوں میں اس کے کمرے سے نکل آیا تھا اور جس وقت وہ محفل کا حصہ بنی تھی، میں جان کر اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا، مگر جب مجھ سے سب نے انسسٹ کیا کہ اب میں ہی کوئی شعر سناؤں گا تو میری نگاہ اٹھی تھی اور اس کے مرمریں سے دودھیا گلابی نازک ہاتھوں پر ٹھہر گئی تھی اور میرے لب بے ساختہ ہی شعر پڑھنے لگے تھے (کاش

میں تیرے حسیں ہاتھ کا کنگن ہوتا تُو بڑے چاؤ سے بڑے مان کے ساتھ مجھے اپنی مرمریں کلائی میں پہنا کرتی) تُو جانتا ہے فیصل! کہ شاعری سے مجھے کبھی بھی شغف نہیں رہا، میں نے تو کبھی پوری غزل بھی نہ پڑھی ہوگی، یہ نظم میں نے کب پڑھی اور مجھے کیسے یاد رہی، آئی ڈونٹ بلیو دِس، میں خود اپنے آپ پر حیران ہوں کہ اس کی ایک جھلک نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا ہے، اس کا تصور کروں تو مجھے شرمندگی سی ہوتی ہے کہ میں نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ مگر میں خود کو بہت مجبور پاتا ہوں، اس کا چہرہ، اس کی آنکھیں، اس کے ہونٹ، اس کا ایک ایک انداز میرے دل اور آنکھوں میں ٹھہر سا گیا ہے، مجھے جو کبھی اپنے بارے میں یاد نہیں رہتا کہ میں نے صبح کیا کیا، کیا پہنا، کب ہنسا، مگر اس کے بارے میں بتا سکتا ہوں کہ پہلی ملاقات پر وہ کیا پہنے ہوئے تھی، کس بات پر اور کب ہنسی تھی، خفا ہوتی ہے تو اظہار کیسے کرتی ہے، روتے ہوئے کیسی لگتی ہے، آنسو کیسے پونچھتی ہے، ہوا سے چہرے پر بکھر آنے والی زلف کو کس طرح کان کے پیچھے اڑستی ہے، کوئی بات نہ کہنی ہو اور کہہ دے تو کیسے لب دانتوں تلے دبا جاتی ہے، میں کیا کیا بتاؤں فیصل! اور تُو کیا کیا سنے گا؟ مجھے تو اس نے پاگل کر دیا ہے، تُو ہی بتا فیصل! کہ یہ محبت ہے یا میں بھی عام مردوں کی طرح نفس کا غلام ہو چلا ہوں؟ مگر باخدا فیصل! اس کے بارے میں غلط انداز سے میں نے نہیں سوچا، میری آنکھوں میں اس کے لیے کچھ بھی کیوں نہ در آیا ہو، مگر غلاظت نہیں"۔ اس نے لہروں پر نظر جمائے اپنی بات اسے بتائی تھی اور اپنی اچھی نیت کا یقین دلانے کے لیے اس کی طرف دیکھا تھا جو کچھ منجمد سا اسے سن رہا تھا، اس کی موجودگی میں اتنا سب کچھ ہو گیا تھا اور وہ لاعلم ہی رہا تھا۔

"تم اب کیا چاہتے ہو؟ تمہاری نیت اگر صاف ہے تو تم نے کیا سوچا ہے، تم اسے اپنانا چاہتے ہو یا نہیں؟" خود کو سنبھالتے ہوئے بہت دیر بعد بولا تھا۔

"یہ مجھے نہیں پتہ کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ جو ہوا میں تو وہ بھی نہیں چاہتا تھا، مگر سب کیسے ہو گیا، میں سمجھ نہیں پا رہا"۔ اس کی بے یقینی کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی اور ایک بڑا سا سوالیہ نشان اس کے ذہن و دل سے چپک کر رہ گیا تھا اور جس کا جواب تو وہ گزرے دنوں میں نہیں پا سکا تھا، اب فیصل کوئی جواب دے دیتا تو اور بات تھی ورنہ اس نے تو کوشش کر دیکھی تھی۔

"کنعان! تمہیں کچھ دن اپنا جائزہ لینا چاہیے، جو کچھ تم ابھی اس کے بارے میں فیل کر رہے ہو، یہ فیلنگ کتنا عرصہ رہتی ہیں، اس کے بعد ہی کوئی حل نکالا جا سکتا ہے، کیونکہ جو کچھ تم نے بتایا، یہ عوامل محبت کے بھی ہو سکتے ہیں اور اٹریکشن کے بھی، محبت کر بیٹھے ہو تو کوئی برائی نہیں ہے، مگر صرف اٹریکٹ ہوئے ہو تو تمہیں اپنے قدم پیچھے ہٹانا ہوں گے کیونکہ میں اس میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا، ہاں تم سیریس ہوئے تو مجھ سے جیسی بھی ہیلپ تمہیں درکار ہوگی وہ تمہیں ضرور ملے گی"۔ فیصل نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تھا۔

"یہی تو میں سمجھ نہیں پا رہا فیصل! کہ جو کچھ ہوا اس کے پیچھے کون سے جذبے چھپے تھے؟ میں نے کتنے ہی ممالک میں اسٹے کیا ہے، ایک سے ایک حسین لڑکی میری نگاہ سے گزری، تنہائی کے بھی بے شمار مواقع آئے، مگر کبھی نہ میں نے کسی لڑکی کا ہاتھ تھاما، اور نہ ہی کسی کے آنسو پونچھ لینے کی خواہش جاگی، اور کہاں میں اتنا آگے بڑھ گیا"۔ وہ خود اپنے جذبوں پر یا اپنی بے باکیوں پر بے یقینی کا شکار تھا۔

"میں اسے جانتا نہ ہوتا ناں کنعان! تو شاید یہی کہہ دیتا کہ اس نے تجھے اپنے ناز و انداز سے وہ سب کرنے پر مجبور کیا ہوگا، مگر اس کی زندگی، اس کے طور طریقے، اس کا کردار سب ہی کچھ میرے سامنے ہے، تو میں تو اس پر کوئی الزام رکھ ہی

نہیں سکتا، قصور تو تیرے ہی نکلتے ہیں، تُو نے جذبوں کے حصار میں بہہ کر کیا یا اٹریکشن اتنی تھی کہ تُو خود کو روک نہ سکا، مگر جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہے، اب تجھے خود کو روکنا ہوگا، صرف تیری ہی نہیں اس کی نیک نامی کا بھی سوال ہے، تُو تو مرد ہو کر بچ نکلے گا اور وہ.... فضول میں ماری جائے گی، اور سچ بات تو یہ ہے کنعان! کہ تُو نے جو کچھ مجھے بتایا صرف تیرا دوست ہو کر دیکھوں تو میں تجھے سمجھا سکتا ہوں، روک سکتا ہوں، تجھے جسٹی فائی بھی کر سکتا ہوں، مگر اس کے حوالے سے سوچوں تو مجھے تجھ پر غصہ بھی آئے گا اور سارے قصور مجھے تیرے ہی لگیں گے کیونکہ یہ بھی سچائی ہے کہ مجھے اس سب میں اس کا رول نظر نہیں آتا۔"

"تُو مجھے بتا ناں میں کیا کروں، کیسے اس سے ایکسکیوز کروں؟"

"رہنے دے، اب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، خاموشی اختیار کر اور اپنے اوپر گہری نظر رکھ، تب ہی فیصلہ ہوگا کہ تُو کیا چاہتا ہے؟ اگر میں تجھ سے اور تیرے کردار سے واقف نہ ہوتا تو میں تجھے ضرور غلط ٹھہراتا، مگر ایسا میں چاہ کر بھی نہیں کر پا رہا، اسی لیے میرا مشورہ ہے کہ تُو اپنی فیلنگز کو سمجھنے کی کوشش کر، تُو ابھی سمجھ نہیں پا رہا، مگر حقیقت یہی ہے کہ تجھے اس سے محبت ہو گئی ہے۔"

"اگر بات یہی ہوئی تو؟" سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ابھی سے کچھ مت کہہ، اور نہ ہی مجھے زیادہ خیال آرائی کرنے دے، خود کو وقت دے، ہر چیز وقت کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہے، مگر یہ اٹریکشن ہوئی تو میرا اور تیرا کچھ نہیں جائے گا، اس معصوم کی زندگی خراب ہو جائے گی، اس لیے زیادہ مت سوچ، ریلیکس ہو جا، جو ہونا تھا ہو گیا، آگے بس کوشش کرنا کہ ایسی غلطی نہ ہو اور مجھے یقین ہے کہ تُو اب اپنی غلطی دہرائے گا نہیں"۔ فیصل نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا اور اس نے ایک لمبی سانس خارج کرتے ہوئے لب بھینچ کر کاندھے پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ یہ یقین دلانے کے لیے رکھ دیا تھا کہ وہ اس کا یقین ٹوٹنے نہیں دے گا۔

☆.....☆.....☆

"آپ نے مجھے کیوں روکا فیصل! میں اس شخص کی جان....!"

"اسٹاپ اٹ زرمین! کیا ہو گیا ہے تمہیں، یہ وقت اور جگہ ان باتوں کے لیے غیر مناسب ہے، کول ڈاؤن، تمہارے جا کر کچھ کہنے سے کچھ نہیں ہوگا"۔ وہ دونوں ٹہلتے ہوئے ان سب سے الگ ہو گئے تھے، چلتے چلتے تھک گئے تو وہ دونوں پتھروں پر ٹک گئے، اپنی باتیں کر رہے تھے کہ انہیں دھیمے دھیمے انداز میں کسی کے باتیں کرنے کی آواز آنے لگی تھی اور جب فیصل نے کہا تھا کہ یہ فیصل کی آواز ہے اور وہ دونوں وہاں سے اٹھے تھے، کچھ آگے بڑھے تھے کہ کنعان بولنا شروع ہو چکا تھا اور اس کی آواز اور باتیں سن کر وہ فیصل کا ہاتھ تھام گئی تھی اور اشارے سے چپ رہنے کو کہا تھا، اور جیسے جیسے وہ کنعان کی باتیں سن رہے تھے، فیصل متحیر جبکہ اس کو غصہ آنے لگا تھا اور وہ نہایت غصے میں بپھری اس کی جانب بڑھ رہی تھی کہ وہ اس کو روک گیا تھا، اور اسے بازو سے تھامے اس جگہ سے لے آیا تھا اور اب وہ اس سے الجھ رہی تھی۔

"کیسے کچھ نہیں ہوگا، میں اسے آئینہ دکھاؤں گی"۔

"ہو گا کیا اس سے؟ جو کچھ ہو چکا ہے وہ پلٹا نہیں جا سکتا"۔

"یہ کیا بات ہوئی فیصل! ہمیں اس سے جواب طلبی تو کرنی ہی چاہیے، اور یہ فیصل، یہ کتنے آرام سے وہ سب سن رہے تھے، اس نے جو بکواس کی وہ میری بہن کے لیے کی ناں اس لیے، وہاں سحرش بھی تو موجود تھی، اگر یہ سب اس نے سحرش

کے ساتھ کیا ہوتا تب بھی وہ اتنے ہی مطمئن ہوتے اور آپ بھی؟"

"فار گاڈ سیک، زرمین! اس سب میں سحرش کو کیوں بیچ میں لا رہی ہو؟"

"اس لیے تا کہ آپ سمجھ سکیں کہ جس شخص پر آپ کو اور آپ کے بھائی کو بہت یقین ہے وہ اس کے لائق نہیں ہے، نیلی فلکشن میں ہر ایرے غیرے کو نہیں بلا لیتے"۔ اس کا پارہ تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا، مگر وہاں حنین اور شاز مین کو آتے دیکھ وہ بات ادھوری چھوڑ گئی تھی۔

"زرمین آپی! ہم کب سے آپ کو ڈھونڈ رہے ہیں، کیا یہاں سے جانے کا ارادہ نہیں ہے؟" وہ سامنے آتے ہوئے بولی تھی۔

"ہم لوگ بس آ ہی رہے تھے"۔ زرمین کے بجائے فیصل نے کہا اور وہ ان کے ساتھ ہی آگے بڑھ گئے، اب ان لوگوں کا ارادہ میکڈونلڈ جانے کا تھا، مگر زرمین بری طرح ڈسٹرب ہو چکی تھی، وہ نہ ان لوگوں کے مذاق کا حصہ بنی تھی اور کھانا بھی برائے نام ہی کھایا تھا، اسے تو کنعان سے زیادہ فیصل پر غصہ آ رہا تھا اور فیصل پر بھی، اس لیے اس نے فیصل سے گھر آ کر بھی کوئی بات نہیں کی تھی، اور اس نے بھی اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

☆.....☆.....☆

"فیصل! آپ مجھے معاف نہیں کر سکتے، میں شرمندہ ہوں آپ سے؟" وہ تین دن سے سمیرا سے بات نہیں کر رہا تھا، وہ اپنے ڈیڈی کے ہاں چلی گئی تھی، وہاں 2 دن رہی، اس نے ایک دفعہ بھی اسے فون تک نہیں کیا اور اسے لینے بھی نہیں گیا، اس کی طبیعت کچھ خراب تھی، اس لیے مہوش اسے ڈاکٹر کو دکھا کر گھر لے آئی تھیں جبکہ اس کی ناراضی ہنوز برقرار ہے۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو اور بخار کی شدت سے سرخ ہوتا چہرہ دیکھ کر وہ کچھ نرم لہجے میں پوچھنے لگا۔

"میں بالکل ٹھیک نہیں ہوں فیصل! آپ کی ناراضی کے خیال سے میں سو تک نہیں سکی، آئی ایم سوری! وہ بندیا دیکھ کر میں نے بہت بُری ایکٹ کیا تھا، آپ کو جانے کیا کچھ کہا، میں ویسا آپ کے بارے میں بالکل نہیں سوچتی، وہ تو بس میں اسے دیکھ کر ڈر گئی تھی، اس لیے وہ سب کہا، بٹ میں آپ سے شرمندہ ہوں"۔ وہ بیڈ پر اس کے پاؤں کے پاس بیٹھی روتے ہوئے ہاتھ تھام گئی تھی۔

"تم نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے سمیرا! اتنی سی بات کو تم نے اتنا بڑھا دیا اور جب میں تم سے کہہ رہا تھا کہ جو بات کرنی ہے کمرے میں رہ کر کرو، تو تم کمرے سے کیوں نکلیں؟" اس کے لہجے میں سنجیدگی تھی اور وہ اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔

"آئندہ ایسا نہیں کروں گی فیصل! بٹ میں کیا کرتی، مجھے ایسی سچویشن کو ہینڈل کرنا نہیں آتا، میرا نقصان معمولی ہو یا بہت بڑا، میں تو دوڑ کر ڈیڈی کے پاس چلی جاتی تھی اور وہ ہر طرح کی سچویشن ہینڈل کر لیتے تھے، اس وقت بھی مجھے پہلا خیال ڈیڈی کا آیا تھا، میں سب ڈیڈی کو بتا کر آپ کو ڈی گریڈ کرنا نہیں چاہتی تھی، مجھے تو یہی لگا کہ میں ان کو بتاؤں گی تو وہ ہمیشہ کی طرح سچویشن ہینڈل کر لیں گے اور آپ نے بھی تو مجھے کچھ ٹھیک سے نہیں بتایا تھا، اگر آپ مجھے تسلی بخش جواب دے دیتے تو مجھے ڈیڈی کا خیال نہیں آتا"۔ وہ اپنی مجبوری کہے یا کمزوری، اسے بتا رہی تھی۔

"دیکھو سمیرا! تم مجھے سمجھنے کی کوشش کرو، اور سچویشن کو خود ہینڈل کرنا سیکھو، اور مجھے تم پر غصہ صرف اس لیے آیا کہ جب

میں نے کہا کہ وہ بندیا حنین کی ہے اور مجھے ملی تھی، مگر دینا مجھے یاد نہیں رہا تو تمہیں میری بات پر یقین کرنا چاہیے تھا، مگر تم نے میری بات جھٹلائی اور مجھے لگا کہ تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے، تم مجھ پر شک کر رہی ہو"۔

"میں آپ پر شک کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی"۔

"پھر وہ سب کیا تھا سمیرا! اگر تم شک نہیں کر رہی تھیں تو تمہیں اگنور کر دینا چاہیے تھا، مگر تم نے بات بھابی تک پہنچادی"۔ وہ اپنے پیر سمیٹتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے قدرے برہمی سے بولا تھا۔

"آئی ایم سوری!" اس کا ہاتھ ہاتھ میں لیتے ہوئے وہ نم زدہ لہجے میں بولی تھی۔

"تمہیں ابھی بہت تیز بخار ہے، ٹیبلٹس لے لی ہیں؟" وہ فکرمندی سے بولا تھا۔

"وہ سب چھوڑیں اور پہلے یہ بتائیں آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے ناں؟" اس کی ایک ہی رٹ تھی اور اس نے بایاں ہاتھ اس کے گال پر رکھا تھا جبکہ دایاں اس کے ہاتھ میں تھا۔

"میں تم سے ناراض نہیں تھا، مجھے تم نے ہرٹ کیا تھا اور میں چاہتا تھا کہ اس بات کا تمہیں احساس ہو، تاکہ تم جذبات میں آئندہ ایسا کچھ نہ کرو، ہم میاں بیوی ہیں سمیرا! اور ہماری آپسی محبت اور خفگیاں ہمارے تک ہی محدود رہنی چاہئیں، کیونکہ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میری اور میری بیوی کی ذات وجہ موضوع بنے، میں ایک دم پرفیکٹ نہیں ہوں، مجھ میں بہت سی خامیاں ہیں، جو صرف مجھ کو پتہ ہیں یا اب تم ان کی واقف کار ہو، اور میں چاہتا ہوں کہ میری کوئی خامی تمہیں ایریٹیٹ کرے تو تم مجھ سے شیئر کرو، نہ کہ تم اس کا زمانے بھر میں اشتہار لگا دو، کیونکہ ہر انسان میں خوبیاں اور خامیاں دونوں ہی ہوتی ہیں، مگر اس کی ہر خوبی و خامی زمانے کے علم میں نہیں ہوتی، کچھ باتیں انسان کی ذات تک محدود رہتی ہیں، اور رہنی بھی چاہئیں کیونکہ جب انسان کھلی کتاب بن جاتے ہیں تو ان کی ذات اشتہار بن جاتی ہے، اور جس کو پڑھنا اور اپنا تمنس دینا لوگ اپنا فرض عین سمجھتے ہیں اور کوئی میری اور میری بیوی کی ذات میں ایک حد تک دلچسپی لے تو ٹھیک ہے، مگر حد سے تجاوز کرے تو مجھے یہ بات برداشت نہیں ہو سکتی، تم اور میں اب ایک ہیں، میری تعریف تمہاری تعریف، اور تمہاری برائی یعنی میری برائی، اور کوئی تمہیں کچھ کہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ کوئی مجھے کچھ کہہ رہا ہے اور ہم دونوں کو ہی اس سے بچنا ہے، اب ہم دونوں ہی ایک دوسرے کا راز بھی ہیں اور پردہ بھی۔ راز کو راز کس طرح رکھنا اور پردہ کس وقت سب کے سامنے کھولنا ہے، یہ ہم پر منحصر ہے، ہم کیوں لوگوں کو موقع دیں کہ وہ جب چاہیں ہماری ذات سے پردہ اٹھالیں اور جھانک کر ہم کو دیکھ لیں؟ اب اٹھو، جا کر منہ دھو کر آؤ، میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں"۔ اس نے اس کا گال تھپتھپایا تھا اور وہ اٹھ گئی تھی، جبکہ فیصل نے کتاب دوبارہ اٹھالی تھی تاکہ اس کے تیار ہونے تک وہ باقی صفحات پڑھ لے۔

☆.....☆.....☆

"تایا ابو! اب آپ مجھے گاڑی لے کر دیں گے، آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں نے انٹر میں پوزیشن لی تو آپ مجھے گاڑی دلا دیں گے اور میں نے تو پورے بورڈ میں فرسٹ پوزیشن لی ہے"۔ حنین نے ان کا وعدہ یاد دلاتے ہوئے فخریہ اپنا کارنامہ بیان کیا تھا۔

"تمہیں ڈرائیونگ کب آتی ہے؟"

"تائی جان! اس کے لیے میں ٹریننگ سینٹر جوائن کر لوں گی، آپ بتائیے تایا ابو! مجھے کار کب دلائیں گے؟" وہ ان کو

جواب دے کر واپس نوید عالم کی جانب گھوم گئی تھی۔

"جب تم کہو"۔ انہوں نے اس کی اتنی بڑی خوشی کو خراب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"تایا ابو! ابھی شوروم چلیں؟" وہ جوش سے بولی تھی۔

"اوہوں..... میں نہیں جاسکوں گا، تم ارحم کے ساتھ چلی جانا"۔ انہوں نے نہ جانے کی معذرت کر لی۔

"تایا ابو! میں ارحم بھیا کے ساتھ چلی جاؤں؟" اس نے پوچھا تھا اور ان کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا، انہوں نے حامی بھر لی اور وہ ارحم کو فون کرنے دوڑی اور یہ اس کی خوش نصیبی ہی تھی کہ ارحم گھر پر ہی تھا اور بالکل فارغ بھی۔ اس لیے وہ فوراً ہی راضی ہو گیا اور کچھ ہی دیر میں ارحم نے اسے پک بھی کر لیا۔

"یو آر ویری لکی حنین! انٹر میں، میں نے سیکنڈ پوزیشن لی تھی، بٹ مجھے اتنا بڑا گفٹ کسی نے نہیں دیا، پاپا نے بھی نہیں"۔ وہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے بولا۔

"آپ نے سیکنڈ پوزیشن لی تھی ارحم بھیا! اور میں نے فرسٹ پوزیشن لی ہے"۔ اس نے فخر سے بتایا تو وہ مسکرا دیا۔

"اچھا تو فرسٹ پوزیشن ہولڈر مس حنین عالم! مجھ سے کیا گفٹ لیں گی؟"

"جو آپ دے دیں، گفٹ تو اپنی مرضی اور خوشی سے دیا جاتا ہے، تایا ابو نے بھی گاڑی دینے کا مجھے خود سے وعدہ کیا تھا"۔ وہ اس کی معلومات میں اضافہ کر رہی تھی۔

"تو تم نے صرف گاڑی لینے کی وجہ سے دن رات محنت کی تھی؟"

"جی نہیں، میں نے میٹرک میں بھی فرسٹ پوزیشن لی تھی، بس یہ کہہ سکتے ہیں کہ تایا ابو کے وعدے نے میرا مورال ہائی کر دیا تھا"۔ وہ بہت خوش تھی اور اس کی خوشی انداز و چہرے سے عیاں تھی، ارحم نے اسے کافی دن بعد اپنے اصلی روپ میں دیکھا تھا، وگرنہ وہ پورے 15 دن ان کے ہاں رہی تھی، مگر پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ حنین ان کے ہاں آئی ہوئی ہے، اس کا جوش اور ہنسی ماند سی تھی۔

"تمہارے پاس سیل فون نہیں ہے، اور اب تم یونیورسٹی میں ایڈمیشن لو گی تو اس کی ضرورت پڑے گی تو اس لیے میں تمہیں سیل فون گفٹ کر دیتا ہوں"۔ وہ بڑی مہارت سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے بولا تھا۔

"کیا.....؟ سچ ارحم بھیا!" اس کے جوش سے پوچھنے پر اس نے محض سر ہلا کر مثبت جواب دیا تھا۔

"سیل فون میں اپنی پسند سے لوں گی"۔

"او کے، جو چاہو لے لینا، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے تم کمپنی اور ماڈل جو چاہو لے سکتی ہو، فی الحال تو یہ بتا دو گاڑی کون سی لینی ہے؟"

"کرولا لینی ہے، ماڈل واڈل کا مجھے پتہ نہیں، اسی طرح سیل فون مجھے آپ فلپ والا دلا دیجیے گا، ماڈل آپ خود دیکھ لیجیے گا"۔ اس نے اپنی پسند بتائی بھی تھی اور نہیں بھی، اور ساری ذمے داری اس پر ڈال دی تھی، جسے اس نے بڑی ہی خوش اسلوبی سے نبھایا تھا، اور اسی نے قابل اعتماد ڈرائیونگ انسٹیٹیوٹ میں اس کا ایڈمیشن کروا دیا، وہ اس سب سے بے حد خوش تھی۔

☆.....☆.....☆

"ابو! پلیز سمجھنے کی کوشش تو کریں"۔

"کیا سمجھنے کی کوشش کروں اسجد! میں اپنی بہن کو کھونا نہیں چاہتا، سمجھنے کی مجھے نہیں تمہیں ضرورت ہے"۔

"آپ پھپھو سے بات تو کر کے دیکھیں، میں مائدہ کو خوش نہیں رکھ پاؤں گا، میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں"۔

"شرم آنی چاہیے، باپ کے سامنے ایسی باتیں کرتے"۔ نوید عالم کے لہجے میں سختی تھی۔

"ابو! میں مائدہ سے شادی نہیں کر سکتا"۔ وہ بے بسی سے بولا تھا۔

"تمہاری شادی مائدہ سے ہی ہوگی اور اب میں کچھ نہیں سننا چاہتا"۔ انہوں نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

"ابو! میں نے آپ کے کہنے بلکہ مجبور کرنے پر مائدہ سے منگنی کی، شادی بھی کر لیتا، مگر وہ لڑکی جس سے میں نے محبت کی وہ میری محبت میں معذور ہوگئی ہے اور میں اسے بے سہارا نہیں چھوڑ سکتا، اسے میری ضرورت ہے ابو! مائدہ کو مجھ سے اچھے اور بہترین شخص کا ساتھ مل جائے گا، مگر یسریٰ.... وہ جو پہلے غربت کی چکی میں پس رہی تھی، اب زندگی کا دائرہ اس پر مزید تنگ ہوگیا ہے۔ ابو! وہ ایک یتیم لڑکی ہے، اس کا وجود اس کی خالہ کے لیے بوجھ بن گیا ہے اور اس کا ذمے دار کہیں نہ کہیں میں بھی ہوں"۔ اس کے انداز میں قدرے بے چارگی سی تھی۔

"تم کیسے ذمے دار ہو، اسے معذور تم نے بنایا ہے؟" وہ چیخے تھے۔

"ہاں، اسے معذور میں نے بنایا ہے، اس کا ایکسیڈنٹ میری گاڑی سے ہوا، اور وہ چل نہیں سکتی، یہ معذوری چند سالوں کی ہے یا عمر بھر کی، مجھے نہیں پتہ، مگر اسے اپنانا میں اپنے انسانی فرض کے ساتھ محبت کا فرض بھی سمجھتا ہوں"۔ اسجد کے انداز میں سچائی اور اپنی کہی بات پر عمل کرنے کا عزم موجود تھا اور نوید عالم کے کہنے پر اس نے انہیں ایکسیڈنٹ کی روداد اپنے انداز میں کہہ سنائی تھی، جیسے ارحم کو اس نے نہیں بتایا تھا کہ یسریٰ اس کی گاڑی کے سامنے خود آئی تھی، یہ بات وہ باپ سے بھی چھپا گیا تھا، مگر ارحم اس بات سے اب تک ناواقف ہی تھا کہ اس لڑکی کو اسجد جانتا ہے، اس لیے ہی اس نے علاج پر پیسہ پانی کی طرح بہایا ہے، وہ شادی کی مصروفیات میں بھی پابندی سے ہاسپٹل جاتا رہا تھا اور 3 دن قبل اسے ڈاکٹرز نے یہ کہہ کر ڈسچارج کیا تھا کہ اسے بیڈ ریسٹ کی ضرورت ہے، مکمل احتیاط اور ورزش کے ساتھ کوشش سے وہ پھر سے اپنے پیروں پر چل سکتی تھی، مگر کب؟ یہ ابھی نہیں اس کی 2 سے 3 ماہ میں کنڈیشن دیکھنے کے بعد ہی بتانا پوسیبل تھا۔

"تم نے یہ سب مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" استفسار کیا تھا۔

"میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا اور اسی ٹینشن میں، میں گھر آیا تھا اور حنین کے بحث کرنے پر فرسٹریشن میں اس پر ہاتھ اٹھا بیٹھا تھا"۔ اس نے کہتے ہوئے سانس خارج کی تھی۔

"اور پھر زرمین کی شادی اتنی ارجنٹلی فکسڈ ہوئی کہ میں نے آپ سے ذکر نہیں کیا، میں جتنا کر سکتا تھا ابو! میں نے کیا، ہر طرح سے اس کا علاج کروایا ہے، مگر وہ جو معذور ہوئی ہے تو صرف میری وجہ سے"۔

"تم اسے بہترین سے بہترین ڈاکٹر کو دکھاؤ، پیسے کی تم فکر مت کرو، مگر یہ خیال دل سے نکال دو کہ تمہاری اس سے شادی ہوگی، میں اسے مالی طور پر سپورٹ کروں گا، مگر جذباتی طور پر نہیں، کیونکہ اسے سپورٹ کرنے کا مطلب ہوگا، اپنی بہن سے بگاڑ پیدا کرنا"۔

"آپ پھپھو کو سچویشن بتائیں گے تو وہ ضرور میری مجبوری سمجھیں گی"۔

"فریدہ میری اکلوتی بہن ہے اسجد! اور میں بیٹے کی خاطر اسے نہیں چھوڑ سکتا، تمہاری شادی مائدہ سے ہی ہوگی اور اسی ماہ ہوگی"۔ انہوں نے گویا کوئی بم اس کی سماعتوں پر پھوڑا تھا۔

"لیکن ابو....!" اس نے کچھ کہنا چاہا تھا، مگر وہ اسے بولنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں اسجد! میں نے تمہارا مائدہ سے رشتہ جوڑا ہے اور تمہاری اس سے شادی بھی ہوگی، تم اپنی خوشی اور اس لڑکی کے مفاد کی خاطر اپنی بہن کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہو؟ کیا تم نے سوچا ہے کہ تم مائدہ سے شادی نہیں کرو گے تو ارحم، شازمین سے شادی کر لے گا؟" وہ بیٹے سے سوال کر رہے تھے اور اس کے جواب دینے سے قبل خود ہی بولے تھے۔

"کبھی نہیں کرے گا، تمہاری وجہ سے نہ صرف رشتوں میں دراڑ آجائے گی بلکہ میری بیٹی کا رشتہ بھی ٹوٹ جائے گا، کوئی ماں باپ ایسے نہیں ہوتے کہ بیٹی کو ذلیل کرنے والوں سے ہنس کر ملیں، فریدہ اور یوسف بھی ایسا نہیں کر پائیں گے اور اس سب کے ذمے دار صرف تم ہوگے، اور میں ایسا نہیں چاہتا۔ مائدہ سے شادی نہیں کرو گے تو میں تم سے ہر ایک تعلق ختم کر لوں گا، تمہیں عاق کر دوں گا، اپنی زندگی اور جائیداد سے۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے، اس لڑکی کا علاج کروانا ہے یا نہیں؟ اگر ہاں، تو مائدہ سے شادی کر لو"۔ نوید عالم نے نیچر سے برخلاف ایک سخت فیصلہ لیا تھا۔

"ٹھیک ہے، مائدہ سے میں شادی کر لوں گا، مگر اسے خوش نہ رکھ سکوں تو مجھے الزام مت دیجیے گا"۔ وہ ایک نظر باپ پر ڈالتا وہاں سے ہٹ گیا اور نوید عالم نے ارجنٹ لی شادی کی تاریخ رکھ لی، اسی ماہ کی گیارہ کو اسجد اور مائدہ اور راحم اور شازمین کی شادی تھی، زرمین اور سمیرا کی طرح ان کی بھی شادی ایک ہی حال میں ایک ہی دن ہونی تھی، اسجد نے بالکل خاموشی اختیار کر لی تھی، مگر وہ یسریٰ سے اب بھی کونٹیکٹ میں تھا، اس نے یسریٰ کی دیکھ بھال کے لیے اس کے گھر میں ایک نرس رکھ چھوڑی تھی، اس نے یسریٰ کو لیکن اپنی شادی کے بارے میں نہیں بتایا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ جذبات میں آکر دوبارہ کوئی غلط قدم اٹھائے، یسریٰ کی خالہ کو بھی اس نے ماہانہ 5 ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا، اس لیے وہ یسریٰ کو اپنے گھر میں رکھے ہوئے تھیں، وگرنہ اس کا وجود پہلے ہی ان کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا تو اسے وہیل چیئر پر بٹھا کر وہ ہرگز بھی سر آنکھوں پر نہیں بٹھا سکتی تھیں، مگر وہ ایک لالچی خاتون تھیں، جب گھر بیٹھے اتنا پیسہ مل رہا تھا تو وہ خاموشی اختیار کر گئیں، وگرنہ یسریٰ انہیں آج بھی ناپسند ہی تھی کہ بہن کے مرنے کے بعد اس کی بیٹی کی ذمے داری ان پر پڑ گئی تھی، جسے انہوں نے محض بوجھ سمجھ کر گھر میں رکھ لیا کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

"او مائی گاڈ! یہ کیا ہوگیا مجھ سے"۔ حنین کو گاڑی سیکھے بہت زیادہ دن نہیں ہوئے تھے، مگر وہ آج کسی کو بھی بنا بتائے فرسٹ ٹائم اپنی گاڑی لے کر نکلی تھی اور تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے وہ سامنے سے آتے بچے کو دیکھ نہیں سکی تھی اور جیسے ہی نظر پڑی تھی بریک لگاتے لگاتے بھی اتنی دیر ہوگئی تھی کہ وہ بچہ زخمی حالت میں بے سدھ پڑا تھا، اس نے کار سے نکلتے ہوئے اس بچے کو ہلایا تھا، مگر خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا اور وہ دس گیارہ سال کا مانگنے والا بچہ بے ہوش تھا، لوگ جمع ہونے لگے تھے اور اس کی خوف کے مارے جان نکلنے لگی تھی۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

عائشہ ذوالفقار

افسانہ

میں تنہا ایک تارا

''بھائی جی! تارا نے ابھی آگے مزید پڑھنا ہے''۔ ثمینہ چچی نے ذرا جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آواز نکالی، آخر اُن کی راج دُلاری بیٹی کا معاملہ تھا۔

''ہاں تو پڑھے، لیکن اپنے شوہر کی مرضی سے''۔

تایا ابا کی آواز خاصی اونچی تھی، ثمینہ چچی نے ایک نظر اپنی بیٹی کے متوقع ''شوہر'' کو دیکھا جو کسی ملزم کی طرح کٹہرے میں کھڑا تھا۔

''ابو! میں نے ابھی شادی نہیں....!'' بات کا آخری حصہ تایا ابا کے سامنے سر جھکائے کھڑے حمزہ کے منہ میں ہی رہ گیا، اس سے چھوٹا اُسامہ، بھائی کی بزدلی پر بل کھا کر رہ گیا۔

''خبردار! جو میری مرضی کے خلاف اب ایک بات بھی منہ سے نکالی تو، غضب خدا کا میں باپ ہو کر اپنی اولاد سے کچھ اُمید رکھ ہی نہیں سکتا''۔ حمزہ کی رہی سہی ہمت بھی جواب دی گئی۔

''بس طے ہو گیا، تارا نے اگر آگے پڑھنا ہے تو حمزہ سے شادی کے بعد''۔ حمزہ نے بے بسی سے اپنے انتہائی سخت باپ کی طرف دیکھا، نگاہوں میں ایک معصوم چہرہ آن بسا۔

''ابو! مجھے تارا سے شادی نہیں کرنی''۔ اُسامہ اُس کی بہادری پر عش عش کر اٹھا، ثمینہ چچی کے گرتے حوصلوں کو بھی تھوڑا سہارا ملا۔

''کیوں؟'' وہ ایک دم اس کی طرف مڑے۔

''وہ بس میری مرضی''۔ وہ کچھ زیادہ ہی بہادر بن رہا تھا۔

''تو پھر ٹھیک ہے برخوردار! آج سے میری زمینوں پر قدم رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، سمجھے؟'' اب کے حمزہ تڑپا لاکھوں لوگوں کی بھوک مٹاتی گندم اور دوسری فصلوں سے بھری زمین تو اس کا عشق تھی، پہلا عشق۔

''ابو! پلیز....!'' اس کی ساری بہادری ایک دم ہوا ہو گئی۔

''خبردار! جب میری بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے تمہارے نزدیک، تو پھر میں کیوں تمہاری تسلیم کروں؟'' تایا ابا غرائے۔

''ابو! آپ کیوں میری ہر بات میں زمین کو گھسیٹ لاتے ہیں؟'' وہ رونے والا ہو گیا۔

''کیونکہ وہ زمین میری ہے''۔ وہ بولے۔

''اور میں آپ کا کیا لگتا ہوں، میرا کیا رشتہ ہے آپ سے؟'' حمزہ نے انہیں ایموشنل بلیک میل کرنا چاہا۔

''میری بات مان لو گے تو میرے فرمانبردار بیٹے کہلاؤ گے''۔ تایا ابا انتہائی سخت ہو رہے تھے۔

''اور نہ مانوں تو....؟'' حمزہ نے پوچھا۔

''تو کیا؟ رشید سے بات کرنے کی دیر ہے، فصل سمیت ہر ٹکڑا اُسے بیچ دوں گا''۔ وہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے، ثمینہ چچی اسے گھورتی ہوئیں کچن کی طرف چلی گئیں، انہیں چچا کو چائے دینی تھی، اسامہ اور نومی لپک کے اُس کی طرف آئے۔

''سب اپنی مرضی کر سکتے ہیں، بس میں نہیں کر سکتا، بڑے بھیا نے اپنی مرضی سے میڈیکل فیلڈ کا انتخاب کیا، ابو نے انہیں ایک دفع بھی کچھ نہیں کیا، آپی نے اپنی مرضی سے سائیکالوجی پڑھی پھر اپنی مرضی سے شادی کی، ان کی دفع بھی نہ کچھ کہہ سکے، اور میں نے آج تک اپنی مرضی سے کچھ نہیں کیا، جو کیا اس کی سزا آج تک بھگت رہا ہوں، ہر بار مجھے زمین کا طعنہ دیتے ہیں، ان کی زمین ہے تو کیا ہوا، آج اسے اس قدر زرخیز بنانے میں صرف اور صرف میرا خون پسینہ لگا ہے، انہیں تو بس بیچنے اور خریدنے کی باتیں آتی ہیں''۔ وہ دل کھول کر بھڑاس نکال رہا تھا۔

''اور ایک وہ تمہاری بہن صاحبہ، خود تو آرام سے اتنی دور بیٹھ کے آگے پڑھنے کا آرڈر لگا دیا اور جان میری عذاب میں آ گئی ہے، میں خوامخواہ قربان ہو رہا ہوں''۔ اس نے باقی کا غصہ نومی پر اُتارا۔

"غصہ نہ کریں بھائی! سوچیں کہ اب کیا کرنا ہے؟" اسامہ نے اس کی سوچوں کا رخ دوسری طرف موڑا۔

"مجھے تارا سے شادی نہیں کرنی، اس کا کیا بنے گا؟" حمزہ کی بات پر دونوں نے ایک ساتھ پوچھا۔

"کون، کس کا؟" حمزہ نے دونوں کو خونخوار نظروں سے گھورا۔

"مریم کا....؟" دونوں کے منہ سے ایک ساتھ "اوہ...." نکلا۔

"بس تو بھائی! پھر ایک کام کریں، سامان باندھیں اور تیاری پکڑیں ملتان جانے کی، خود جا کر تارا آپی سے ملیں اور ان سے ریکوئیسٹ کریں کہ وہ منع کر دیں، یا پھر آپ دونوں کچھ اور سوچ لیں"۔ اسامہ بات کرتا ہوا ذرا اس کے قریب ہوا۔

"ثمینہ چچی نجانے اسے کس کس طرح بتائیں، آپ خود جا کر ٹھیک طرح سے سب کچھ بتانا"۔ نومی تاڑ گیا کہ بات اس سے چھپا کر کی جا رہی ہے۔

"یہ کس کی بات کر رہے ہو؟" اس نے اسامہ کو اپنی طرف کھینچا۔

"اوہ.... کچھ نہیں یار! جانے دے"۔ اسامہ نے اسے مطمئن کرنا چاہا، حمزہ ان دونوں کو چھوڑ کر باہر آ گیا، اسامہ نے اسے بالکل ٹھیک مشورہ دیا تھا، اپنے پہلے عشق "زمین" اور دوسرے عشق "مریم" کے لیے اسے ملتان جانا ہی چاہیے تھا، اور وہ اگلی صبح ہی ملتان چلا گیا۔ وہ کھانا کھا کر روم میں آئی تو اقراء نے اسے کہا۔

"تارا! تمہارا سیل کئی دفعہ بج چکا ہے"۔ اس نے حیران ہوتے ہوئے سیل فون اُٹھایا، حمزہ کی کال دیکھ کر وہ اور حیران ہوئی، پھر اس نے حمزہ کو بیک کال کی۔

"تارا کی بچی! فون کیوں نہیں اُٹھاتی ہو؟" کال ریسیو ہوتے ہی اُسے حمزہ کی جھلائی ہوئی آواز آئی۔

"کیا مسئلہ ہے، جو فون کر رہے ہو؟" تارا بھی آخر اُسی خاندان کا حصہ تھی۔

"میں یہاں یونیورسٹی کے گیٹ پر کھڑا ہوں، ہاسٹل کا ایڈریس بتاؤ"۔ تارا حیران رہ گئی۔

"حمزہ! تم یہاں کیوں آئے ہو؟" اس نے سوال کیا۔

"تمہارے پیچھے آیا ہوں"۔ وہ جل کر بولا۔

"گرمی سے مرنے والا ہو رہا ہوں میں، ہاسٹل کا ایڈریس بتاؤ جلدی"۔ تارا نے بادل نخواستہ اسے پتا سمجھایا۔

"اب جلدی آ جانا گیٹ پر"۔ وہ فون بند کرتے ہوئے بولا۔

"یہ کیوں آیا ہے یہاں؟" اس کے ذہن میں یہی بات گھومے جا رہی تھی، دس منٹ بعد حمزہ گیٹ پر آ گیا۔

"اب بتاؤ، کیوں آئے ہو؟" حمزہ نے قہربار نظروں سے اُسے گھورا۔

"ہو تو آخر ثمینہ چچی کی بیٹی ناں، پانی تو پلا دو"۔ تارا نے شرمندہ ہوتے ہوئے اسے پانی پلایا، پھر وزٹنگ روم میں لے گئی۔

"اب بتا بھی دو، کیوں آئے ہو؟" حمزہ نے اُسے بتانا شروع کیا۔

"ابو میری اور تمہاری شادی کر رہے ہیں"۔ جیسے جیسے وہ بولتا جا رہا تھا، تارا پریشان ہوتی جا رہی تھی۔

"تارا تم کچھ کرو ناں، اتنی ذہین بنتی ہو، تو تھوڑی سی ذہانت اس طرف بھی لگا دو، مجھے تم سے شادی نہیں کرنی، ہم دونوں کا کوئی جوڑ نہیں ہے، تارا! کہاں تم اتنی پڑھی لکھی اور کہاں میں، صرف FSc، ابو کسان کہتے ہیں مجھے"۔ تارا ابھی تک چپ تھی۔

"تارا....!" حمزہ نے اُس کی آنکھوں کے آگے

ہاتھ لہرایا۔

"ہوں....!" وہ متوجہ ہوئی۔

"اب کیا کرنا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"حمزہ! مجھے ابھی آگے پڑھنا ہے، کیسی شادی....؟ نو.... ابھی نہیں"۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں، مجھے بھی ابھی شادی نہیں کرنی اور تم سے نہیں کرنی"۔ وہ جلدی سے بولا۔

"میں کچھ سوچتی ہوں حمزہ! اب تم واپس جاؤ گے یا....؟" حمزہ کھڑا ہو گیا۔

"رات کسی مسجد میں گزار کے صبح جاؤں گا"۔ تارا چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔

"ٹھہرو ذرا، میرا ایک کلاس فیلو ہے، اِدھر ہاسٹل میں، وہ تمہیں ٹھہرا لے گا، ایک رات اپنے پاس، میں بات کرتی ہوں اس سے"۔ تارا اُسے وہیں چھوڑ کر کمرے میں آ گئی، پھر اس نے ارمان سے بات کی، حمزہ کو لیا اور یونیورسٹی آ گئی۔

"ارمان! یہ حمزہ ہے، میرے تایا کا بیٹا"۔ ارمان ویسا ہی تھا جیسا حمزہ نے سوچا، جیسا یونیورسٹی میں پڑھنے والا ہر لڑکا ہوتا ہے، حمزہ دیکھتے ہی امپریس ہو گیا۔

"بس ایک رات، صبح یہ واپس چلا جائے گا"۔ تارا بولی۔

"کوئی بات نہیں تارا! یہ جب تک چاہیں، رُک سکتے ہیں"۔ ارمان شائستگی سے بولا تھا۔

"تھینکس!" تارا مسکرائی۔

"تھینکس!" ارمان بھی مسکرایا تھا۔

☆.....☆.....☆

آج حمزہ نے واپس جانا تھا، اس نے ارمان کے ساتھ جتنا وقت گزارا، اچھا گزارا، ارمان اسے خود یونیورسٹی لے کر آیا۔

"تھینکس ارمان!" تارا شائستگی سے بولی تھی پھر اسے خود گیٹ تک لے کر آئی۔

"تارا! تم پلیز ضرور کچھ کرنا، ابو میری بات نہیں سنتے، لیکن تمہاری ضرور سن لیں گے، انہیں ویسے بھی سارے خاندان میں پرخاش صرف مجھ سے ہے"۔ وہ اس کے برابر چلتا ہوا بول رہا تھا۔

"ویسے تارا! میرے ذہن میں ایک آئیڈیا ہے"۔ تارا نے رُک کے اس کی طرف دیکھا۔

"اگر تم ابو سے کہہ دو کہ تم کسی اور سے شادی کرنا چاہتی ہو، یا تمہارا کوئی اور بہتر رشتہ آ جائے تو شاید....!" تارا اس کی بات سمجھ گئی تھی۔

"تم سے ایک بات پوچھوں، بُرا تو نہیں مانو گی؟" دونوں مین گیٹ تک پہنچ چکے تھے۔

"بولو!"

"تم کسی کو پسند نہیں کرتیں کیا؟" تارا نے نفی میں سر ہلایا۔

"کوئی تمہیں پسند نہیں کرتا؟" حمزہ نے سوال تبدیل کیا، اب کے تارا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کون؟" حمزہ اُچھلا۔

"ارمان....!" اب کے حمزہ مزید حیران ہوا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"وہ کئی دفعہ مجھے پرپوز کر چکا ہے، اپنے گھر والوں کو بھیجنے کے لیے بھی تیار ہے"۔ حمزہ کی تو دلی مراد بَر آئی تھی۔

"تارا! ارمان اچھا لڑکا ہے، تمہاری طرح ہی خوبصورت اور پڑھا لکھا ہے، تم اس سے شادی کر لو تارا! فوراً نہ سہی، ابھی منگنی کر لو، بعد میں شادی کر لینا"۔ تارا چپ تھی۔

"کیا سوچنے لگی ہو اب؟" حمزہ اس کی خاموشی سے اُکتا گیا۔

"کچھ نہیں"۔ تارا نے بات ٹال دی۔

"دیکھو تارا! تمہیں کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی تو شادی کرنی ہے ناں؟ مجھ سے تو قطعی نہیں کرنی، اس لیے بہتر ہوگا تم ارمان سے بات کرو، وہ اپنے گھر والوں کو بھیج دے، فی الحال منگنی کروالو، پڑھائی کے بعد شادی کر لینا، اگر نہیں تو پھر ابّو کا تمہیں پتا ہے، میری تو وہ پہلے ہی نہیں سنتے، اب کے تمہاری بھی نہیں سنیں گے، تمہیں آرام سے مجھ پینڈو کے پلّے باندھ دیں گے"۔ حمزہ ایسے ہی آرام سے اپنی ذات کے بخیے اُدھیڑ رہا تھا۔

"میں بات کروں گی ارمان سے"۔ تارا نے حمزہ کو مطمئن کر دیا، لیکن خود پریشان ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

آج اس نے صبح 6 بجے چاولوں کو پانی لگانا تھا، سو صبح صبح ہی آ گیا، پانی لگانے کے بعد اس نے درختوں کی کانٹ چھانٹ شروع کر دی، دس بجے کے قریب بھوک لگی تو گھر جانے کا سوچا، اچانک اُسے لگا جیسے کسی نے اسے آواز دی ہو۔

"کون؟" اس نے چلّا کر پوچھا۔

"حمزہ! نیچے اُتر"۔ وہ حیران ہوا، مریم اس وقت کیسے آ گئی تھی؟ یہی سوچتا ہوا نیچے اُتر آیا۔

"مریم! اس وقت، خیریت....؟" وہ بولا۔

"حمزہ! وہ میں نہ تمہیں ایک ضروری بات بتانے آئی ہوں"۔ مریم گھبرائی ہوئی تھی۔

"مریم! خیریت ....کیا ہوا ہے؟" حمزہ خود بھی پریشان ہوگیا۔

"وہ....حمزہ! وہ.....!" مریم کی ایک دم آنکھیں بھر آئیں، حمزہ تڑپ گیا۔

"کیا ہوا ہے؟" اس نے مریم کا بازو ہلایا۔

"وہ....ابّا میری شادی کر رہا ہے"۔ حمزہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"کس سے؟" مریم نے روتے ہوئے ایک دم اسے دیکھا۔

"مجھے پتا ہو تو اس کی آنکھیں نہ نوچ لوں"۔ حمزہ شرمندہ سا ہوگیا۔

"لیکن مریم! ابھی کل تک تو ایسی کوئی بات نہیں تھی، اب ایک دم چاچے کو کیا لگ گئی؟" حمزہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

"ابّے کی طبیعت بہت خراب رہنے لگی ہے، مجھے محفوظ دیکھنا چاہتا ہے، میں نے تجھے بتا دیا، اب تُو جلدی سے اپنے ابّو سے بات کر"۔ مریم نے آنسو پونچھے۔

"ہاں میں آج ہی بات کروں گا ابّو سے، تم پریشان نہ ہونا"۔ وہ مریم کو دلاسے دیتا ہوا بولا۔ مریم تو چلی گئی، لیکن وہ خود بہت پریشان ہوگیا، اسی وقت اس نے تارا کو فون کیا۔

"تارا! تم نے بات کی ارمان سے؟" تارا چپ رہ گئی۔

"تارا! تم کب بات کرو گی، جس دن میرا اور تمہارا نکاح ہوگا، اس دن کرو گی کیا؟" تارا کو بھی مریم کا تھوڑا بہت پتا تھا۔

"حمزہ! میں کیسے بات کروں اُس سے؟" تارا ہچکچائی۔

"اتنی کانفیڈنٹ بنتی ہو اور ایک ذرا سی بات نہیں کر سکتیں"۔ حمزہ بولا۔

"اچھا، میں کروں گی، آج ہی کروں گی ارمان سے بات"۔ تارا نے فون بند کرنا چاہا۔

"میری بات سنو، میں اب گھر جا کر ابّو سے بات کرنے لگا ہوں، اس کے بعد کیا ہوگا میں نہیں جانتا"۔ حمزہ فون بند کرتے ہوئے بولا، پھر گھر جانے والی

پگڈنڈی پر ہو لیا۔

☆.....☆.....☆

دونوں اسائنمنٹ جمع کروانے کے بعد کینٹین چلے گئے، ارمان نے جوس منگوایا۔

"تارا! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے"۔ تارا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ارمان بول پڑا۔

"ہاں، کہو ارمان!" وہ جوس کے گلاس میں اسٹرا گھماتے ہوئے بولی۔

"میں نے تم سے پہلے بھی ایک گزارش کی تھی"۔ تارا چپ رہی۔

"Nestle میں جاب ہوگئی ہے میری، اب جاب کے ساتھ ساتھ یا بعد میں MS کروں گا، گھر والے شادی کے لیے بضد ہیں، آج پھر تم سے پوچھ رہا ہوں، کیا خیال ہے تمہارا میرے متعلق؟" تارا کچھ کہہ نہ سکی۔

"دیکھو تارا! ہو سکتا ہے تمہیں میری بات کا یقین نہ آئے، لیکن تم پہلی لڑکی ہو جسے میں نے پرپوز کیا ہے"۔ تارا نے نظر اُٹھا کر اسے دیکھا، اس کی ایک ہاں میں بہت کچھ چھپا تھا، پھر دھیرے سے بولی۔

"میں شادی MS کے بعد کرنا چاہوں تو....؟" ارمان مسکرایا۔

"تم M.S شادی کے بعد کر لینا، میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہوگی"۔ اب کے تارا مسکرائی تھی۔

"پھر کب بھیجو گے اپنے گھر والوں کو؟" ارمان کے چہرے پر خوشیاں بکھر گئیں۔

"بہت جلد"۔ تارا ہنستے ہوئے جوس کے سپ لینے لگی۔

☆.....☆.....☆

رات کو جب سب لوگ تایا ابّا کے کمرے میں بیٹھے چائے کی چسکیاں لے رہے تھے تب حمزہ نے ہمت پکڑی۔

"ابّو! وہ مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے"۔ تایا ابّا نے اُس کی طرف دیکھا، اُسامہ نے جلدی سے حمزہ کا ہاتھ دبایا، مبادا اس کی ہمت جواب نہ دے جائے۔

"ابّو! مجھے شادی کرنی ہے"۔ تایا ابّا کے علاوہ باقی سب حیران ہوئے، ثمینہ چچی نے تو باقاعدہ کپ نیچے رکھ دیا۔

"ہاں، تو بہت جلد تمہاری اور تارا کی شادی ہوگی"۔ ثمینہ چچی نے پھر اُسے دیکھا، اب کے اس کا دوسرا ہاتھ نومی نے دبایا۔

"ابّو! مجھے تارا سے نہیں، مریم سے شادی کرنی ہے، شبیر چاچا کی بیٹی سے"۔ تایا ابّا نے کپ نیچے رکھا۔

"کھڑا ہو ہی گیا ناں میرے سامنے؟"

"ابّو! بھیا بھی کھڑے ہوئے تھے، آپی بھی کھڑی ہوئی تھیں، تب تو آپ کچھ نہیں بولے؟" تایا ابّا کو قہر چڑھا۔

"تُو اپنی بات کر، تارا میں کیا کمی ہے؟" اب کے اس نے ثمینہ چچی کو دیکھا۔

"کمی تارا میں نہیں ہے ابّو! کمی مجھ میں ہے، تارا کا اور میرا کوئی جوڑ نہیں ہے"۔ تایا ابّا نے بات درمیان میں کاٹ دی۔

"تارا بہت فرمانبردار ہے، میری بات نہیں ٹالے گی"۔ حمزہ نے مزید ہمت پکڑی۔

"تو پھر آپ پہلے تارا سے تو پوچھ لیں"۔ تایا ابّا نے اس کی طرف دیکھا۔

"اس نے ہاں کر دی تو؟"

"تو مجھے تب بھی اس سے شادی نہیں کرنی"۔ تایا ابّا مسکرائے۔

"ٹھیک ہے، میں نے بھی موبائل سے رشید کا نمبر ابھی ڈیلیٹ نہیں کیا، ایک فون کرنے کی دیر ہے"۔ تایا

ابا نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ بھڑک اُٹھا۔

"ابو! آپ میرے ساتھ یوں کیوں کرتے ہیں؟ آج امی زندہ ہوتیں تو میں دیکھتا کہ آپ پھر کیسے میرے ساتھ ایسا سلوک کرتے؟ آپ آج تک بھیا اور آپی کا غصہ مجھ پر اُتار رہے ہیں، ابو! آپ کو تو شکر کرنا چاہیے کہ آپ کا بیٹا بدمعاش نہیں ہے، چور، ڈاکو، لٹیرا، جواری یا شرابی ہوتا تو آپ کیا کر لیتے؟ مجھے میرا قصور بتا دیں کہ کیا ہے، یہی کہ میں نے ایک بینک آفیسر یا ڈاکٹر بننے کی بجائے کسان بننے کو ترجیح دی، مجھے آج بھی اپنے فیصلے پر کوئی پچھتاوا نہیں، مجھے خوشی ہے کہ نہ میں رشوت کھاتا ہوں اور نہ مسیحائی کے نام پر لوگوں کی بوٹیاں نوچتا ہوں، محنت کرنے کی عادت ہے مجھے، آپ کیا جانیں ابو! کہ خون پسینے سے سینچی گئی زمین جب صلہ دیتی ہے، تو کتنی خوشی ہوتی ہے، آپ بات بات پر مجھے زمین بیچ دینے کا طعنہ دیتے ہیں، بیچ دیں زمین، خدا کو جواب خود دیجیے گا، جب وہ سوال کرے گا ناں کہ بے وجہ میری کروڑوں کی مخلوق کے منہ سے تُو نے نوالے کیوں چھینے، تو پھر کیا جواب دیں گے؟ آپ کی زمین ہے، بیچیں یا پاس رکھیں، میں آج سے نہیں جاؤں گا وہاں، لیکن ابو! میں تارا سے شادی نہیں کروں گا، اب تو صرف آپ حکم چلاتے ہیں، پھر وہ بھی چلایا کرے گی"۔ بھڑاس نکال کے وہ باہر چلا گیا۔ یہ سب پہلی دفعہ نہیں ہوا تھا، پہلے بھی ہوتا تھا، بس فرق یہ تھا کہ پہلے تایا ابا بول کر باہر جاتے تھے، آج حمزہ گیا تھا۔ کئی سال پہلے جب اس نے F.Sc کے پیپرز دیئے تھے تب بھی یہی غلغلہ اُٹھا تھا۔

"حمزہ CA کرے گا"۔ تایا ابا نے فیصلہ سنایا تھا۔

"نہیں، میں زراعت پڑھوں گا، مجھے سبزہ اُگلتی زمین بہت اچھی لگتی ہے"۔ تب تایا ابا بھی اڑ گئے۔

"پڑھنا ہے تو کمپیوٹر، ورنہ نہیں"۔ اور حمزہ بولا کچھ نہیں۔

چپ چاپ پڑھائی چھوڑ گیا، کھیتی باڑی عشق تھی اس کا، تایا ابا کی نہر سے میلوں دور بنجر زمین کو اس نے اپنی محنت سے آباد کر دیا تھا، حمزہ پر وہ اس لیے ہر فیصلہ تھوپ دیتے تھے کہ وہ اختیار میں تھا، بڑا بیٹا من مانی کر کے کراچی چلا گیا تھا اور بیٹی پسند کی شادی کر کے لاہور، رہ گیا حمزہ، بہت منتیں کیں تھیں اس نے تایا ابا کی کہ یہ بنجر زمین بیچ کر نہر کے ساتھ زمین خرید لیں، مگر وہ نہ مانے، پھر جب اس نے بنجر زمین کو سرسبز کر دیا تو بیچنے کے درپے ہو گئے اور حمزہ جیسے بھی سہی، لیکن آج تک ان کا مقابلہ کرتا آ رہا تھا۔

☆.........☆.........☆

"میں بڑی مشکل سے آئی ہوں حمزہ! ابا نے رشتے کی بات شروع کر دی ہے، تم نے ابھی تک اپنے گھر والوں کو نہیں بھیجا؟" مریم کی سوچی ہوئی خوبصورت آنکھیں حمزہ کو بے چین کر گئیں۔

"مریم! میں خود بہت مشکل میں ہوں"۔ وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔

"حمزہ! اگر میری کہیں اور شادی ہو گئی تو....؟" حمزہ نے ایک دم اُسے دیکھا، مریم سے وہ پچھلے کئی سالوں سے محبت کرتا آ رہا تھا، خالص محبت، اس کے بغیر جینے کا تصور محال ہی تو تھا۔

"تم فکر نہ کرو مریم! بس ایک دو دن اور....!" مریم پتا نہیں مطمئن ہوئی یا نہیں، لیکن چلی گئی۔ حمزہ نے شام کو ہی تارا سے بات کی۔

"میں نے ارمان سے بات کر لی ہے حمزہ!" حمزہ کو کچھ اطمینان ہوا۔

"وہ اپنے گھر والوں کو بھیجنے پر تیار ہے"۔

"میں نے بھی ابو سے بات کی تھی، وہ اب شاید تم سے ڈائریکٹ پوچھیں، منع کر دو گی ناں؟" تارا ہنسی۔

"شاید ان کے فون سے پہلے ہی ارمان کے گھر والے پہنچ جائیں"۔ تارا نے حمزہ کو مطمئن کر دیا، شام کو تایا ابا نے اُسے کھانے کی میز پر ہی کہہ دیا۔

"کل رات کو میں تمہارے سامنے ہی پوچھوں گا تارا سے، تمہاری طرح نہیں ہے، دیکھنا میری بات ٹال ہی نہیں سکے گی"۔ اور وہ چپ رہا۔

"حمزہ بھائی! آپ نے تارا آپی کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے ناں؟" اُسامہ ابھی تک کھٹک رہا تھا۔

"سمجھایا تو ہے، اب دیکھو، نومی کی بہن ہے، کیا کرتی ہے؟" حمزہ نومی کی طرف اشارہ کر کے بولا تھا۔

☆.........☆.........☆

"دیکھ تارا! میں تجھ سے بہت مان سے پوچھ رہا ہوں، باپ سمجھ کر جواب دینا"۔ حمزہ نے تھوک نگلا۔ ثمینہ چچی اور حمزہ دونوں کی حالت ایک جیسی ہو رہی تھی۔

"میں نے تیرا اور حمزہ کا رشتہ طے کر دیا ہے، تجھے کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟" تارا چپ تھی۔

"بول تارا! تُو راضی ہے؟" حمزہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"یہ تارا آپی چپ کیوں ہیں؟" اسامہ، حمزہ کے کان میں گھسا۔

"تایا ابا! مجھے آپ کے....!" حمزہ کی سانسیں تک تھم گئیں۔

"مجھے آپ کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہے"۔ حمزہ نے ایک دم آنکھیں بند کیں۔

"اب مریم بھی تیری نہیں ہو سکے گی"۔ اس کے پورے وجود سے یہ آواز آئی تھی، تایا ابا نے فاتحانہ اسے دیکھا۔

"دیکھا! میں نے کہا تھا ناں کہ تارا تیری طرح نافرمان نہیں ہے"۔ مگر حمزہ کچھ سنے بغیر ہی باہر آ گیا۔

"مریم....مریم!" اس کے روم روم سے یہ آواز اُٹھ رہی تھی، صبح ہونے کا انتظار کیے بغیر وہ ملتان روانہ ہو گیا، جب وہ ہاسٹل کے گیٹ پر پہنچا تو صبح کے 7 بج رہے تھے، رات اس نے ایک مسجد میں گزاری تھی۔

"مجھے پتا تھا حمزہ! تم آؤ گے"۔ اس نے زخمی نظروں سے تارا کو دیکھا۔

"کیا مجھے آنا نہیں چاہیے تھا؟ اتنا پوچھنے کا حق تو دو گی ناں کہ کیوں کیا تم نے ایسا؟" حمزہ بے بسی سے بولا۔

"ٹھہرو، آتی ہوں میں"۔ اسے بٹھا کر تارا خود باہر نکل گئی، تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئی تو اس کے ساتھ عام سی شکل وصورت کی ایک لڑکی تھی۔

"جانتے ہو حمزہ! یہ کون ہے؟" حمزہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"جاننا چاہتے ہو؟" وہ چپ رہا۔

"یہ ارمان کی منگیتر ہے، بچپن کی منگیتر"۔ حمزہ حیران رہ گیا۔

"کل ہی آئی تھی یہ مجھ سے ملنے، مجھے یقین تھا کہ میرے انکار کرنے کے بعد تم آؤ گے، اسی لیے اسے روک لیا میں نے، صرف تم سے ملوانے کے لیے کہ تم میری بات تو شاید سمجھ نہ سکو، لیکن اس کی بات ضرور سمجھ جاؤ گے، حمزہ! تم سے مریم چھن رہی ہے تو تمہیں دکھ ہو رہا ہے ناں؟ اس سے بھی ارمان چھن رہا ہے، اسے بھی دکھ ہوا ہے، اسی لیے میرے پاس آئی ہے، ہاتھ جوڑ کر مجھ سے کہنے لگی کہ میں اس سے اس کا ارمان نہ چھینوں، محبت کرتی ہے یہ اُس سے، اسے غور سے دیکھو حمزہ! تمہیں اس میں مریم نظر نہیں آتی کیا؟ حمزہ! میں کیسے کسی اور کی خواہشوں اور اُمنگوں پر اپنا محل بنا لوں؟

"بولو کیسے کسی اور کے جذبوں کو پامال کروں؟" حمزہ اسے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا، وہ کہنا چاہتا تھا کہ تارا اگر یہ ارمان کو کھونا نہیں چاہتی تو مریم بھی حمزہ کو کھونا نہیں چاہتی، اگر اس کے دل میں امنگیں ہیں تو مریم کے دل میں بھی ہیں، تم اس کے جذبوں کو پامال نہیں کرنا چاہتیں تو مریم کے جذبوں کو کیوں کررہی ہو؟ لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکا، چپ چاپ واپس آ گیا۔

☆......☆......☆

"آئی ایم سوری ارمان! مگر یہی سچ ہے، مجھے تم سے شادی نہیں کرنی"۔ ارمان تو سن کر ہی حیران تھا، کتنا خوش خوش واپس آیا تھا وہ اور تارا..... اُس سے کیا کہہ رہی تھی۔

"کیوں، کا حق رکھتا ہوں؟" تارا مسکرائی۔

"کیونکہ تم میری نہیں، اس کی منزل ہو جو سالوں سے تمہارے نام پر بیٹھی ہے"۔ تارا کی بات پر وہ چونکا۔

"لیکن میں نے اُسے نہیں کہا کہ وہ میرے نام پر بیٹھی رہے"۔ ارمان بولا۔

"اس کے دل نے تو کہا ہے ناں، اور دل کا کہا کون ٹال سکتا ہے ارمان!" ارمان چپ رہا۔

"پھر میں اپنے دل کا کہا کیسے ٹالوں؟" چند لمحوں بعد اس نے پوچھا۔

"شاید جیسے میں ٹال رہی ہوں"۔

"تارا! وہ میرے ساتھ نہیں چل سکتی، بہت فرق ہے ہم دونوں میں"۔ تارا نے حیرانی سے اُسے دیکھا۔

"کیوں نہیں چل سکتی ارمان! کیا وہ لنگڑی ہے، اندھی ہے یا اللہ معافی دے معذور ہے؟ اور فرق..... یہ فرق کیا ہوتا ہے ارمان! کس نے پیدا کیا ہے یہ فرق؟ کس نے کہا ہے کہ ایک MSc پاس لڑکا ایک میٹرک پاس لڑکی سے شادی نہیں کرسکتا؟ یا ایک میٹرک پاس لڑکا ایک MSc پاس لڑکی سے شادی نہیں کرسکتا؟ یہ تمہاری اپنی سوچوں کا فتور ہے اور بس.....! بعض اوقات ایک میٹرک پاس لڑکی زیادہ اچھی بیوی ہوتی ہے، اس MSc کا کیا فائدہ ارمان! جو آپ کو خودغرض بنادے، بے حس بنادے، بد اخلاق بنادے، ایک MSc پاس چیخنے چلانے اور بداخلاق بیوی سے میٹرک پاس نرم خو بیوی بہتر نہیں ہے کیا؟" ارمان چپ چاپ اسے سن رہا تھا۔

"تارا! میں اس میٹرک پاس لڑکی کے ساتھ کیسے گزارا کروں گا؟" ارمان بے بسی سے بولا۔

"ویسے ہی جیسے میں ایک FSc پاس لڑکے کے ساتھ گزارا کروں گی"۔ ارمان چونکا۔

"کون؟" تارا مسکرائی۔

"حمزہ!" ارمان نے ذہن پر زور ڈالا۔

"اوہ.... حمزہ تو بہت اچھا لڑکا ہے تارا!" تارا پھر مسکرائی۔

"رابعہ بھی بہت اچھی لڑکی ہے ارمان!" اب کے ارمان نے اسے ناراضی سے دیکھا۔

"تم میرا برین واش کررہی ہو ناں؟"

"نہیں، میں تمہیں سمجھا رہی ہوں، اسے اگر احساس نہیں دلاؤ گے کہ وہ تم سے کم پڑھی لکھی ہے تو بہت سکون سے گزرے گی زندگی، دیکھ لینا"۔ ارمان نے سر جھکا لیا۔

پھر کچھ یوں ہوا..... کہ مریم اور ارمان سے پہلے ہی حمزہ اور تارا کی شادی ہوگئی۔

☆......☆......☆

وہ تھکے تھکے قدم اُٹھاتا لاؤنج میں داخل ہوا تو سب سے پہلے اسامہ کی نظر اُس پر پڑی، وہ لپک کے اُس کے پاس آیا۔

"آپ کو پتا ہے ابھی کون آیا تھا؟" اس نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔

"رشید آیا تھا، ابو زمین بیچ رہے ہیں"۔ اُس کا دل مزید اُداس ہوگیا۔

"بھائی! آپ کچھ نہیں کریں گے"۔ اسے شکستہ دیکھ کر اُسامہ حیران ہوا۔

"پہلے میرے کچھ کرلینے سے کچھ ہوا ہے، جواب ہوگا؟" اسے کہتا ہوا وہ اوپر آ گیا، ہر چیز سے دل اُچاٹ ہورہا تھا، وہ کمرے کے آگے بنے ٹیرس پہ بیٹھ گیا۔

"اُسامہ! حمزہ کہاں ہے؟" تھوڑی دیر بعد اسے تارا کی آواز آئی، اس کی اور تارا کی شادی کو 20 دن ہوگئے تھے، تارا دو دن پہلے ہی سارا کام ختم کرکے ملتان سے آئی تھی۔

"اوپر ہے، کچھ پریشان ہیں"۔ تھوڑی دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا۔

"حمزہ!" تارا اُسے آواز دیتی ہوئی ٹیرس پر آ گئی۔

"حمزہ! کیا ہوا ہے؟" وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تایا ابا، زمین بیچ رہے ہیں، اس لیے اُداس ہو گیا؟" حمزہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر کیا ہوا ہے؟" تارا نے پوچھا اور حمزہ ایک دم اس کی گود میں گر گیا۔

"تارا! آج مریم کی شادی ہے"۔ حمزہ کی آواز بھرا رہی تھی، تارا چپ رہ گئی۔

"ابو ہمیشہ میرے ساتھ ایسا کرتے ہیں، ہمیشہ میری چیز مجھ سے چھین لیتے ہیں، زمین تو چھینی ہی، مریم بھی چھین لی"۔ حمزہ کے آنسو بہنے کو بے تاب تھے، تارا کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے؟

"والدین تو اولاد کا اتنا خیال کر... پھر ابو کیوں میرے ساتھ ایسا کرتے ہیں؟" تارا آہستہ آہستہ اُس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

"ماں، باپ کبھی اولاد کا بُرا نہیں سوچتے حمزہ! ہوسکتا ہے وہ آج تمہارے ساتھ جو کچھ کررہے ہیں اُس میں کوئی بھلائی ہو"۔ حمزہ نے اپنی آنکھیں رگڑیں۔

"ایک لمحے کے لیے سوچو تارا! زرخیز زمین بیچنے کا کیا فائدہ؟ تمہاری اور میری شادی میں کیا بھلائی؟" تارا نے مزید کچھ نہ کہا، حمزہ حد سے زیادہ دکھی ہورہا تھا۔

☆......☆......☆

اس دن حمزہ کو ہلکا ہلکا بخار تھا، صبح سے وہ تکیے میں منہ دیئے پڑا تھا، آج تایا ابا زمین کا سودا کرنے گئے تھے، بار بار اُس کے ذہن میں ہوا میں پھڑ پھڑاتے پیپل اور شیشم، اور گندم کے دانوں سے بھری بالیاں گھوم جاتیں۔

"حمزہ!" تارا اُسے پکارتے ہوئے اندر آئی تھی، اس نے منہ مزید تکیوں میں گھسیڑ لیا۔

"حمزہ! دیکھو کیا....!" وہ اُس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی، پھر اس کے منہ سے تکیہ کھینچ دیا۔

"کیا ہے؟" وہ اُکتا کے بولا، تارا نے ایک لفافہ اُس کے آگے کردیا۔

"کھولو....!" حمزہ نے سیدھے ہوتے ہوئے کھولا، پھر ایک دم تارا کی طرف دیکھا، وہ ارمان کی شادی کا کارڈ تھا، وہ چند لمحے چپ رہا، پھر بولا۔

"تارا! تمہیں دکھ....؟" مگر تارا نے اُس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی۔

"مجھے کوئی دکھ نہیں ہورہا"۔ حمزہ نے حیرانی سے اُسے دیکھا۔

"تمہیں اس سے محبت نہیں تھی؟" تارا عین اس کے سامنے لیٹی تھی۔

"اُسے مجھ سے محبت تھی، میری شادی پر اُسے دکھ

ہوا ہوگا"۔ حمزہ چپ رہا۔

"حمزہ!" تارا نے دونوں ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھ کے ذرا اونچا ہو کے اُسے دیکھا۔

"میں نے ٹھیک نہیں کیا؟" حمزہ نے اسے دیکھا۔

"شاید.....!" تارا سیدھی ہوئی۔

"حمزہ! مجھے یقین ہے کہ میں نے ٹھیک کیا، میں غلط ہوتی تو آج میرے دل کو اتنا اطمینان نہ ہوتا"۔ حمزہ اُسے دیکھ کر رہ گیا۔

"مجھے بتاؤ تارا! میں اپنے دل کے اطمینان کا کیا کروں؟" وہ صرف سوچ کر رہ گیا۔

☆.........☆.........☆

وہ رات باہر گزار کر آیا تھا اور آتے ہی سیدھا اوپر کی طرف بڑھا۔

"برخوردار!" تایا ابا نے آواز دی، اُس کا رکنے کا بالکل موڈ نہیں تھا، لیکن رُک گیا۔

"اِدھر آؤ.....!" چلتا ہوا اُن کے سامنے آ گیا، اُسامہ نے کمپیوٹر پر کام کرتے ہوئے کن اکھیوں سے دونوں کو دیکھا۔

"میں نے وہ بنجر زمین بیچ دی ہے"۔ اُس کے جی میں آئی کہ اونچی آواز میں کہے کہ پھر میں کیا کروں؟ لیکن چپ رہا، دل خون ہو رہا تھا۔

"اور تمہارے لیے نہر کے ساتھ زمین خرید کر تمہارے نام کر دی ہے"۔ اس سے زیادہ تیزی سے اُسامہ اُچھلا تھا، لیکن وہ ساکت تھا۔

"پکڑو اور خبردار جو مجھے اب اللہ کے آگے جوابدہ ہونے سے ڈرایا تو"۔ وہ کاغذ اُس کے ہاتھوں میں پکڑاتے ہوئے، کندھے پر تھپکی دیتے اندر کو چلے گئے، وہ ابھی تک ساکت کھڑا تھا۔

"مجھے خوشی کیوں نہیں ہو رہی؟" نومی اور اُسامہ کے روشن چہرے دیکھ کے سوچتا ہوا وہ اوپر آ گیا، تارا ٹیرس کے پاس لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی تھی، وہ سیدھا اُس کی طرف آ گیا۔

"تارا!" اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہونہہ.....!" وہ اسکرین سے نظریں ہٹائے بغیر بولی۔

"تارا! تم آج فیصلہ کر لو، میں زندگی یوں نہیں گزار سکتا، جانتی ہو تم کہ مجھے منافقت کرنا نہیں آتی"۔ اس نے بات شروع کی۔

"پھر.....؟" اس کی نظریں اب بھی اسکرین پر تھیں۔

"پھر یہ کہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی ہو تو بتاؤ، میں چھوڑ دوں گا تمہیں، تم ملتان چلی جانا اور میں اپنی زمین پر چلا جاؤں گا، اور اگر رہنا چاہتی ہو تو.....!" اُس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تو.....؟" تارا نے ایک دم اُسے دیکھا۔

"تو یہ کہ حمزہ نہ تارا کی طرح بہت پڑھا لکھا ہے، نہ اُسے تارا کی طرح فر فر انگلش آتی ہے، نہ اُسے تارا کی طرح یہ لیپ ٹاپ چلانا آتا ہے"۔ اتنا کہہ کر چپ ہو گیا، تارا نے مسکراتے ہوئے لیپ ٹاپ بند کیا، پھر اُٹھ کے اُس کے سامنے بیٹھی اور دھیرے سے دونوں بازو اُس کے گلے میں ڈال دیئے اور اُس کے کندھے سے سر ٹکا دیا۔

"اور کچھ.....؟" حمزہ حیران رہ گیا۔

"ضروری تو نہیں کہ MSc پڑھ کے Nestle میں ہی جاب کروں، تمہارے ساتھ جاؤں گی، ہو سکتا ہے میرے نصیب میں میرا فام ہاؤس ہو، جہاں میں خود Food فیکٹری لگاؤں"۔ حمزہ کا دل ایک دم اطمینان سے بھرا تھا، مسکراتے ہوئے اُس نے تارا کے سر پر اپنا سر رکھ دیا، کھڑکی سے باہر آسمان پر چمکتا، تنہا تارا بڑا اِٹھلا کر ٹمٹمایا تھا۔

☆.........☆.........☆

انعم خان

قسط نمبر 22

سلسلے وار ناول

اس دل میں بس ہو تم

"افریشم جھوٹ نہیں بول رہی تھی"۔ ساجدہ گیلانی ناراض سی سخت لہجے میں بولیں۔

"آپ کو مجھ پر میری بات پر یقین نہیں ہے؟" وہ الجھا۔

"یقین تھا جبھی تمہیں وہاں بھیجا، لیکن تم روگ سے نکلنا ہی نہیں چاہتے، افریشم کو تو کچھ نہیں پتہ تھا، پھر اسے کیا سوجھی پوچھنے کی؟ تم نے اپنا حال ہی ایسا بنایا ہوگا"۔ وہ غصہ تھیں، افریشم کے پوچھنے کے بعد تو ان کی فکر مندی میں بھی اضافہ ہوا تھا۔

"نہیں مما! آپ کو تو پتہ ہے افریشم کا، جس کے پیچھے پڑ جائے پھر اسے نہیں چھوڑتی"۔ موبائل دوسرے کان سے لگاتے ہوئے اس نے پاس کھڑی افریشم گیلانی کو گھورا تھا، جس کی وجہ سے اس وقت مما اس سے ناراض ہو رہی تھیں۔

"تمہاری باتیں مجھے اب محض بہلاوا لگ رہی ہیں علی!" وہ اس کی بات نظر انداز کرتیں سیریس تھیں، اس کو صاف لفظوں میں کہا۔

"پلیز مما! ٹرسٹ می"۔ وہ دلیلیں دے دے کر تھک گیا تھا۔

"اپنی فکر کیوں نہیں کرتے تم؟" وہ بھی چڑ گئی تھیں۔

''کرتا ہوں میں، خوامخواہ افریشم نے آپ کو پریشان کردیا ہے، مجھے بھی پوچھ پوچھ کے تنگ کر رہی ہے اور اب میرے سامنے کھڑی دانت نکال رہی ہے، اچھا خاصہ ایڈجسٹ کر چکا تھا میں یہاں کہ اس نے آپ کو کال کردی''۔ انہیں کہتے ہوئے وہ افریشم کو دیکھ رہا تھا، جو زیرلب مسکرائے جارہی تھی۔

''اگر وہاں بھی تمہارے ساتھ مسئلہ ہے تو واپس آجاؤ''۔ وہ علی کی باتوں سے بےفکر نہیں ہونا چاہتی تھیں۔

''آئی پرامس یومما! آئندہ ایسا نہیں ہوگا، میں اپنا خیال رکھوں گا، آپ کے لیے''۔ وہ بات بگڑنے سے بچانے کے لیے فوراً بولا، انداز محبت بھرا تھا۔

''اگر نہ رکھا تو میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گی''۔ ساجدہ گیلانی نے فل اینڈ فائنل بات کی، ٹال مٹول انہیں پسند نہ تھی۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا''۔ اس نے یقین دلایا۔

''اگر ہوا تو.....؟'' وہ مشکل سے ہی اس کے لیے مطمئن ہوسکتی تھیں۔

''اگر مگر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوگا''۔ نرمی سے ماں کی بات کاٹ کر وہ انہیں ریلیکس کرنے کے لیے بولا، تو انہوں نے بہت سی تاکید کے ساتھ بات ختم کی۔ علی نے مسکراتے ہوئے کال ڈسکنیکٹ کی اور مصنوعی کڑے تیوروں سے افریشم کی طرف مڑا جو اسی کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا.....؟'' علی کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر کھلکھلا کر پوچھا۔

''بہت مزہ آرہا ہے تمہیں؟'' وہ طنزیہ ہوا، دونوں پارک میں تھے۔

''بالکل بھی نہیں''۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''مسکرا تو ایسے رہی تھیں جیسے سب کچھ بہت انٹرسٹنگ ہو رہا تھا''۔ وہ روکھا سا بولا۔

''سب کچھ تو نہیں البتہ بہت انٹرسٹنگ لگ رہے تھے''۔ وہ شرارت سے بولی۔

''اچھا.....!'' علی نے پھر سے اسے گھورا۔

''اور نہیں تو کیا''۔ چلتے ہوئے درخت کی شاخ کو پکڑ کر اس نے چھوڑا تھا۔

''تمہاری وجہ سے وہاں مما میرے لیے پریشان ہو رہی ہیں''۔

''میری نہیں تمہاری اپنی وجہ سے''۔ افریشم نے تصحیح کی۔

''واپس آنے کا کہہ رہی تھیں مما مجھے''۔ علی نے بتایا۔

''تو.....؟'' وہ سنجیدہ ہوئی۔

''ابھی تو میرا کوئی ارادہ نہیں ہے''۔

''کبھی تو جاؤ گے''۔

''ہاں، جانا تو پڑے گا''۔ وہ بولا۔

''خود پر یقین ہے، مستبشرہ کو بھلا سکو گے؟'' وہ بغور اسے دیکھتی پوچھنے لگی۔

''خود پر یقین ہوتا اگر دل ساتھ دیتا تو''۔ وہ مختصراً مگر ٹھوس بولا۔

''مستبشرہ بہت خوبصورت تھی؟'' افریشم نے پرشوق انداز میں پوچھا۔

''میرے لیے بہت خاص تھی''۔ وہ اپنی ہی دھن میں بولا۔

''کوئی کسی کے لیے اتنا خاص بھی ہوسکتا ہے؟'' وہ محو حیرت ہوئی۔

''کسی کا تو مجھے نہیں پتہ، میرے لیے اس سے بڑھ کر کچھ خاص نہیں ہے''۔ وہ اولین چاہت کی شدت کو لفظوں میں سمو کر بولا۔

''آئی ایم شاکڈ.....آئی مین اٹس امیزنگ''۔ افریشم نے حیران اور کچھ دلچسپ نظروں سے اسے دیکھا تھا، علی کا محبت میں یہ انداز اسے سب سے جدا لگا تھا، بہت منفرد، بہت خاص لگا تھا۔

ایسی چاہت تو ہر لڑکی کا خواب ہوسکتی ہے، مستبشرہ نے یقیناً افریشم کے نزدیک اپنے حق میں برا کیا تھا، علی کی دیوانگی اور عشق و محبت نے انجانے میں اسے اپنی طرف اٹریکٹ کیا تھا، اس نے پہلی مرتبہ علی کو بہت خاص انداز میں خاص نظروں سے دیکھا تھا، یہ پہلی نظر کی محبت نہیں تھی، مگر احساس بہت خوبصورت تھا۔

''اگر آنٹی میری وجہ سے پریشان ہوئی ہیں تو آئی پرامس یو علی! میں ہی ان کی پریشانی ختم کروں گی، تمہیں تم پر یقین دلا کر ان کی فکر رفع کروں گی''۔ جبھی فوراً بولی، نظریں اسی کے وجیہہ مگر سنجیدہ و قدرے افسردہ چہرے پر جمی تھیں۔

''آئی وش کہ تم ایسا کرسکو''۔

''میں ایسا ضرور کروں گی''۔ وہ پختگی سے بولی تھی، دل میں ارادہ باندھ کر اب اسے اپنا کہا سچ کرنا تھا، علی کی رفاقت میں چلتے ہوئے وہ آئندہ کے متعلق ہی سوچنے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

فضاء میں غمگین سا ٹھہراؤ آگیا تھا، ماحول میں چھائی سوگواریت مزید بڑھی تھی، سب کی آنکھیں پرنم تھیں، وہ سب فوراً سے بولنے کی سکت سے عاری تھیں، مہ روش، نایاب کو خود سے بھینچے بےبسی سے روئے جارہی تھی، معطر فاطمہ، درعدن اور مستبشرہ اس کے دکھ کو محسوس کرتیں کچھ بھی کہنے، دلاسہ دینے کی پوزیشن میں نہیں تھیں، گہرے رنج کی لہر ان کے دل میں تھی، ماہی کی کیفیت پر وہ کچھ بھی تو نہیں کہہ سکی تھیں۔

''مراد کی وجہ سے میں نے اپنی اولاد کے لیے بددعا مانگی، مجھے اس وقت کچھ ہوش نہیں تھا، اپنا دکھ ہی نظر آرہا تھا، اپنی تکلیف کا احساس ذہن میں باقی تھا، میں مراد کو تکلیف دینا چاہتی تھی، مگر میری بددعا میرے لیے ہی تکلیف کا باعث بنتی جارہی ہے''۔ ماہی نے ہی سنبھلنے کی کوشش کے ساتھ بولنا چاہا تو ایک ایک لمحے کی بےسکونی اور اذیت اس کی آواز سے عیاں ہونے لگی تھی۔ نایاب ان چاروں کی روتی آنکھوں کو عجیب مگر معصومانہ انداز میں دیکھتی مہ روش کے ساتھ سمٹی ہوئی تھی، اس کے معصوم، کچے ذہن میں یہ باتیں نہیں رک رہی تھیں، معطر فاطمہ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے اسے اپنے پن کا احساس دلانا چاہا، ماہی نے اپنے اور اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا تھا۔

''مجھے اب بہت ڈر لگتا ہے معطر! عرصہ بیت گیا اس اپنائیت بھرے احساس کو محسوس کیے، ہر وقت تنہائی، گھٹن کا احساس سائے کی طرح ساتھ رہا ہے، میں تو خود سے بھی انجان ہوگئی ہوں''۔ وہ حسرت زدہ ہوئی۔

''ماہی! ہم تمہارے ساتھ ہیں''۔ عدن آہستگی سے بولی۔

"ہاں پر جسے میرا ساتھ دینا چاہیے تھا اس نے کبھی دھیان ہی نہیں دیا، اس کی نظر میں میری کوئی وقعت نہیں ہے، اس کا نام تو میرے نام سے جڑا ہے، مگر ایک خفگی سی مجھے اندر سے نچوڑ رہی ہے"۔ وہ آزردہ تھی، دھیرے سے بولی۔

"مراد بھائی کو کبھی تو احساس ہوا ہوگا؟" مستبشرہ جمال نے بات آگے بڑھانی چاہی۔

"نہیں، کبھی بھی نہیں..... میری بددعا مجھے ہی تکلیف دیتی آ رہی ہے، مراد نے تو ہر تعلق، ہر بار نئے سرے سے توڑا ہے، انہیں کسی کی پروا ہے کہاں جو کبھی احساس کرتے، وہ تو ہر غم سے بے غم ہیں، میری زندگی تباہ کرنے کے بعد ہی تو وہ اپنی زندگی سہل انداز میں گزار رہے ہیں"۔ وہ صاف گوئی سے بولی۔ توقف کے لیے گہری خاموشی اپنائی، وہ تینوں یاس میں ڈوبی تھیں۔

"نایاب کی پیدائش کے بعد ہی مجھے اپنی بددعا کی سنگینی کا احساس ہوا تھا، مگر تینوں بار میں نے مراد کو جانتے بوجھتے یہی بددعا دی ہے"۔ وہ پھر سے بولی تھی، دل کے زخم آج پھر تازہ ہو رہے تھے، آج وہ خود کو رونے سے باز رکھ رہی تھی، نہ اپنی بے بسی کو زبان دینے سے کترا رہی تھی، وہ تینوں خاموشی سے اس کو سن رہی تھیں۔

"میری بدنصیبی کہ اپنی بددعا کے ہاتھوں میں نے مراد کو اپنی اور اپنی اولاد دونوں سے غافل کر دیا، مجھے اب اپنی پروا نہیں ہے، لیکن میرا دل میرے جسم کا ہر عضو دعا کرتا ہے کہ میری بددعا قبول نہ ہو، میرے جینے کی وجہ ہی میری بچیاں ہیں، اگر ان کو کچھ ہو گیا تو آخرت میں بھی خود کو معاف نہیں کر سکوں گی"۔ وہ دلگرفتہ تھی، ماحول میں چھائی اداسی لمحہ لمحہ بڑھے جا رہی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا ماہی!" مستبشرہ نے نایاب کو اپنے پاس لیتے ہوئے کہا۔

"میں تو ہر پل چاہتی ہوں کہ ایسا نہ ہو، مگر قسمت کا تو کچھ پتہ نہیں چلتا، زندگی کب اذیتوں کے بھنور میں پھنستی ہے، خواہشات کب کیسے کوئی روند ڈالتا ہے، مرد عورت کو کچھ نہیں سمجھتے، عورت کے دکھ درد کو سمجھتے ہیں نہ ان کا مداوا کرنا جانتے ہیں، مرد اپنی انا کا بھرم قائم رکھنے کے لیے کبھی اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے، عورت چاہے گھٹ گھٹ کر جیئے یا جینا ہی چھوڑ دے، مرد عورت کے سامنے ہاتھ نہیں جوڑتا، اپنے بدترین رویے کی تلافی کرنا نہیں جانتا، جو جیسا چلا آ رہا ہوتا ہے اسے چلاتا ہے، عورت چاہے ماں ہو، بیٹی ہو یا بیوی، مرد صرف اسے بے بس کرنا جانتے ہیں، اس پر حکمرانی چاہتے ہیں، سارے نہ سہی پر مراد جیسے مرد عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں"۔ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں زخمی آواز سے بول رہی تھی، وہ تینوں ملول دل کے ساتھ اسے سن رہی تھیں، نایاب، مدروش کے چہرے پر بہتے آنسوؤں کو نگاہ ٹکائے دیکھ رہی تھی، ان آنسوؤں کی وجہ تو وہ کبھی بھی ٹھیک سے سمجھ نہیں پائی تھی، مگر اس نے مدروش کی آنکھوں کو بے شمار بار نمی سے تر دیکھا تھا۔

"اور وقار بھائی.....!" عدن نے سوالیہ اسے دیکھا۔

"پہلے مجھے ان سے بے حساب شکوے گلے تھے، جن کا مراد کی وجہ سے میں نے کبھی ان سے یا کسی سے تذکرہ نہیں کیا تھا، مگر جب کیا تو بے کار کیا، سب مرد ایک جیسے بھی نہیں ہوتے، وقار بھائی بیشک میری بربادی کی وجہ بنے تھے، مگر میری قسمت میں ہی مراد کا ساتھ لکھا تھا، زندگی تو برباد ہونی ہی تھی، وجہ وقار بھائی بن گئے، مراد نے مجھے ان سے انتقام کی بھینٹ چڑھایا، اب تو سختیاں دیکھنے اور جھیلنے کی عادت بن گئی ہے، زندگی کی ڈگر کس وقت کون سے موڑ پر لے جائے کوئی

فرق نہیں پڑتا"۔ ایک کسک تھی اس کے لہجے میں جسے وہ بے اثر انداز میں ظاہر کرتی یاسیت مگر جبراً بے پرواہی سے بولی۔

اس کا حوصلہ باقی تینوں کے لیے قابل دید تھا، وہ تینوں دنگ سی تھیں، نشیب و فراز میں ڈولتی مدروش اب اندر سے کافی مضبوط ہو گئی تھی، وہ تینوں اسے ہمت دیتیں یا دکھ کا اظہار کرتیں؟ مدروش نے گال پر پھسلتے ہوئے آنسوؤں کو پوروں سے صاف کیا، کرب سے اس کی آواز گویا بیٹھ گئی تھی، گلا خشک ہوا تھا، معطر نے گلاس میں پانی انڈیل کر اس کی طرف بڑھایا، اس نے تین گھونٹ پانی پی کر گلاس ٹیبل پر رکھا۔

"مراد مجھے زندہ زندان میں بھی ڈال دیتے پر رشتوں کی بے اعتباری نہ سونپتے، محبت میں دھوکہ دے کر میری روح کو گھائل نہ کرتے"۔ وہ سسکی تھی، مستبشرہ جمال نے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا۔ ماہی ہی تھی جو اسے سب سے زیادہ علی کو محبت کے پر بہار موسم اور خوبصورت مزاج سے ہٹانے سے روکتی رہی تھی، اسے محبت کے استعمال سے باز رکھنا چاہتی تھی تاکہ بعد میں اسے دکھ نہ ہو، وہ نہ پچھتائے، اپنے کیے کا ازالہ اسے خود نہ کرنا پڑے اور اب وہی..... محبت کے ہاتھوں تڑپ رہی تھی، محبت اس کے لیے محض عذاب ثابت ہوئی تھی، اپنے دکھ سے زیادہ اس لمحے وہ ماہی کے لیے کرب سے گزری تھی، محبت کے کتنے حسین، خوشگوار، انمول روپ ہوتے ہیں، مگر بعض اوقات کوئی ایک ایسا کیوں زندگی میں آ جاتا ہے جو محبت کے رنگ پھیکے کر دیتا ہے، محبت کو بدصورت روپ دے کر محبت سے دل متنفر کر دیتا ہے، وہ شرمندہ سی کلس کر رہ گئی تھی، اسے خود میں اور مراد منصور میں کوئی واضح فرق نظر نہیں آیا تھا، دونوں نے محبت کو ٹیشو پیپر کی صورت ہی تو استعمال کیا تھا، علی آیان حسن گیلانی اور مدروش سعید کی زندگی میں دونوں نے اپنی اپنی جگہ محبت کی چاشنی کو زہر میں بدلا تھا، اسے خود پر، مراد منصور پر بے تحاشہ غصہ آنے لگا تھا، سر ہاتھ پر ٹیک کر اپنی اور مراد کی سنگینی کا موازنہ کرتی وہ خود کو بہت کم تر، حقیر محسوس کر رہی تھی۔

"کیا ہوا مستبشرہ؟" نایاب اتر کر دوبارہ مدروش کے پاس گئی تو درعدن نے اسے پکارا۔

"مجھے مراد بھائی اور خود میں کوئی فرق نظر نہیں آ رہا"۔ وہ عمیق مایوسی میں غرق تھی، شرمندگی سے بولی۔

"ایسا نہیں ہے مستبشرہ!" ماہی نے فوراً اسے ٹوکا۔

"ایسا ہی ہے ماہی!" شرمندگی سے اس کی آواز روہانسی ہوئی۔

"نہیں مستبشرہ! نہیں، تم خود کو مراد کے ساتھ مت ملاؤ، وہ بہت برے ہیں، انہیں کبھی کوئی شرمندگی نہیں ہوئی، تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے، اور تم نے تو علی کی بھلائی کے لیے ہی سب کیا تھا، مراد کی طرح عمر بھر کی بربادی کا سامان تو اس کے لیے پیدا نہیں کیا، تمہارے دل میں اس کے لیے نفرت یا انتقام کی آگ نہیں تھی، نہ تمہارا روپ سنگین اور سفاک تھا"۔ ماہی نے اس کی کلفت کو کم کرنے کے لیے صاف کیا۔

"نہیں ماہی! علی کے لیے تو میرا روپ سفاک، سنگین اور بے حس ہی تو تھا، میں نے محبت کو اس کے لیے بربادی کا سامان ہی تو بنایا تھا، خالی ہاتھ ہو جانے کے بعد شرمندگی اور احساس کس کام کے ہیں؟ میں نے اس کی بھلائی کے لیے اسے اپنے بدصورت بہروپ کا احساس دلانا چاہا تھا، مگر وہ میرے بہروپ کی اصلیت تو نہیں جانتا تھا، اور ضروری تو نہیں جیسا میں نے سوچا تھا اس کے ساتھ ویسا ہی ہوا ہو"۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔

"وہ سنبھل گیا ہے مستبشرہ!" جبھی معطر فاطمہ ہولے سے بولی۔ مستبشرہ جمال سمیت ماہی اور عدن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تم ملی ہو علی سے؟" مستبشرہ بے یقین اور خوشگوار احساس سے اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی جبکہ اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔

"ہاں لیکن.....!" اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے بات مکمل نہیں کی تھی۔

"لیکن کیا؟" عدن نے برجستہ استفسار کیا، ماہی خاموش تھی، مستبشرہ کی نگاہوں میں بے چینی تھی، اندر دھڑکتا دل اپنی رفتار سے زیادہ تیزی سے بے ترتیب انداز میں دھڑکا تھا۔

"اس کی زندگی میں کوئی اور لڑکی آ گئی ہے، افریشم.....اس کی کزن، ان دونوں کی شادی.....!" معطر نے اٹک اٹک کر کہتے ہوئے پھر سے بات ادھوری چھوڑی تھی کہ مستبشرہ جمال کی آنکھوں سے نکلتے آنسو گلاسز کے پیچھے سے بھی واضح دکھائی دے رہے تھے۔ وہ تینوں مستبشرہ کی کیفیت کا اندازہ سیکنڈ کے ہزارویں لمحے میں کر تیں خاموش نگاہوں سے مستبشرہ جمال کو دیکھتیں ملال میں گھری تھیں، اور مستبشرہ جمال.....! اسے اپنی دھڑکنیں بیٹھتی محسوس ہوئی تھیں۔

"کیا علی واقعی اسے بھول کر اپنی زندگی جینے لگ گیا تھا؟" یہ سوچ اسے ناقابل برداشت ناگوار گزری تھی، علی کی زندگی میں اس کی کوئی گنجائش نہ تھی، مگر وہ چاہتی تو یہی تھی، وہ عجیب کھوئی نگاہوں سے اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھتی آنکھوں سے برستی برسات کو روک نہیں سکی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ کچن میں صبح سے مصروف تھی، چار سالوں میں آصفہ بیگم اور فہمیدہ بیگم نے اسے گھریلو امور میں ماہر بنا دیا تھا، کچن کے کاموں سے لے کر گھر تک کی صفائی اس نے اپنے سر پر لے لی تھی، ان چار سالوں میں وہ ساری کی ساری بدل گئی تھی، فطری و مزاجی بچکانہ پن پر سنجیدگی و سمجھداری کی پوشاک ڈالے عادتاً بے پرواہ رہنے والی فلک شاہ اپنی شخصیت میں ٹھہراؤ اور توازن لے آئی تھی، اس سب میں کچھ گزرتے ماہ و سال کا ہاتھ اور کچھ اس کے دل میں موجود وہ محبت اسے بدل گئی تھی جسے وہ کھونا نہیں چاہتی تھی، جو اس کی متاع جان، متاع حیات تھی، وہ مشارب شاہ کی پسند میں مکمل طور پر ڈھل گئی تھی، ڈائجسٹ پڑھنا، انٹرنیٹ یوز کرنا، تیمور عثمان سے لڑنا، اس نے چھوڑ دیا تھا، محبت نے اسے مکمل سنجیدہ بنا دیا تھا، لیکن وہ خوش تھی، اندر سے مطمئن تھی، ایک سکون سا اس کی روح کو قرار بخشتا آ رہا تھا، اس نے ہر لمحہ محبت کے احساس کو بھرپور انداز میں محسوس کیا تھا، مشارب شاہ کی خواہش پر F.A کے بعد اس نے پہلے B.A اور پھر M.A میں ایڈمیشن لیا اور محبت کی لگن ہر امتحان میں اسے کامیاب کرتی گئی تھی، البتہ اپنے فیصلے پر وہ اب بھی قائم تھی، مشارب شاہ کی طرف سے ہنوز اعتراف کی منتظر وہ اپنے دل کا حال منکشف اثبات میں کرنا چاہتی تھی۔

کل مشارب شاہ نے کال کر کے اپنی آمد کی اطلاع دی تھی، آج صبح سے ناشتے کے بعد وہ کچن میں مصروف اس کی فیورٹ ڈشز بنا رہی تھی، فہمیدہ بیگم اس کا ہاتھ بٹانا چاہتی تھیں، اس نے انہیں منع کر دیا تھا، 12 بجے تک تمام کام نمٹا کر کمرے میں آئی اور ٹیبل کی طرف گئی، موبائل اٹھایا اور مشارب کا نمبر ڈائل کیا، دوسری ہی بیل پر کال پک کر لی گئی تھی۔

"ہیلو مشارب شاہ!" اس نے اپنے مخصوص انداز میں اس کا نام لیا تھا۔

"کہیے مس فلک شاہ!" وہ مبہم سے لہجے میں بولا۔ ان چار سالوں میں فلک شاہ کی شخصیت کے بدلاؤ، مزاج میں ٹھہراؤ نے مشارب شاہ کو مطمئن کیا تھا، وہ فلک کو ہمیشہ سے پرفیکٹ دیکھنا چاہتا تھا، اور وہ پرفیکٹ بن گئی تھی، اس کے کہنے پر ایک

بہتر زندگی کے لیے، فلک کو تنگ کرنا، سکون کی دشمن کہنا اس نے ترک کر دیا تھا۔

"اور کتنا ٹائم لگے گا تمہیں پہنچنے میں؟" وہ پوچھنے لگی۔

"تقریباً آدھا گھنٹہ"۔ اس نے بتایا۔

"اوکے، میں پھر انتظار کرتی ہوں، کھانا وغیرہ بنا لیا ہے میں نے، جلدی سے آ جاؤ"۔ وہ بولی اور موبائل رکھنے لگی۔

"اچھا سنو!" مشارب نے برجستہ اسے روکا۔

"سناؤ!" وہ مسکرائی۔

"تم تھوڑا اور انتظار کر لینا، میں سوچ رہا ہوں راستے میں مستبشرہ سے بھی ملتا آؤں، ابھی وہ اسکول میں ہی ہو گی"۔ وہ کہنے لگا۔

"ہاں، مگر نہیں"۔ فلک نے فوراً منع کیا۔

"کیوں؟"

"میں کل سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں، صبح سے تمہارے لیے کچن میں ہوں، تمہارا حق بنتا ہے سب سے پہلے مجھ سے ملو، انڈر اسٹینڈ؟" وہ صاف بولی۔ محبت کے معاملے میں وہ خود غرض تھی، مشارب کا دھیان صرف خود پر چاہتی تھی۔

"دھونس جمانا چاہ رہی ہو؟" وہ غیر سنجیدہ ہوا۔

"اگر تمہیں ایسا لگتا ہے تو یونہی سہی، پہلے تم گھر ہی آؤ گے"۔

"اوکے میم! کوئی اور حکم؟" وہ ہنسا۔

"فوراً سے پہلے آؤ"۔ وہ برجستہ بولی۔

"تم فون رکھو، میں بس آیا"۔ اس نے کہا تو فلک نے کال ڈسکنیکٹ کی۔ وارڈروب کی طرف گئی، ہینگر سے خوبصورت سا ہوٹ نکالا، پہنا اور گنگناتے لبوں کے ساتھ، خوشگوار دل کے ساتھ آئینے کے سامنے گئی، آنکھوں میں انتظار کے جگنو تھے، پہلے سے ترتیب شدہ بالوں کو پھر سے ٹھیک کیا، بہتر انداز میں سلجھایا، فیورٹ پرفیوم اسپرے کیا اور محبت کے سروں پر دھڑکتے دل کو سنبھالتی باہر لاؤنج میں آئی، جہاں گھر کے باقی مکین بھی موجود تھے، وہ آصفہ بیگم کے پاس براجمان ہوئی، ان کے کندھے پر سر ٹیک کر ان سے باتیں کرنے لگی، تھوڑی دیر بعد ہارن کی آواز آئی تھی، وہ یک دم اٹھی تھی۔

"مشارب آ گیا ہے"۔ کہتے کے ساتھ ہی باہر کی جانب گئی تھی، آصفہ بیگم اس کے انداز پر زیر لب مسکرائی تھیں جبکہ فہمیدہ بیگم بولے بنا نہ رہ سکی تھیں۔

"کتنی بار اس سے کہا ہے کہ نام سے مت پکارا کرے مشارب کو، مگر مجال ہے جو اثر لے"۔

"ارے فہمیدہ! کچھ نہیں ہوتا، بچی ہے، سمجھ جائے گی، جہاں اتنا بدل گئی ہے، ذمے دار، سمجھدار ہو گئی ہے وہاں اتنی سی بات پر مت ڈانٹو اسے"۔ آصفہ بیگم نے انہیں کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے آپا! مگر برا لگتا ہے، گھر والوں کی تو خیر ہے کوئی اور سنے گا تو کیا کہے گا؟" انہیں فکر تھی، جوان بیٹی کی ماں چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر اتنا تو ضرور سوچتی ہے، آصفہ بیگم نے ان کی فکر رفع کرنے کا اسی لمحے سوچا تھا۔ اس مرتبہ

ویسے بھی ان کا ارادہ مشارب اور فلک کی نسبت باقاعدہ طے کرنے کا تھا۔

"کیسے ہو مشارب شاہ؟" وہ گاڑی لاک کر کے باہر نکلا تھا، جب فلک اس کے قریب آئی تھی، ان گزرے چار سالوں میں ہر مرتبہ وہ موبائل پر اس سے آنے کے متعلق پوچھتی تھی اور جب وہ گھر آجاتا تو تب حال احوال پوچھنے کی طرف آتی۔

"فٹ اینڈ فائن"۔ وہ مسکراتی آنکھوں سے بغور اسے دیکھ کر بولا۔ وہ پہلے بھی خوبصورت تھی، مگر خوشگواری دل اور احساس محبت نے ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی خوبصورتی کو نکھار بخشا تھا، اپنی روشن، گنگناتی آنکھوں اور کومل سی مسکراہٹ کے ساتھ بائیں گال پر پڑتے گہرے ڈمپل سے چاند کی چاندنی چرانے کے بعد وہ ہر بار اس کے سامنے آتی تھی، اپنی نادان محبت میں اتنی محو ہو کر کہ کبھی وہ یہ محسوس ہی نہ کر سکی کہ مشارب شاہ اسے اس نظر سے نہیں دیکھتا جس کی وہ خواہش مند تھی، جس نظر کی تپش وہ خواب میں بھی محسوس کرتی تھی۔

"اندر چلیں"۔ مشارب نے آگے بڑھتے ہوئے اسے پکارا۔

"ہاں"۔ وہ سر جھٹکتی اس کے ساتھ ہولی، دل مسرور تھا، فضاء میں جلترنگ سے بجتے محسوس ہونے لگے تھے، معصوم محبت کا ہر رنگ مسحور کن تھا، مشارب کی سنگت کا فسوں اسے خود بیگانہ کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

مدھم ہوائیں دھیرے دھیرے اس کے جسم سے ٹکرا رہی تھیں، غروب آفتاب کا منظر بہت ٹھہراؤ سے گزر رہا تھا، شام کے سائے رفتہ رفتہ اپنا پڑاؤ ڈال رہے تھے، وہ خود کو ان اداس، ٹھہرے ہوئے لمحوں کا حصہ سمجھ رہی تھی، اس کے دل میں ویرانی کا پڑاؤ سالوں پرانا تھا، ایک خاموش سا سمندر لہروں کو منجمد کیے اس کی آنکھوں میں سکوت اختیار کیے اس کے پنہاں غم اور حالت زار کا عکس نمایاں کر رہا تھا، وہ اندر سے بری طرح انتشار کا شکار تھی، اپنی ذات آج چار سال بعد بھی اس کو تزلزل کا شکار نظر آرہی تھی، وقت واقعی بھی کسی کے لیے نہیں رکتا۔

چار سال کا عرصہ مزید اسے روند کر گزر گیا تھا، مگر وہ آج بھی اسی کیفیت میں مبتلا تھی، وہی کرب، وہی ملال، وہی اذیت، وہی درد، وہی بے یقینی اسے اپنے گھیرے میں لیے تھی، طنز و تضحیک بھری نگاہوں کا سامنا آج بھی اسے تھا، اپنی بے قدری، اپنی بدنصیبی کو وہ اب بھی دل کے آر پار ہوتے دیکھ رہی تھی، اپنی ذات کے لیے تحقیر و تنفر وہ آج بھی قسمت کے ان صفحات پر دیکھ رہی تھی جنہیں مراد منصور لکھ رہا تھا، قسمت کی کتاب اس کے آنسو کو صفحات پر جذب کرتی، اپنی سماعتوں کو ناکارہ کرتی اس کی ہر آہ، ہر تکلیف کو رقم کرتی سفید کاغذ سامنے لائے جا رہی تھی اور کالی سیاہی سے لبریز قلم مراد منصور کے ہاتھ میں تھا، جو بناء شرمندگی کے بڑی بے دردی کے ساتھ سفید کاغذوں کو سیاہ کیے جا رہا تھا۔

مہ روش سعید کے لیے برداشت کرنا بہت مشکل تھا، مگر اب نہ چاہتے ہوئے بھی، اپنی ذات کی پرواہ کیے بغیر اسے خاموشی سے سب سہنا تھا، اپنے لیے جینے کی اب اسے کوئی خواہش نہیں تھی، مگر اسے جینا تھا، خود کے لیے نہ سہی پر اپنی دو معصوم بچیوں کے لیے، جو اس کی بددعا کا خمیازہ بھگت رہی تھیں، اس تیسرے وجود کے لیے جو اس کے اندر سانس لے رہا تھا، جس کے لیے مراد منصور کے سامنے اس کے منہ سے بددعا نکلی تھی، جس سے ایک مرتبہ پھر مراد منصور نے قطع تعلق کا فیصلہ کر لیا تھا، جو اس کے لیے بہت صبر آزما تھا، نایاب اور اریبہ کی پیدائش سے پہلے مراد نے ہر بار اس پر واضح کیا تھا کہ

اگر اس کی بددعا قبول ہوئی، لڑکیاں ہوئیں تو صرف کاغذوں پر وہ انہیں اپنی بیٹیاں تسلیم کرے گا، باقی اس کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، وہ قول و فعل کا پکا تھا۔

نایاب چار سال اور اریبہ دو سال کی تھی، مگر اس نے کبھی ان دونوں کو خود سے قریب نہیں ہونے دیا، کبھی ان پر محبت بھری نگاہ نہ ڈالی، نہ انہیں اپنی پرشفیق گود میں بٹھایا، نہ کبھی ایک باپ کی طرح ان کی تکلیف پر پریشان، نہ مسکرا کر انہیں دیکھا، نہ کبھی انہیں پاس لٹا کر کوئی کہانی سنائی، نہ ان کے معصوم بچپن کو باپ کی محبت کے پرسکون سائبان تلے یادگار بنانے کی کوشش کی، بس انہیں اس دنیا میں لانے کا ذمے دار تھا، باقی وہ ان سے غافل تھا، نایاب پہلی تھی، شروع سے سہم گئی تھی، ایک جھجک اس کی معصوم شخصیت پر غالب آگئی تھی، مراد منصور کو دیکھ کر حرکات و سکنات جامد سی ہو جاتی تھیں، وہ بت سی بن جاتی تھی، گھر کا ماحول اس پر بری طرح اثر انداز ہوا تھا، ماں باپ کا آپس میں اختلاف، باپ کا چلانا، ماں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور بعد میں اکیلے ہوتے ہی اپنی بدنصیبی اور بے بسی پر بے آواز آنسو بہانا اس کے معصوم سے چہرے کو سنجیدہ بنائے اس کے کومل ہونٹوں سے مسکراہٹ چھین گیا تھا، وہ نہ کبھی کھل کر ماں کے ساتھ مسکرا سکی تھی نہ معصوم سی شرارتوں سے گھر کے ٹھہرے ہوئے ماحول میں شوخ و شریر سی ہلچل مچا سکی تھی، مہ روش اسے دیکھ کر سخت رنج میں گھرتی، ان الفاظ پر ملول ہوتی جو وہ مراد سے نفرت میں کہہ گئی تھی۔ کلثوم بیگم الگ اندر ہی اندر کلس کر رہ گئیں۔

نایاب کے بعد اریبہ کی پیدائش بھی مراد منصور کو سخت ناگوار گزری تھی، جس کا وہ کھلا اظہار کرتا تھا، البتہ اریبہ، نایاب کی نسبت زیادہ تیز نکلی تھی، مراد منظور کے اکھڑ، بدمزاج رویے اور کاٹ دار چبھتی ہوئی نظروں کو دیکھ کر اس کے قریب نہیں جاتی تھی، مگر فطرت کچھ بے چین اور روح موج مستی والی تھی، کبھی ٹک کر ایک جگہ نہ بیٹھتی، گھر میں ادھر اُدھر بھاگتی پھرتی، شرارتیں کرتی، اپنی ننھی سی آواز کو گھر کی فضاء میں شامل کیے کلثوم پھپھو سمیت مہ روش کو اپنے پیچھے لگائے رہتی، اور جب مراد اپنی عادت و خصلت سے مجبور مہ روش پر چیختا چلاتا تو رونا شروع کر دیتی، کبھی دادی کی گود میں چھپ جاتی تو کبھی مہ روش کو اسے لے کر سائیڈ پر ہونا پڑتا۔ اریبہ دو سال کی ہوئی تو مہ روش ایک مرتبہ پھر امید سے ہوئی، جب تک نایاب بھی اسکول جانے لگی تھی۔

گھر کے کاموں اور بچیوں میں ہر وقت مصروفیت میں وہ البتہ اپنی ذات سے بے خبر ہو گئی تھی، مراد نے کبھی بیٹیوں کو پیار نہیں دیا تھا، مگر اس کا سارا وقت ان دونوں کے لیے تھا، کبھی اس دوران اس نے اپنے بارے میں نہیں سوچا، اپنی بیٹیاں اسے اپنی چلتی سانس کا جواز لگتی تھیں، کلثوم بیگم اب تک اس سے شرمندگی کا اظہار کرتی تھیں، مگر اس نے سمجھوتہ کر لیا تھا، ہر غم ہر دکھ سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔

وقار سعید سے اس کا دل نالاں تھا، اسے وقار سے بے پناہ گلے شکوے تھے، مگر آج تک اس نے کوئی حرف شکایت اس کے لیے منہ سے نہیں نکالا تھا، جس کا مراد منصور کو گہرا غصہ تھا، مگر گزرتے وقت میں اس نے اپنا ارادہ بدل دیا تھا، اب وہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو اس کی اصلیت کا پتہ چلے کہ بس وہ وقار کا بدلہ مہ روش سے ہی لے رہا تھا، یہی اس کے اطمینان کے لیے کافی تھا، جان گیا تھا کہ اصلیت کھلنے پر وہ اپنا معتبر مقام کھو دے گا، کیونکہ کلثوم بیگم جتنا اس کے غصے و عادات سے خائف رہتی تھیں، اس کا مہ روش سے مسلسل بدترین برتاؤ دیکھ کر اس سے شدید متنفر ہو چکی تھیں، بیٹے کے کیے سے وہ مایوس ہوئی تھیں، اس سے سخت ناراض تھیں، لیکن لبوں پر قفل ڈال کر زبان کو خاموش رہنے کا پابند کر لیا تھا، کیونکہ مراد نے کچھ سننا

نہیں تھا اور وہ اس کی خودسری اور سرد مہری کو بدل نہیں سکتی تھیں، ادینہ جب بھی ایک دو دن کے لیے رہنے آتی تو اسے گھر کے اداس، ٹھہرے ہوئے ماحول سے الجھن ہونے لگتی، ماں، بھائی، ماہی کے چہرے پر چھائی عمیق سنجیدگی، بھتیجوں کی ڈری سہمی سی شکلیں، نایاب کی بے رونق، اداس آنکھیں، اریبہ کی پابند شرارتیں، مراد کے چہرے کے عجیب تاثرات سب اس کی سمجھ سے باہر تھے، وہ کلثوم بیگم اور ماہی سے ہر بار، بار بار پوچھتی، مگر وہ ٹال جاتیں، اس کا وہم قرار دیتیں، مگر اسے اندر سے مطمئن نہ کر سکتیں، وہ عجیب کوفت کا شکار رہ جاتی تھی، وقت یوں ہی گزرے جا رہا تھا، دن رات بے رونق ہی رقم ہوئے جا رہا تھا، کوئی لمحہ گھر کے کسی فرد کے لیے پر کیف نہیں تھا، اس دن اتوار تھا، مراد منصور بھی گھر میں ہی تھا، نایاب کو بھی اسکول سے چھٹی تھی، ماہی پر یلینیسی کے ابتدائی ماہ سے گزر رہی تھی، آج کل طبیعت کچھ بوجھل سی رہتی تھی اس کی۔ اوپر سے اریبہ کے پیچھے مسلسل بھاگنے سے اسے الگ تھکاوٹ ہوتی تھی، آج صبح سے اس کے سر میں بھی درد تھا، کھانا وغیرہ کلثوم پھپھو نے خود ہی بنا لیا تھا، کھانے کے بعد اس نے بمشکل اریبہ کو سلایا تھا، نایاب ہوم ورک ختم کر کے اس کی گود میں بیٹھی تھی، نماز کا وقت ہو گیا تھا، اس نے نایاب کو کارٹون لگا کر دیئے اور خود وضو کر کے نماز پڑھنے لگی، اسی وقت مراد منصور بھی کمرے میں آیا تھا، ماہی نے مکمل توجہ اور دلجمعی سے نماز ادا کی اور دعا کے لیے بیٹھی، دعا مانگتے وقت اس نے اپنے چہرے پر مراد منصور کی آنکھوں کی تپش صاف محسوس کی تھی، مگر ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا، وہ مکمل توجہ اور دل سے اپنی بددعا کے رد ہونے کی دعا کرنا چاہتی تھی، مگر مراد کا خود پر فوکس اسے ڈسٹرب کرنے لگا تھا، تو قف کے بعد درود شریف پڑھ کر جائے نماز تہہ کر کے اٹھنے لگی۔

"کیوں مانگتی ہو اتنی لمبی دعائیں، جب قبول بھی نہیں ہوتیں؟" مراد سیدھا ہو کر بیٹھا، طنز و تضحیک آمیز آواز میں بولا۔

"آپ سے کس نے کہا کہ میری دعائیں قبول نہیں ہوتیں؟"

"تمہارا ظاہر و باطن چیخ چیخ کر یہاں اس معاملے میں بھی تمہاری بدنصیبی کی داستان سنا رہا ہے"۔ وہ تلخی سے بولا۔

"دعا کو قبول کرنا یا رد کرنا اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور مجھے اللہ پاک پر توکل ہے، جو سچے دل سے مانگی گئی دعاؤں کو مستجاب کرتا ہے اور انسانی سوچ کو رد کرتا ہے"۔ وہ تحمل سے بولی، گزرے سالوں میں پرانی خصلتیں بھول گئی تھی، بحث و جرح سیکھ لی تھی اس نے۔

"اچھا.... پر میں تو اتنی جلدی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑنے والا"۔ وہ استہزائیہ ہنسا۔

"تکبر واکڑ ایک دن انسان کو جھکا دیتی ہے، وقت کی کروٹ بہت خطرناک ہوتی ہے، کوئی بھی لائحہ عمل چاہے کتنا ہی پائیدار کیوں نہ ہو، کوئی کتنی ہی سمجھداری سے زندگی پلان کرے، مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ پاک و برتر کی رضا ہوتی ہے"۔ وہ سنجیدہ تھی، مضبوط انداز میں بولی۔

"بہرکیف تمہاری دعا سے میں فی الحال نہیں مرنے والا، تمہیں مار کے ہی مروں گا میں"۔ مراد اپنی ہی ذات و سوچ کے خول میں قید تھا، اسے جتانے لگا۔

"آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں آپ کے مرنے کی دعا کرتی ہوں؟" وہ تعجب زدہ ہوئی۔

"میرے جینے کی دعا بھی تم نہیں کر سکتیں"۔ اس نے واضح کیا۔

"کسی کے لیے موت مانگ کر میں خود کو گناہ گار بھی نہیں کر سکتی"۔

"گناہ گار تو تم ہو"۔ مراد نے اپنے الفاظ پر زور دیا، قدم ماہی کی جانب بڑھائے، جائے نماز جگہ پر رکھتے ہوئے وہ اسے اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر اپنی جگہ سے نہیں ہلی تھی۔

"اپنی اولاد کے حق میں تم گناہ گار ہو، اپنی کالی زبان سے تم نے ان کے لیے بددعا مانگی تھی، اب پاک باز بننا بے سود ہے"۔ درشت لہجے میں اسے جتانے لگا۔

"وہ میری بیٹیاں ہیں، آج کیوں آپ ان کے لیے بول رہے ہیں؟" مراد اب اوپر سے جتا رہا تھا جو اس کی برداشت سے باہر تھا، طنزیہ بتاتے ہوئے استفسار کیا۔

"اس لیے کہ تم ان کی خیر خواہ ہو ہی نہیں سکتیں"۔ وہ دوٹوک بولا۔

"فکر تو آپ بھی ان کی نہیں کرتے"۔ بغور مراد کی آنکھوں میں وہ دیکھنے لگی، جہاں محض اسے اپنے لیے تحقیر نظر آئی تھی، نایاب اور اریبہ کے لیے کوئی خاص تاثر نہیں تھا مراد منصور کی آنکھوں میں۔

"تمہاری بددعا سے میں بے فکر ہوا ہوں، ہر تعلق کو تم نے خود توڑا ہے"۔

"کیسا تعلق....؟" وہ استہزائیہ ہوئی، پھر مزید بولی۔

"تعلق کی اہمیت کا اندازہ ہے آپ کو؟ تعلق و رشتے کی بات کرنا آسان ہے، مگر اسے نبھانا بہت مشکل ہے اور آپ صرف تعلق بناتے ہیں اور بھول جاتے ہیں، خونی رشتوں کو تو نبھانا، ان کا احساس تک تو کرنا آتا نہیں ہے آپ کو، اب ٹانگ اوپر کرنے کے لیے پلیز تعلق کا راگ مت الاپیئے، ایسی باتیں آپ کو زیب نہیں دیتیں"۔ دل میں جمع غبار بڑھنے سے وہ پھٹ پڑی تھی۔

"یوں بول کر تم بھی اپنی اولاد کے حق میں معتبر نہیں ہو سکتیں، میرا ان سے قطع تعلق کی وجہ تم ہو، لیکن اگر تم چاہتی ہو کہ آئندہ میرے رویے میں بدلاؤ آئے تو اب کہ اپنی کالی زبان سے بددعا مت نکالنا، مجھے اس مرتبہ بیٹا چاہیے، اگر بیٹا ہوا تو میں نایاب اور اریبہ سے....!" مراد ہائپر ہونے کے بجائے آہستگی سے بول رہا تھا، مگر اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ماہی نے سرعت سے اسے ٹوکا تھا۔

"ایک منٹ....!" انداز پرسوچ تھا، بات جاری رکھی۔

"آئی ایم شاکڈ، آپ اپنی بات سے مکر رہے ہیں، شرط رکھ رہے ہیں، محض ایک بیٹے کے لیے آپ میری بیٹیوں سے تعلق بنانے کی بات کر رہے ہیں، جن سے آپ میری وجہ سے نفرت کرتے ہیں"۔

"ہاں، اور اگر تم چاہتی....!" اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ بولنے ہی لگا تھا جب ایک مرتبہ پھر ماہی نے اسے ٹوکا تھا۔

"اگر مگر کی باگیں چھوڑیں آپ، بیٹا چاہیے ناں آپ کو؟"

"ہاں چاہیے مجھے بیٹا"۔

"نہیں ہوگا، آپ جیسے مرد کے ہاں بیٹا ہونا ہی نہیں چاہیے، جو اپنی یا کسی اور کی بہن کا گھر برباد کرنے کا ذمے دار ہو، ایسا بیٹا میں جنم نہیں دینا چاہوں گی، میں اس مرتبہ بھی بیٹی کی دعا اور خواہش کروں گی، اس دنیا میں مکافاتِ عمل ہوتا ہے اور اپنے عمل کا ردعمل آپ کو بیٹا نہیں بیٹی دکھا سکتی ہے، اور مجھے پورا یقین ہے اس مرتبہ بھی آپ ایک بیٹی کے باپ بنیں

گے"۔

"تم اپنے ساتھ ساتھ اپنی بیٹیوں کی بھی زندگی برباد کر رہی ہو"۔

"آپ کیوں فکر کر رہے ہیں، زندگی تو ہماری برباد ہونی تھی ہوگئی ہے اور ہو رہی ہے، اب ہمیں برباد کرنے کے بعد فکر آپ کو کرنی نہیں چاہیئے"۔ وہ کھرے الفاظ میں بولی، مراد نے کئی پل ساکت نظروں سے اسے دیکھا۔ مہ روش پر اب بھی اسے غصے تھا، اب بھی اس سے نفرت کا زہر دل میں بھرا پڑا تھا، وہ اب بھی اپنے دماغی فیصلے اس کو دکھ اور تکلیف دینے کے لیے اس کی ذات، عزت نفس کے خلاف کرتا تھا، الغرض مہ روش سے بیر اس کی بدترین خصلت بن گیا تھا، چار سال کے عرصے نے اس کے ظاہری غصے کو کم کر دیا تھا، مگر ایک الاؤ آج بھی اس کے اندر منجمد تھا، اس کے دل میں بھی مہ روش کے لیے کوئی نرم گوشہ اس نے محسوس نہیں کیا تھا، وہ بس ہر لحہ اس کو بے بس کر کے روندنا چاہتا تھا، مگر شومئی قسمت کہ یہاں اسے مایوسی ہوئی تھی، اس کے پلان کے مطابق نہ آج تک وہ کسی کے سامنے کچھ بولی تھی، نہ وقار سعید سے نفرت پر آمادہ ہوئی تھی بلکہ ہر بار وہ مراد منصور کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہونے کی کوشش کرتی تھی، یہ سب تو مراد منصور بھی کبھار برداشت کر لیتا تھا اور کبھی ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیتا تھا، مگر ایک طرف سے اسے سخت مایوسی ہوئی تھی۔ وہ مہ روش کو عروش کے مقابلے میں لا کر اپنی توہین کا بدلہ لینا چاہتا تھا، مگر مہ روش کی ظاہری بگڑی ہوئی حالت، پہلے کی نسبت معمولی سا پھیلا ہوا جسم اور اس پر ڈھیلا ڈھالا سا لباس اس کی امید کو خاک میں ملا گیا تھا، اس نے زور زبردستی سے بھی اسے اپنا خیال رکھنے کے لیے قائل کرنا چاہا، برے نتائج کی دھمکی دے کر بھی سدھارنا چاہا، مگر وہ ڈھیٹ بن گئی تھی، ایک بازی تو وہ ابتداء سے ہار گئی تھی، مگر دوسری بازی وہ مراد منصور کو نہیں جیتنے دے سکتی تھی۔

مراد منصور نے وقار سعید کو وجہ بنا کر اسے مات دی تھی، مگر وہ عروش کی وجہ سے مراد منصور کے ہاتھوں مزید تضحیک کا نشانہ نہیں بننا چاہتی تھی، انا کی وہ قائل نہ تھی، مگر عزت نفس کھونا نہیں چاہتی تھی۔

"مما! اریبہ اٹھ کر رو رہی ہے"۔ مراد کے بولنے سے قبل نایاب اس کے پاس آ کر بولی تھی، مہ روش نے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور مراد کی طرف خاموش نظروں سے دیکھتی نایاب کو لیے اریبہ کی طرف چلی گئی تھی، مراد منصور اس کے جانے کے بعد کافی دیر تک ہلتے ہوئے دروازے کو دیکھتا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

"علی.....علی!" افریشم گیلانی نے اب کہ ٹیبل بجا کر اسے ہوش و حواس میں لایا، آواز پر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا، جو اسے ناگوار گزرا تھا۔

"اوہ سوری!" وہ سرعت سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"وہاٹ سوری! اور کتنا برباد کرو گے خود کو؟" وہ تلخ ہوئی، ان گزرے چار سالوں میں اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھی، دل الگ مجبور کر رہا تھا۔

"کوئی کام تھا؟" ہمیشہ کی طرح علی نے بات بدلنی چاہی۔

"کسی ایک حادثے کو زندگی بھر کے لیے المیہ نہیں بنایا جاتا، 5 سال ہونے کو آئے ہیں، مگر تم اب بھی روگ پالے ہوئے ہو"۔ وہ آج بگڑ گئی تھی۔

رداکی ڈائری

درخشاں نور چمن کی ڈائری سے

ارشد ملک کی ایک خوبصورت نظم

محبت کے سمندر میں
اترنے سے ذرا پہلے
تمہیں سوچنا ہوگا
محبت اک صحرا ہے
جہاں پاؤں بڑھانے سے
قدم چپ چاپ جلتے ہیں
محبت ایسی دنیا ہے
کہ اس میں جس طرح چاہیں جائیں
کوئی رستہ نہیں ملتا
محبت آنکھ میں آنسو
یہ پلکوں پر چمکتی
محبت آگ ہوتی ہے
محبت پھول ہوتی ہے
جدا ہو شاخ سے جب یہ
بکھرتی ٹوٹ جاتی ہے
محبت کی فضاؤں میں
محبت کی ہواؤں میں
ہمیشہ درد ملتا ہے
محبت کے سمندر میں
اترنے سے ذرا پہلے
تمہیں یہ سوچنا ہوگا

سیدہ امبر ہاشمی کی ڈائری سے

پروین شاکر کی غزل

بعد مدت اسے دیکھا لوگو
وہ ذرا بھی نہیں بدلا لوگو
اس کے چہرے پر لکھا تھا لوگو
اس کی آنکھیں بھی کہہ دیتی تھیں
رات بھر وہ بھی نہ سویا لوگو
اجنبی بن کے گزرا ہے ابھی
تھا کسی وقت میں اپنا لوگو
رات وہ درد مرے دل میں اٹھا
صبح تک چین نہ آیا لوگو
پیاس صحراؤں کی پھر تیز ہوئی
ابر پھر ٹوٹ کے برسا لوگو

ریما نور رضوان کی ڈائری سے

نامعلوم شاعر کی غزل

چلو تم ساتھ مت دینا
مجھے بے شک بھلا دینا
نئے سپنے سجا لینا
نئے رشتے بنا لینا
بھلا دینا سبھی وعدے
سبھی قسمیں، سبھی ناطے

تمہیں جاناں
اجازت ہے جو دل
چاہے وہ سب کرنا
مگر اب کسی سے بھی
آنکھوں میں پیار مت کرنا

روشنی فیصل کی ڈائری سے

ضبط سہارنپوری کی غزل

دیکھ کر چلے آدمی راستہ
کوئی مشکل نہیں پھر کوئی راستہ
دیکھتی ہے عزائم کے تیور اگر
چھوڑ دیتی ہے دیوار بھی راستہ
جس طرح اٹھالیا ہے رہبری کا بھرم
کھو نہ بیٹھے کہیں دلکشی راستہ
اصطلاحاً تو رہتے ہیں بہت مگر
اس کی محفل کا ہے اور ہی راستہ
اب کہاں وہ ہم آہنگی جستجو
اجنبی ہم سفر اجنبی راستہ
حسن کی جستجو بھی ہے کتنی حسین
پھول بھی رہگزر چاند بھی راستہ
انتظار اپنی حد تک تو ہم کر چلے
زندگی کب تلک دیکھتی ہے راستہ
ہوش والے رہے چارہ سازی میں گم
اور طے کر گئی بے خودی راستہ
گھر مرا خانہ انوری بن گیا
ضبط بھولی ہوئی ہے خوشی راستہ

دھنک ناز کی ڈائری سے

شبہ فراز کی غزل

سب امتحان عشق کے اپنے کڑے رہے
ہم کوزہ گر کے چاک پہ برسوں پڑے رہے
ان کی نگاہیں شوخ تھیں ہم تھے حیا پسند
مشتاق وہ، ہم اپنے کہے پر اڑے رہے
سوچا تھا ساتھ مل کے جئیں گے تمام عمر
مصروف تھے وہ کام ہمیں بھی پڑے رہے
دونوں جہاں سے رابطہ رکھنا تھا برقرار
آنکھیں فلک پر، پاؤں زمیں میں گڑے رہے
بجھنے دیا نہ رات بھر ہم نے چراغ شوق
پلکوں پہ رت جگوں کے نگینے جڑے رہے
بیٹھے رہے ہم رات کی راہوں کے خواب گر
دن، مرحلہ دید میں حائل کھڑے رہے

نور علی کی ڈائری سے

امجد اسلام امجد کی غزل

اک نام کی اڑتی خوشبو اک خواب سفر میں رہتا ہے
اک ہستی آنکھیں ملتی ہے اک شہر نظر میں رہتا ہے
کیا اہل ہنر کیا اہل شرف سب ٹکڑے ردی کاغذ کے
اس دور میں ہے وہ شخص بڑا جو روز خبر میں رہتا ہے
پانی میں روز بہاتا ہے اک شخص دیئے امیدوں کے
اور اگلے دن تک پھر ان کے ہمراہ بھنور میں رہتا ہے
جو پیڑ پہ لکھی جاتی ہے جو گیلی ریت سے بنتا ہے
کون اس تحریر کا وارث ہے کون ایسے گھر میں رہتا ہے
جو شعر لکھتا بھی ہے امجد اک قصہ سوتے جاگتے کا
ہم دیکھیں جس کردار کو بھی جادو کے اثر میں رہتا ہے

☆.....☆.....☆

اشعار

فرزانہ شوکت.....کراچی
آج تک یہ سمجھ میں نہ آیا مری
تیری محفل کا یہ کیسا دستور ہے
پہلے خود ہی گل کر دیا چراغوں کو
پھر خود ہی کہا اندھیرا اندھیرا

سیدہ امبر ہاشمی.....کراچی
ترکِ اُلفت کی قسم بھی کوئی ہوتی ہے قسم
تُو کبھی یاد تو کر بھولنے والے مجھ کو
مجھ سے تو پوچھنے آیا وفا کے معنی
تیری یہ سادہ دلی مار نہ ڈالے مجھ کو

سباس گل.....رحیم یار خان
ساتھ تھے سب ہر خوشی کے دور میں
دورِ غم میں کوئی بھی ہمدم نہیں
جاننے والا تو سارا شہر ہے
ایک بھی لیکن شریک غم نہیں

ریما نور چمن.....کراچی
دوستی کے پھول تیرے نام کرتے ہیں
تیری مسکراہٹوں کو سلام کرتے ہیں
بن جائے تیری زندگی خوشیوں کا گہوارہ
یہ دعا اپنے ربّ سے صبح و شام کرتے ہیں

بشریٰ طارق.....ٹوبہ ٹیک سنگھ
سلیم دل کو میسر سکوں ذرا نہ ہوا
اگرچہ ترکِ محبت کو اِک زمانہ ہوا

حنا نسیم.....کراچی
ڈھلتا سورج آنکھ کا ریزہ ہو جاتا ہے
جھوٹے خوابوں کا آمیزہ ہو جاتا ہے
اپنے فقروں سے ہوشیار کہ فقرہ اکثر
دشمن کے ہاتھوں کا نیزہ ہو جاتا ہے

صبا سحر.....ہارون آباد
کچھ دنوں کی یہ ملاقاتیں بہت اچھی لگیں
اس سے جو کچھ ہو سکیں باتیں بہت اچھی لگیں
وقتِ رخصت اس نے تھوڑے پھول اور کچھ پھل دیئے
آنسوؤں سے تر یہ سوغاتیں بہت اچھی لگیں

حنا علی.....سیالکوٹ
وہ کہتے ہیں رنجش کی باتیں بھلا دیں
محبت کریں، خوش رہیں، مسکرا دیں
جوانی ہو گر جاودانی تو یا ربّ
تری سادہ دنیا کو جنت بنا دیں

نور بانو.....کوئٹہ
لوگ ٹوٹ جاتے ہیں ایک گھر بنانے میں
تم ترس نہیں کھاتے بستیاں جلانے میں

عانیہ نیازی.....ربوہ
کسی کے ساتھ نہ ہو ایسا حادثہ یا ربّ
کہ کسی کے پیار کو کسی سے پیار ہو جائے

سائرہ حسن.....حیدر آباد
تم بالکل ہاتھ کی لکیروں کی مانند ہو
بے پناہ الجھے ہوئے اور اچانک بدل جانے والے

رابعہ منیر.....سرگودھا
خود کو مارنا حرام لیکن
تیرے بن جینا بھی تو جائز نہیں

امبرین حیدر.....اسلام آباد
بہت ڈر لگتا ہے مجھ کو ان لوگوں سے
دل میں رہ کر جو دل ہی پر وار کرتے ہیں

دھنک ناز.....کراچی

بارش بن کر برستی ہیں مجھ پر اس کی یادیں
سوچو تو کتنا دلکش ہوتا ہوگا میری تنہائی کا منظر
ایمن بٹ.....لاہور

تم ناحق ناراض ہوئے ورنہ مے خانے کا پتہ
ہم نے ہر اس شخص سے پوچھا جس کے نین نشیلے تھے
شائلہ ملک.....کراچی

نتخیص بجا ہے کہ مجھے عشق ہوا ہے
نسخے میں لکھو' ان سے ملاقات مسلسل
نگہت توقیر.....چیچہ وطنی

جسے اپنا یار کہنا' اسے چھوڑنا بھنور میں
یہ حدیث دلبراں ہے یہ کمال دلبری ہے
حنا معظم.....کراچی

وہ میری قسمت میں نہیں یہ سنا ہے لوگوں سے
پھر سوچتا ہوں قسمت خدا لکھتا ہے لوگ نہیں
نوشین مدثر.....لاہور

احساس تو بہت ہے اس کو میری چاہت کا
وہ مجھ کو توڑ پاتا ہی اس لیے ہے کہ میں اور بھی ٹوٹ کر چاہوں اسے
شازیہ رحمت.....سرگودھا

پھر کوئی ٹوٹ کر چاہے بس اتنی سی تمنا ہے
پھر یت کی طرح بکھر جاؤں تو کوئی بات نہیں
ثناء علی.....فیصل آباد

وہ شخص جس کی آنکھوں میں انکار کے سوا کچھ بھی نہیں
نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں پر زندگی لٹانے کو جی چاہتا ہے
زینب نور.....ملتان

اپنی ہر ایک شام ہر ایک رات بیچ کر
اب آ گیا ہے جینا ہمیں ذات بیچ کر
ہم بھی ہیں کیا عجب کڑی دھوپ کے تلے
صحرا خرید لائے ہیں برسات بیچ کر
طوبیٰ رضا.....بہاولپور

اگرچہ کوئی بھی اندھا نہیں تھا
لکھا دیوار کا پڑھتا نہیں تھا
تم ہی نے کون سی اچھائی کی ہے
چلو مانا کہ میں اچھا نہیں تھا
راحیلہ مرتضیٰ.....راولپنڈی

ہم کو اچھا نہیں لگتا کوئی بھی ہم تیرا
کوئی تجھ سا ہو تو پھر نام بھی تجھ سا رکھے
ثناء حیات.....کراچی

ہم نے ہنس ہنس کر بھرم اہل وفا کا رکھا ہے
ہم بھی رو دیتے اگر عشق میں جھوٹے ہوتے
عالیہ ناصر.....واہ کینٹ

ہم نہ ہوں گے تو کون منائے گا تمہیں
یہ بری بات ہے ہر بات پر روٹھا نہ کرو
رباب علی.....ملتان

کل اس کی آنکھوں نے کیا زندہ گفتگو کی تھی
گمان تک نہ ہوا وہ بچھڑنے والا ہے
صدف منیر.....سرگودھا

سب سے ہی عشق ہے مجھے حسن نظر کے ہاتھوں
مجھ کو ہر شخص نے دیوانہ بنا رکھا ہے
حور عین شاہ.....بھکر

وفا کی قدر تو کسی سے نہ ہو سکی
ان کی جفا پر ایک زمانہ نثار تھا
روشنا بابر.....کراچی

ان سے ملنے کی تمنا ہو جسے وہ سوچ لے
عمر بھر کرنا پڑے گی جستجو میری
زوبیہ علی.....رحیم یار خان

ملنے کا کوئی اور حوالہ بھی نہیں تھا
وہ شخص میرے بن جینے والا بھی نہیں تھا
یوں کیسے وہ چپکے سے مجھے چھوڑ گیا ہے
میں نے تو اسے دل سے نکالا بھی نہیں تھا

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

نصیحت

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی اور بتایا کہ میں اس سے محبت کروں جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں اور اس سے خلوص برتوں، جس سے لوگ بغض و کینہ رکھتے ہیں، اس نے مجھ پر واضح کیا کہ محبت چاہنے والے کا نہیں، چاہے جانے والے کا امتیاز ہے اور اپنے نفس کی نصیحت کرنے سے پہلے میرے لیے ایک باریک دھاگا تھی جو پاس پاس گڑی ہوئی دو میخوں کے درمیان کسا ہوا تھا، لیکن اب اس نے ایک ہالے کی صورت اختیار کر لی ہے، جس کا اول، آخر ہے اور آخر اول۔ جو ہر موجود کو محیط ہے اور آہستہ آہستہ پھیل رہا ہے تاکہ آئندہ جو بھی عرصہ وجود پر قدم رکھنے والا ہو، اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لے۔

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی اور بتایا کہ میں تعریف سے خوش ہوں نہ مذمت سے دل گیر، اور اپنے نفس کے نصیحت کرنے سے پہلے، جب تک کوئی میرے کاموں کی تعریف نہ کرے، یا ان میں کوئی عیب نہ نکالے، میں اپنے کاموں کی قدر و قیمت کے بارے میں مشکوک و متذبذب رہتا تھا لیکن اب میں جان گیا ہوں کہ درخت، بہار میں پھول اور گرمیوں میں پھل لاتے ہیں اور انہیں تعریف و تحسین کا کوئی لالچ نہیں ہوتا، خزاں میں ان کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور انہیں ملامت و مذمت کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

اقتباس: ''ایک محبت سو افسانے''، خلیل جبران

انتخاب: عانیہ نیازی.....ربوہ

اس ماہ کی غزل

شام فراق اب نہ پوچھ' آئی اور آ کے ٹل گئی
دل تھا کہ پھر بہل گیا' جاں تھی کہ پھر سنبھل گئی
بزم خیال میں ترے حسن کی شمع جل گئی
درد کا چاند بجھ گیا' ہجر کی رات ڈھل گئی
جب تجھے یاد کر لیا' صبح مہک مہک اٹھی
جب ترا غم جگا لیا' رات مچل مچل گئی
دل سے تو ہر معاملہ کر کے چلے تھے صاف تم
کہنے میں ان کے سامنے بات بدل بدل گئی
آخر شب کی ہم سفر فیض نجانے کیا ہوئے
رہ گئی کس جگہ صبا' صبح کدھر نکل گئی

شاعر: فیض احمد فیض

انتخاب: رابعہ منیر.....سرگودھا

اس ماہ کی خوبصورت بات

ہمیشہ دعا مانگتے رہو کیونکہ ممکن اور ناممکن تو صرف ہماری سوچ میں ہے، اللہ کے لیے تو کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔

ریما نور رضوان.....کراچی

حیرت انگیز.....ناقابل یقین.....!

☆ نیکوما (واشنگٹن) کے ایک قانون کے مطابق اگر کوئی کار سوار جرم کے ارادے سے شہر کی حدود میں داخل ہو تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ٹیلیفون کے ذریعے پولیس چیف کو اپنی آمد کی اطلاع دے۔

☆ ماسکو (آئیڈہو) کے ایک قانون کے مطابق پارک

میں گھاس پر جوڑوں کا سیدھے بیٹھنا ضروری ہے، وہ کسی اور پوزیشن میں بیٹھ یا لیٹ نہیں سکتے۔

☆ لیبی (واشنگٹن) میں ایک قانون کے مطابق مرد کا گلی میں ناک صاف کرنا جرم ہے، یہ ممانعت صفائی کے نکتہ نظر سے نہیں بلکہ اس احتیاط کے پیش نظر کی گئی ہے کہ ناک صاف کرنے کی آواز سن کر کوئی گھوڑا بدک نہ جائے۔

☆ ورمونٹ میں قانون ہے کہ کوئی عورت اتوار کے روز اس وقت تک گلی میں نہیں نکل سکتی جب تک اس کا شوہر بائیس قدم پیچھے نہ آ رہا ہو۔ شوہر کے کندھے پر کوئی بندوق وغیرہ بھی لٹکی ہونا ضروری ہے۔

☆ نارتھ کیرولینا کی ایک عدالت نے فیصلہ دیا کہ اگر مرغا، مرغی کے پیچھے بھاگ رہا ہو تو یہ میاں بیوی کا خانگی معاملہ ہے۔

☆ نیویارک میں باقاعدہ ایک عدالتی فیصلے کے ذریعے واضح کیا گیا کہ کسی مرد کا شادی کی خواہش کرنا پاگل پن کی علامت نہیں ہے۔

☆ میکن (جارجیا) میں کسی معقول وجہ کے بغیر کسی عورت کے گلے میں مرد کا بازو حائل کرنا قانوناً ممنوع ہے۔

☆ نی سوٹا میں عورت اور مرد کے زیر جامہ ایک ہی وقت میں ایک ہی الگنی پر لٹکانا قانوناً جرم ہے۔

ایس۔امتیاز احمد...... کراچی

اس ماہ کی بین الاقوامی کہاوتیں

☆ جہاں دو آدمی اکٹھے ہوں وہاں مت رکو۔ (پاکستانی کہاوت)

☆ سوئے ہوئے کتے کو سویا رہنے دو، بیدار ہو کر وہ یقیناً آپ پر بھونکے گا۔ (ترکش کہاوت)

☆ اگر تم خود ترقی نہیں کر سکتے تو دوسروں کو ترقی کرتے دیکھ کر آنکھیں بند مت کرو۔ (جرمن کہاوت)

☆ تلوار اور عورت کی چلتی ہوئی زبان کو روکنا ہی اصل بہادری ہے۔ (روسی کہاوت)

☆ روتی ہوئی عورت اور بیمہ ایجنٹ کی باتوں پر کبھی اعتبار مت کرو۔ (جاپانی کہاوت)

سیدہ امبر ہاشمی...... کراچی

اس ماہ کے بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

☆ اپنے آپ سے محبت کرنا اتنا سنگین گناہ نہیں جتنا اپنے آپ سے لاپرواہی ہے۔ (شیکسپیئر)

☆ حسد، حاسد کو مرنے سے پہلے مار دیتا ہے۔ (بقراط)

☆ محبت احساسات کی تفسیر کا نام ہے۔ (بروس لیئر)

☆ غلطی مان لینے سے انسان کا ذہنی بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ (سائرس)

☆ جب صورت حال خطرناک ہو تو دانا لوگ خاموش رہتے ہیں۔ (جان سلٹن)

☆ قلم کا زخم بہت گہرا ہوتا ہے، یہ زندوں کو موت کی نیند سلا سکتا ہے اور مردوں کو زندگی بخشتا ہے۔ (جان ٹیلر)

☆ جس چیز کی ضرورت نہیں اس کی جستجو مت کر۔ (سقراط)

☆ دلی جذبات کے اظہار کے لیے آواز اور الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (خلیل جبران)

☆ سیدھے راستے کی درازی سے اندیشہ نہ کر۔ (سقراط)

☆ ٹھوکر لگنے سے پہلے جو ہوشیار ہو جائے وہ جلد کامیاب ہوتا ہے۔ (سقراط)

روشنی فیصل...... کراچی

اس ماہ کا مزاحیہ قطعہ

تمہارا حافظہ ہر بات میں مضبوط ہے لیکن
جو لوگوں سے کیے وعدے ہمیشہ بھول جاتے ہو
سیاست داں ہو لیکن بہت کمزور لیڈر ہو
کوئی مسکہ لگاتا ہے تو فوراً پھول جاتے ہو

حنا علی...... ملتان

اس ماہ کا فلسفہ

کامیاب لوگ اپنے ہونٹوں پر دو چیزیں رکھتے ہیں "مسکراہٹ" مسئلے کو حل کرنے کے لیے اور "خاموشی" مسئلے سے دور رہنے کے لیے۔

نوشین مدثر...... لاہور

☆......☆......☆

خوشبو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابو سعید بن مالک بن سنان خدریؓ سے روایت ہے کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ طلب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں عطا کیا، انہوں نے پھر سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پھر دیا، حتیٰ کہ آپؐ کے پاس جو کچھ تھا ختم ہو گیا۔ آپؐ نے اس وقت ہر چیز جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں تھی خرچ کر دی تو ان سے فرمایا:

"میرے پاس جو مال بھی ہوتا ہے میں وہ تم سے ہرگز بچا کر نہیں رکھتا اور جو شخص سوال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اللہ اسے بچا لیتا ہے، جو بے نیازی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے (لوگوں سے) بے نیاز کر دیتا ہے اور جو صبر کا دامن پکڑتا ہے اللہ اسے صبر کی توفیق دے دیتا ہے کسی شخص کو ایسا عطیہ نہیں دیا گیا جو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع تر ہو"۔

(بخاری و مسلم)

سیدہ نورین...... کراچی

باتوں کے پھول

☆ نہیں سے بات شروع ہو تو دامن ہی نہیں دل بھی تنگ ہو جاتا ہے، پھر نہ دل میں جگہ ملتی ہے اور نہ ہی دامن میں۔

☆ شام ڈھلے گھر میں اتنی روشنی ضرور کر لیا کرو کہ تمہیں اپنا آپ دکھائی دیتا رہے۔

☆ ہر خوبصورت چیز کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرو، چاند ستارے، آسمان کی خوبصورتی کے لیے ہیں دامن بھرنے کے لیے نہیں۔

☆ انسانی رویے موسموں کی طرح ہوتے ہیں جس سے نمٹنے کے لیے لہجوں کے لباس بدلنا پڑتے ہیں۔

☆ ہم کسی کو کچھ نہیں دے سکتے، سوائے محبت یا نفرت کے۔

☆ یہ ٹھیک ہے کہ محبت مرتی نہیں، مگر اس کے معیار ضرور بدلتے رہتے ہیں۔

☆ جب ہمارا خود اپنے دل پر اختیار نہیں تو کوئی دوسرا ہم مزاج کیسے بن سکتا ہے؟

☆ خوش کلامی ایک ایسا وصف ہے جو سامعین کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔

عانیہ نیازی...... ربوہ

لین دین

مامون عباسی کے زمانے میں ناپ تول میں کمی کرنے والے کسی تاجر کو پچاس کوڑوں کی سزا سنائی گئی، اس نے جلاد کو ایک ہزار درہم رشوت دے کر کہا کہ وہ کوڑے اس کے بدن پر مارنے کے بجائے زمین پر مارے۔

جلاد نے 49 کوڑے زمین پر مارنے کے بعد آخری کوڑا پوری قوت سے تاجر پر دے مارا، اس کو شدید تکلیف ہوئی تو اس نے جلاد سے کہا۔

"میں نے تجھے محض اس لیے رشوت دی تھی کہ مجھے کوڑے نہ لگائے تاکہ مجھے کوئی گزند نہ پہنچے، آخر تُو نے مجھے ایک کوڑا کیوں مارا؟

"میں تمہیں احساس دلانا چاہتا تھا کہ اس لین دین میں تم فائدے میں رہے ہو"۔ جلاد نے کہا۔

نور بانو...... کوئٹہ

فرمان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کبھی اس کو نظر انداز مت کرو جو تمہاری بہت پرواہ کرتا ہو، ورنہ ایسا نہ ہو کسی دن تمہیں احساس ہو کہ پتھر جمع کرتے کرتے تم نے ہیرا گنوا دیا۔

محمد رضوان.....کراچی

پہلا جھوٹا

یونیورسٹی کے ایک لڑکے نے دوسرے لڑکے سے پوچھا۔

''جب کوئی لڑکا کسی لڑکی سے کہتا ہے کہ وہ اس کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہے تو کیا لڑکی اس کی بات پر یقین کر لیتی ہے؟''

''ہاں.....بشرطیکہ وہ اس کی زندگی میں آنے والا پہلا جھوٹا ہو''۔ دوسرے لڑکے نے جواب دیا۔

حنا علی.....ملتان

قانون کا احترام

شکار پر پابندی کے باوجود ایک شخص مچھلی کا شکار کرتے ہوئے پکڑا گیا، وارڈن نے کہا۔

''تمہیں معلوم نہیں کہ سال کے اس حصے میں کھیلنا منع ہے؟''

''بالکل معلوم ہے''۔ شکاری نے بڑی معصومیت سے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''پھر بھی تم شکار کر رہے ہو؟'' وارڈن نے غصے سے کہا۔

''وجہ یہ ہے جناب!'' شکاری نے جواب دیا ''جب شکار کا موسم آتا ہے تو مچھلیاں اچانک غائب ہو جاتی ہیں، لیکن جب شکار کا موسم ختم ہوتا ہے تو دریا میں ہر طرف مچھلیاں ہی مچھلیاں نظر آتی ہیں، اب آپ ہی بتائیں ایسے قانون کا کیا فائدہ جس کا احترام مچھلیاں نہ کرتی ہوں؟''

اُمِّ کلثوم.....کراچی

بکھرے موتی

☆راستے کی دھوپ اور ویرانی سے ڈرنے والے کبھی منزل تک نہیں پہنچتے۔

☆سونے کی آزمائش آگ میں ہوتی ہے اور بہادر لوگوں کی مشکلات میں۔

☆ایک موم بتی سے سبق حاصل کرو جو جل کر دوسروں کو روشنی دیتی ہے۔

☆بدگمانی خوشیوں کی دشمن ہے۔

☆بے موقع گفتگو انسان کی قدر گھٹا دیتی ہے۔

☆اعتبار عمل سے ہوتا ہے لفظوں سے نہیں۔

☆جو لوگ اللہ کے کاموں میں لگ جاتے ہیں اللہ ان کے کاموں میں لگ جاتا ہے۔

☆جیو اور جینے دو۔

☆جن لوگوں کے دلوں میں اچھے خیالات آباد ہیں وہ کبھی تنہا نہیں رہتے۔

☆اگر تم جینا چاہتے ہو تو اپنے لبوں پر مسکراہٹ کے پھول سجاؤ۔ یہی تمہاری زندہ دلی کا ثبوت ہے۔

سیدہ امبر ہاشمی.....کراچی

کچھ رنگ بکھرے ہیں

☆کسی کو پالینا محبت نہیں بلکہ کسی کے دل میں جگہ بنانا محبت ہے۔

☆دوست وہ ہے جس کی محبت بے لوث ہو جس کا خلوص بے مثال ہو، جس کی انا انمول ہو، جس کی ہمدردی بیش بہا ہو اور جس کی جدائی میں بے پناہ غم ہو۔

☆دوست کبھی نہیں بچھڑتے جو چلے گئے وہ ہماری یادوں میں زندہ رہتے ہیں۔

☆آپ انسان سے سب کچھ چھین سکتے ہیں مگر اس کے جذبے نہیں۔

☆اگر محبت چاہتے ہو تو پورے وقار کے ساتھ حاصل کرو کیونکہ خیرات میں ملی ہوئی محبت اور سب کچھ ہو سکتی ہے مگر محبت نہیں ہو سکتی۔

درخشاں نور چمن.....کراچی

وقت کا مرہم

کہتے ہیں کہ وقت ہر غم کی نہایت موثر دوا ہے۔ عام مشاہدے میں دیکھنے میں آیا ہے کہ جس گھڑی ہمارا کوئی پیارا ہم سے جدا ہوتا ہے تو اس وقت ہماری زندگی بالکل ویران ہو جاتی ہے، جیسے ہمارے دل میں جینے کی خواہش ہی ختم ہو گئی ہو۔ اس وقت ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم مزید زندہ نہیں رہ سکیں گے کیونکہ اس دوران ہر آنے والا لمحہ ہمارے لیے ایک نئی اذیت ساتھ لے کر آتا ہے۔ لیکن پھر کچھ ہی دیر بعد وقت ہمارے زخموں پر مرہم رکھنا شروع کر دیتا ہے۔ یوں ہمارے دکھوں کی اذیت رفتہ رفتہ کم ہو جاتی ہے، نجانے ہم کیوں اس حقیقت سے پہلو تہی اختیار کر لیتے ہیں کہ آسمان پر چھائے ہوئے سفید بادل کبھی کسی بادِ نسیم کا پیغام لے کر نہیں آتے بلکہ ہمیشہ کالے اور سیاہ بادلوں میں سے ہی صاف و شفاف بارش کے پانی کی بوندوں کا زمین پر نزول ہوتا ہے۔ پھر انہی گہرے کالے بادلوں سے نکلنے والی بوندیں زمین کی پیاس بجھاتی ہیں، اسی طرح ہر سیاہ رات کے بعد ایک نئے دن کا سورج طلوع ہوتا ہے، ہر خزاں کے بعد بہار آتی ہے اور پھول ہمیشہ کانٹوں کے دامن میں ہی پائے جاتے ہیں، مگر جس طرح ہر خزاں کے بعد بہار یقینی ہے، اسی طرح غم و آلام کی سیاہ شب کے بعد ضرور خوشیوں کی ایک نئی صبح طلوع ہوتی ہے، دراصل یہ غم خوشیوں کے پیامبر کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ پھول تک پہنچنے کے لیے انسان کا کانٹوں سے الجھنا یقینی ہے اور خوشیوں کا راستہ غموں کی آگ سے ہی ہو کر جاتا ہے، انسان فطرتاً بہت جلد باز ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ مشکل وقت میں بہت جلد مایوس ہو جاتا ہے مگر پھر وہی وقت کا مرہم انسان کے غموں کو مندمل کر دیتا ہے۔ اگر انسان خوابوں کی دنیا میں رہنے کی بجائے غموں کو فراخ دلی سے قبول کرنا سیکھ لے تو اس کی زندگی دوبارہ مسکرا اٹھتی ہے اور وہ ہمیشہ بہار میں کھلنے والے پھولوں کی مانند ہر جانب اپنی خوشبو اور رعنائی بکھیرتا رہتا ہے۔

ایس۔ امتیاز احمد.....کراچی

معلومات

☆دنیا میں سب سے زیادہ اسکول امریکہ میں ہیں۔

☆ملک جاپان کا پرانا نام زپانگو ہے۔

☆ایک بات کرنے سے انسانی جسم کے 76 عضلات حرکت کرتے ہیں۔

☆اِن ڈور گیم شطرنج کی ابتداء ہندوستان سے ہوئی تھی۔

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی

دل کی دنیا

وقت نہیں بدلتا، ہم بدل جاتے ہیں، واقعی یہ آنا جانا، ملنا بچھڑنا لگا رہتا ہے، ہر روز صبح کا آغاز ویسے ہی ہوتا ہے، سورج ویسے ہی نکلتا ہے، سب کچھ بظاہر ویسا ہی ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات سب کچھ ویسا ہوتے ہوئے بھی ویسا نہیں ہوتا ہے، وہ اس لیے کہ جیسے باہر ایک دنیا ہے، ویسے ہی ہمارے اندر ایک دنیا آباد ہے۔ باہر کی دنیا تو صدا ایک جیسی ہوتی ہے، لیکن ہمارے اندر کی دنیا بدلتی رہتی ہے، جس کا انحصار ان چیزوں پر ہوتا ہے، خوشی، غم، جدائی، ملن سے سب بدلتا رہتا ہے، کبھی ہم کسی کو پا کر بہت خوش ہوتے ہیں، لیکن پھر پتہ چلتا ہے کہ ملن کا عرصہ تو تھوڑا ہے، پھر سے زندگی اندھیری راہوں کی طرف گامزن ہو جاتی ہے، ایسے میں انسان ٹوٹ کر رہ جاتا ہے، دل کی حالت ناقابل بیان ہوتی ہے، مگر دنیا میں رہنے کے لیے سب کچھ سہنا پڑتا ہے، اس لیے ''خلیل جبران'' کہتے ہیں خوش رہو، پیچھے مڑ کر نہ دیکھو ماضی راکھ کا ڈھیر ہے، پاؤں مضبوط رکھو، حال سمندری ریت کی طرح لمحہ بہ لمحہ سرک رہا ہے، آنکھیں کھول کر رہو، مستقبل تاریک خلاء ہے۔

ریما نور رضوان.....کراچی

☆.....☆.....☆

ذرا پھر سے کہنا

خدا

دنیا کے تماشے ہم دیکھا کیے
تیرے فرشتے ہر دم ساتھ میرے رہے
ہر لمحہ جب ساتھ تُو ہی تو ہے
ہر لمحہ ہم سکوں ہی سکوں سے رہے
نہ دنیا کو جانا نہ خود کو پہچانا
تیرے سائے میں ہم سکوں سے رہے
اس دنیا کے نظارے ہم دیکھا کیے
سکوں کے سمندر میں تیرتے ہی رہے
تری رحمتوں کی انتہا کا کیا کہوں
ان آنکھوں سے موتی ہی جھڑتے رہے

فرخ سلطانہ

نعت

میں ہوں منگتا تمہارا
تم ہو داتا ہمارے
کس میں دم ہے جو آئے
درمیاں ہمارے تمہارے
میں گناہ گار ہوں
مجھ کو اقرار ہے
میری بخشش کا وسیلہ
میرے سرکار ہیں
جھولی بھر جائے گی
مصطفیٰ کے سہارے
کس میں دم ہے جو آئے
درمیاں ہمارے تمہارے

سحر انجم

غزل

یہ صدیوں کی تم سے رفاقت ہے جانم
جو پہلے تھی اب بھی محبت ہے جانم
ہمیں بخشتے رہو سدا جامِ محبت
یہ ہم پر تمہاری عنایت ہے جانم
یہ تاروں بھری رات کتنی تنہا
تمہاری بہت ہی ضرورت ہے جانم
میری خواہش دل مچلنے لگی ہے
تیرے لمس کی یہ حرارت ہے جانم
تیری ایک ہنسی ہے اداسی پہ غالب
تیری چال بھی کیا قیامت ہے جانم
یہی دن رات مشغلہ بن گیا ہے
تجھے سوچنا میری عادت ہے جانم
نہ بدلا ہے واجد نہ بدلے گا واجد
بھلا مجھ سے کیسی شکایت ہے جانم

پروفیسر ڈاکٹر واجد لکھنوی

غزل

دن گو تمہارے پیار نے کیا کیا دکھائے ہیں
ہم باز پھر بھی جانِ تمنا نہ آئے ہیں
آئے وہ جب بھی کوئی غرض لے کے آئے ہیں
اس بار دیکھتے ہیں کہ کیا کام لائے ہیں
مدت کے بعد ہم نے جو دیکھا ہے آئینہ
مشکل سے اپنے آپ کو پہچان پائے ہیں
ہم پر پڑی نہ ان کی نظر اور بات ہے
ہم تو سرِ نیاز ابھی تک جھکائے ہیں
تہذیب ہم کو اور نہ اب زخم دے کوئی

پہلے ہی ہم تو زخمِ جگر کے ستائے ہیں

راؤ تہذیب حسین تہذیب

اہمیت

ایک تیرے روٹھ جانے سے
موسم کے تمام رنگ
یہ بندیا یہ کاجل
یہ سجنا، سنورنا
ہنسنا، مسکرانا
مسرتوں سے کھلکھلانا
قصے، کہانیوں کی باتیں
شاعری کی کتابیں
خوشیوں کے گیت
ساون کے جھولے
سارے ہی
بن تمہارے
ادھورے ادھورے سے لگتے ہیں
اب کی بار تم
یوں مکر و جاناں.....!
ایک تیرے مان جانے سے
تمام موسم ہی خوشنما سے
لگتے ہیں
سجنا، سنورنا
ہنسنا، مسکرانا
مسرتوں سے کھلکھلانا

بے حد
دلکش لگتا ہے

افسانہ آفتاب

غزل

صیاد کی چالوں میں اگر شر نہیں ہوتا
اپنے چمن کا حال یوں ابتر نہیں ہوتا
ہوتی اگر جو میرے جوانوں میں تازگی
حصہ کوئی زمین کا بنجر نہیں ہوتا
اس ملک میں مقتول کو ملتا اگر انصاف
کتنے معززین کا پھر سر نہیں ہوتا
چلتے ہیں جو سچائی کی راہوں پہ ہمیشہ
سایہ بھی ان کی راہ میں اکثر نہیں ہوتا
ہوتا ہے جس کے سینے میں خوفِ خدا کا نور
دنیا کی طاقتوں کا اسے ڈر نہیں ہوتا
گر علم و اعتماد کی دولت اسے ملتی
غربت کا کرب اس کا مقدر نہیں ہوتا
مجھ کو بھی گر صفائی کا موقع دیا جاتا
ہر آشنا کے ہاتھ میں پتھر نہیں ہوتا
جڑ سے اکھاڑ پھینکتے جو عصبیت کا پیڑ
اپنوں کی آستین میں خنجر نہیں ہوتا
دریا کے حق میں لڑنے کی طاقت اگر ہوتی
دریا ہمارا پیاس سے ابتر نہیں ہوتا

سید ساجد

نظم

صبح کی پہلی کرن
سردی کی ٹھنڈی ہوائیں
جب سوکھے پتے گرا دیتی ہیں
جب بھی تنہائی جسم لمحہ لمحہ جلتی ہے
جب آنکھ دھیرے سے آنسو بہاتی ہے
چپکے سے تیری یاد چلی آتی ہے
کوئی یاد دل کے دروازے پر دستک دیتی ہے
میری محبت مرتے مرتے چلتی ہے
چپکے سے تیری یاد لا جاتی ہے
رخصت ہوتی کوئی دلہن دیکھوں
آنکھ سے جدا ہوتا کاجل دیکھوں
کروٹ بدلتی بے چینی سے ملوں

تنگ کرتا، ہوا میں اڑتا آنچل دیکھوں
دھیرے سے تیری سرگوشی سنائی دیتی ہے
چپکے سے فریاد آنسو بہاتی ہے
جون کی گرم جدائی، دل سہہ گیا کیسے بے وفائی
دسمبر کی ٹھنڈ آگ لگاتی ہے
جب ہوا اس کے شہر سے ہو کر آتی ہے
میں کہیں دور نکل جاتا ہوں
میں جہاں ہوں وہیں رک جاتا ہوں
کوئی فریاد پھر تڑپاتی ہے
دھیرے سے پھر
چپکے سے پھر اے جاناں!
تیری یاد چلی آتی ہے
چپکے سے تیری یاد رُلا جاتی ہے

ثمر احمد

کراچی کے حالات پر ایک نظم

پھر رو پڑے
تیری بے بسی پر
کراچی
کتنے مسلمانوں کا بے جا خون بہا ہے
تیری شاخ شاخ پر دشمنوں نے پہرا بٹھا دیا ہے
مگر تُو اتنا کمزور بھی نہیں
کہ
اپنی جڑوں پر ان چٹکی بھر گندے
کیڑوں کو برداشت نہ کر سکے

راجکماری سارہ احسان

سانحہ کوئٹہ کے نام

اجڑے راستے، عجیب منظر
ویران گلیاں بازار بند ہیں
کہاں کی خوشیاں
کہاں کی محفل
شہر تو میرا لہولہو ہے
وہ روتی مائیں
بے ہوش بہنیں
لپٹ کے لاشوں سے کہہ رہی ہیں
اے پیارے بیٹے!
گئے تھے گھر سے
سفید کرتا تھا، سرخ کیوں ہے؟؟؟

افشاں علی

نظم

وہ اکثر مجھ سے کہتا تھا
بھر بھر آنکھیں خواب نہ دیکھو
کرچی کرچی بکھرتے ہیں
دل بھل بھل لہو روتا ہے
روز نئی اذیت سہتا ہے
پتھر کی اس نگری میں
نازک سے ان سپنوں کو
نہ کوئی سمجھ پایا ہے
نہ کوئی سمجھ پائے گا
تم کیوں روز ان آنکھوں میں
نئے نئے خواب سجاتے ہو
ہر روز درد سہتے ہو
ہر پل تڑپتے رہتے ہو
وہ کتنا سچ کہتا تھا
اب احسا[illegible]
پتھر [illegible]
ہاں [illegible] تھا
دل نے یوں ہی رونا تھا

عابدہ یسین

غزل

اے دل اے دل تجھے کیوں رسوائی پسند ہے
اے دل اے دل تُو کیوں ذلت چاہتا ہے
اے دل اے دل تُو کیوں خواہش جگاتا ہے
اے دل اے دل تُو کیوں اتنا رُلاتا ہے
اے دل اے دل تُو کیوں پیاس جگاتا ہے
اے دل اے دل تُو کیوں اسے اتنا چاہتا ہے
اے دل اے دل تُو کیوں ضبط آزماتا ہے
اے دل اے دل تُو کیوں درد جگاتا ہے
اے دل اے دل تُو کیوں اتنا رُلاتا ہے
اے دل اے دل تُو کیوں اتنا رُلاتا ہے

سیدہ ارم

نظم

میرے نادان شہزادے
کیا لکھوں
میری ہر سوچ پر تمہارا
پہرہ لگتا ہے کہ جس
میں، میں گم رہتی ہوں
میرے نادان شہزادے
کیا لکھوں
میری ہر سانس میں
تمہارا احساس رہتا ہے
کہ جس کو میں محسوس کرتی ہوں
میرے نادان شہزادے
کیا لکھوں

ریما نور رضوان

اسم محبت

محفل میں
ہر ایک پہ سکتہ طاری تھا
جب اس نے پڑھ کے پھونکا سب پہ
''اسم محبت''

سباس گل

غزل

رات کو جب بھی ماہتاب دیکھتا تھا
میں نے تیرا ہی خواب دیکھا تھا
تجھے دیکھا تو یہ محسوس ہوا مجھ کو
جیسے پھر ایک آفتاب دیکھا تھا
اپنی اوقات مجھ کو یاد دلادی
جب بھی کوئی احباب دیکھا تھا
مجھ سے پوچھ پھر غم زندگی ہے کیا
جیسے عمر بھر کوئی عذاب دیکھا تھا
یوں ہی تو یہ شب نہیں ملی ہمیں جاوید
غم بھی تو زمانے میں بے حساب دیکھا تھا

محمد اسلم جاوید

لوٹ آؤ

لوٹ آؤ کہ ابھی فرصت ہے
پھر کہیں ایسا نہ ہو
تم کو بھی فرصت نہ ہو
میں بھی رہوں مصروفِ معاش
میرے تمہارے درمیاں
رابطہ کوئی نہ ہو
واسطہ کوئی نہ ہو
پھر کہیں ایسا نہ ہو
مصلحت کے صحرا میں
تم نہ کھو جاؤ کہیں
تھک کے سو جاؤں نہ میں
لوٹ آؤ کہ ابھی فرصت ہے

رضوانہ ناصر حنفی

آنکھ کی دہلیز

آنکھ کی دہلیز
چاند ہولے ہولے
روشن ہو رہا ہے

رات رفتہ رفتہ
جسم میں سوئی
حرارت جاگتی ہے
ذہن میں
قصہ محبت اُگ رہا ہے
اور میری
آنکھ کی دہلیز پر
دشمنِ جاں
میرا
مستقل کھڑا ہے

نگہت اکرم

سنوں چلو اک کام کرتے ہیں

چاہتوں، محبتوں کے سب سنہری موتی تیرے نام کرتے ہیں
کھول کے دریچۂ دل ساری الفتیں تیرے نام کرتے ہیں
آج یہ کر کے اقرارِ محبت یہ عہد پیمائے وفا کرتے ہیں
نہ بچھڑیں گے کبھی تجھ سے یہ وعدائے پیا کرتے ہیں
تم سے ہی عشق و محبت کی ابتدائے اور انتہا کرتے ہیں
اپنی حیات کے سارے حسیں موسم تیرے نام کرتے ہیں
ہم یہ آج سرخ پھول سے نامے محبت تیرے نام کرتے ہیں
تم سے ہی ہم کریں محبت یہ اقرارِ محبت کرتے ہیں
دے کے تجھے آج اپنی چاہت کا یوں نذرانہ محبت کرتے ہیں
خود کو تیرے عشق میں فنا کرتے ہیں
اپنے جیون کا ہر دن تیرے نام کرتے ہیں

وفاشاہ

ہم ہیں آپ کے دل میں

ہم ہیں آپ کے دل میں
آپ کو تو پتہ بھی نہیں
لڑتے ہیں آپ ہم سے
آپ کو تو پتہ بھی نہیں
کیوں ہو جاتے ہیں ہم اتنے خفا
یہ ہم کو بھی نہیں ہے پتہ
بس اک "چاہ" ہے
اب سینے میں کہ
وقت جو بھی ہو
جیسا بھی ہو
لڑنا ہو اب ہمارا کام نہیں
اس بے رحی زندگی میں پیار
کی شبنم کو گلابوں میں سے
ڈھونڈ کے لانا ہے ابھی
مسکراہٹ کو پھیلانا ہے آنگن
میں اپنے ابھی تو بہت پیار ہے
باقی آپ کو تو پتہ بھی نہیں

زارا قمر

نظم

کیوں؟
کسی کی یادیں
تڑپاتی ہیں
اور
اِک پرانا درد سا
جگا جاتی ہیں
کیوں؟
زندگی بے حس
بے وفا سی لگتی ہے
اور
کوئی بھی رشتہ محبت کے بنا
بے خالص سا لگتا ہے
کیوں؟
ہر اس امتحان کے مقام پر
ہر اس دوراہے پر
زندگی
پھر سے اِک نیا زخم سا

دے جاتی ہے

مدیحہ اعجاز حسین

غزل

یہ مرحلے کٹھن ہیں، جینا یہاں محال ہے
سحر آفریں ماحول میں اپنا تو برا حال ہے
وہ حسین سا تصور یہ ارماں گھٹے گھٹے سے
یہاں اف بھی کرے یہ کس کی مجال ہے
ڈھالا ہے خود کو ہم نے لباسِ نشاط سے
وگرنہ حیات اپنی اک مستقل وبال ہے
کیا پوچھتے ہو دوست کیا تم کو بتائیں ہم
یہاں ستم جو ملا ہے وہ ستم لازوال ہے
وہ مختصر سی مدت وہ قربتوں کے لمحے
وہ پرخلوص چاہت جسے بھولنا محال ہے
کھو دیا ہے تجھ کو کچھ پانے کی جستجو میں
دل سے مگر نہ جائے وہ تیرا خیال ہے
دل آج بھی میرا سکون میں نہیں امتیاز
ان بے مروت لوگوں میں دل کا خستہ حال ہے

ایس۔امتیاز احمد

اے ابنِ آدم

کہاں ہے میرے اختیار میں
کہ میں توڑ دوں یہ پابندیاں ساری
میں حوا کی بیٹی!
نازک سے پَر رکھتی ہوں
بہت ہی چھوٹی ہے اڑان میری
کہاں! اتنا اونچا جانے کا دم رکھتی ہوں
مگر!
پھر بھی تم نے
اے ابنِ آدم!
میرے نازک پَروں کو کاٹ کر
باندھ رکھا ہے
میرے گرد چبھتی نظروں کا
جال رکھا ہے
میرے اعتماد و یقین کے احساس کو
شک کے درد میں ڈال رکھا ہے
کیوں تم نے!
کیوں مجھے میرے اندر مار رکھا ہے؟

صائمہ ناز

وقتی طور پر

آؤ...!
ہم اپنے دل کو
اپنی اپنی مٹھیوں میں
اتنی زور سے جکڑ لیں
کہ شریانوں سے
پھوٹنے والا کرب
یہیں کہیں گم ہو جائے

فرزانہ شوکت

وفا

وفا کا رنگ یہ کیسا
میری ہتھیلی پہ مہکا ہے
کہ...!
جیسے چاند چودھویں کا
اک ترنگ سے چمکا ہے
میری ذات کے اندر
وفا اب یوں سما چکی ہے کہ
حدِ عشق
وفا کی آنچ سے گلزار ہے

سمیرا غزل

نوٹ: قارئین! ردا میں آپ لوگوں کے لیے ایک نیا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے اور اس سلسلے میں صرف اور صرف خواتین شامل ہو سکتی ہیں۔ "ذرا پھر سے کہنا" کی خواتین شعراء بھی جلد سے جلد اپنا تعارف لکھ کر ردا بھیج سکتی ہیں۔

سندیسے

لبنیٰ خالد.....فیصل آباد

السلام علیکم! محترمہ صالحہ آپی! ردّا کے تمام اسٹاف اور قارئین کو لبنیٰ کا سلام! سندیسے کی محفل میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں، اس یقین اور امید کے ساتھ کہ آپ سب مجھے ویل کم کریں گے۔ ردّا واقعی دلوں میں گھر کرنا جانتا ہے، اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے، اس کی سب رائٹرز نہایت ہی خوبصورتی اور چابکدستی سے لکھتی ہیں ہر رائٹر کا اپنا ایک مخصوص انداز ہے۔ شازیہ جی اگر شوخ و شنگ انداز رکھتی ہیں تو وہیں نائلہ جی سنجیدہ اور بردباری کے انداز میں بہت کچھ کہہ جاتی ہیں۔ صالحہ آپی کا انداز دھیما اور زندگی کو سلجھانے میں معاون ہوتا ہے، وہ بڑی سے بڑی بات اس خوبصورتی سے لفظوں میں ڈھال کر کہہ جاتی ہیں کہ بس پڑھنے والا واہ واہ! کے سوا کچھ نہیں کر پاتا۔ پھر وقتاً فوقتاً نیو رائٹرز کی ردّا میں آمد ہر طرح کے ادب سے قارئین کو روشناس کراتی ہے اور نیو رائٹرز کو بھی اپنے ٹیلنٹ کو آزمانے کا بھرپور موقع فراہم کرتی ہے وہیں ہم قارئین کو بھی نیو نیو رائٹرز کو پڑھ کر اچھا لگتا ہے اور یہ یقین اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے کہ ردّا واقعی سب چاہنے والوں کو دل سے ویل کم کرتا ہے اور اس کے لیے اپنا ہر قاری و رائٹر بہت اہم و خاص ہے۔ آپی! میری دعا ہے کہ ردّا یونہی ہم سب کے دلوں کو جگمگاتا رہے آمین! اور اسی طرح ہماری پیاری رائٹرز ہمارے لیے مزے مزے کے ناول، ناولٹ اور افسانے لکھتی رہیں آمین!

عانیہ نیازی.....ربوہ

السلام علیکم! ردّا کے تمام قارئین، اسٹاف اور صالحہ آپی کو میرا سلام۔ امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے، اس بار ردّا 21 تاریخ کو مل گیا، اتنی جلدی ردّا کے ملنے کا ہمیں تو یقین ہی نہیں آیا، پچھلے ماہ کے انتظار کی ساری کوفت ختم ہو گئی تھی، سب سے پہلے گوشہ آگہی کی خوبصورت اور دل میں اترتی آگہی کو محسوس کیا، اس کے بعد صالحہ آپی کے ناول ''وہ جو رگ جاں سے قریب تھے'' کی طرف دوڑ لگائی۔ صالحہ آپی! آپ کے ناول کی ہر قسط پچھلی سے بڑھ کر ہوتی ہے، خاص کر رومی بیچاری سے ہماری ہمدردی بڑھتی جا رہی ہے اس کے ساتھ نہ حالات نے اچھا کیا اور نہ قسمت نے۔ اس کے بعد شازیہ آپی کا ''کبھی عشق ہو تو پتہ چلے'' پڑھا، تیمور کی شادی کی خبر سب کو ہو گئی، اس بات کی خوشی ہمیں تو اریشماء سے بھی زیادہ ہوئی کہ کم سے کم تیمور کا بھانڈا تو پھوٹا، ورنہ ہم ایویں ہی ٹینشن میں مرے جا رہے تھے کہ بچاری اریشماء کے ساتھ کچھ برا نہ ہو جائے۔ پھر ''کوک میرے دل کوک'' کی جانب بڑھے اور اس میں عارش کی حساسیت اور خرمن کی بیزاری نے لطف دوبالا کر دیا، اس بار کی قسط کا آگے دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ سعدیہ عابد کا ''بند قبا کھلنے لگی جاناں'' کی اس بار کی قسط کافی مزے دار تھی اور اب کہانی کچھ کچھ دلچسپ ہوتی جا رہی ہے۔ انعم آپی کی ''اس دل میں بسے ہو تم'' اس بار بھی سلو لگی، پلیز آپی! کہانی میں کچھ تیزی لائیں۔ مکمل ناول میں اس بار اقراء چنہ اور رباب بخاری دونوں نے اچھا لکھا، مگر اقراء آپی کے ناول کے اینڈ میں باقی آئندہ دیکھ کر صبر کے گھونٹ بھر کے رہ گیا، ناولٹ میں شفق پروین نے اچھا لکھا۔ افسانے بھی اچھے تھے، اشعار میں نور بانو، صبا سحر کا انتخاب اچھا لگا اور پکچن اس بار بہت ہی اچھا لگا، بہت سی دعاؤں کے ساتھ اجازت!

راجکماری سارہ احسان.....بہاولپور

السلام علیکم! مائی ڈیئر اینڈ سوئیٹ آپی! اللہ تعالیٰ آپ کو

خوش اور پرسکون رکھے (آمین!) اور ہمارے ردّا کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آپی! ردّا 26 فروری کو ہی مل گیا، خوشی کی انتہا نہیں رہی، جب خود کا نام افسانوں کی لسٹ میں دیکھا، بہت بہت شکریہ۔ اس کے بعد گوشہ آگہی کی طرف دوڑ لگائی، 23 مارچ کے حوالے سے آپ کی باتیں پڑھ کر بہت اچھا لگا، ردائے جنت میں ''اناج وغیرہ کا عذاب'' والا پیراگراف بہت اچھا اور سبق آموز لگا۔ باسط سبحانی سے ملاقات اچھی رہی، رابعہ جی! آپ سے گزارش ہے F.M کراچی کے اعجاز قریشی کا انٹرویو لیجیے اور ان سے میری طرف سے ایک سوال کیجیے گا کہ ''آپ ہنستے ہوئے بولتے ہیں یا آپ کی آواز ایسی ہے؟'' آپی! واقعی تائی اماں نے پہلی دفعہ رومی کے لیے بہت اچھا سوچا ہے اور پلیز آپ بھی رومی کے ساتھ کچھ برا مت کیجیے گا۔ ''اک روشن دیا'' اقراء چنہ کی پہلی قسط پڑھ کر مزہ آ گیا۔ شازیہ جی! آپ بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں، پلیز لیل ماہ، اریشماء کی جلدی سے شادی کرا دیں، نائلہ جی! ''کبھی کوک میرے دل کوک'' نائس! خرمن کی تو کیا ہی بات ہے، عثمان اور بیلا کا کردار بھی بہت اچھا ہے، سعدیہ جی! آپ کی تو بات ہی الگ ہے ''بند قبا کھلنے لگی جاناں'' میں سب کردار بہت اچھے ہیں۔ اب جی انعم خان ''اس دل میں بسے ہو تم'' مراد کا وحشیانہ پن دیری بیڈ اور پلیز انعم جی! علی اور مستبشرہ جمال کو ملا دیجیے گا۔ رباب بخاری ''تم بن زیست اکیلی ہو گئی تھی'' بہت زبردست، اُما جیسے مظلوم کردار جگہ جگہ بکھرے ہیں، یہی زندگی ہے ''غلط فہمی'' زندگی، ''زندگی خوبصورت ہے'' سب بہت اچھے تھے۔

ردّا اور ردّا پڑھنے لکھنے والوں کے لیے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اجازت، انشاء اللہ اگلے ماہ پھر شرکت کروں گی، اللہ حافظ!

رضوانہ آفتاب.....کراچی

ڈیئر صالحہ آپی! امید کرتی ہوں آپ خیریت سے ہوں گی، ہماری بے شمار دعائیں جو آپ کے ساتھ ہیں، آپ کا بے حد شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ آپ نے میرا افسانہ ''راستہ بھول گیا تھا'' کو اپنے شمارے میں جگہ دی، اپنا نام دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی اور اس خوشی کا کریڈٹ صرف آپ کو ہی جاتا ہے۔ لکھنا میرا شوق ہے اور میں اس معاملے میں بے حد کریزی ہوں، آپ اپنا بے حد دھیان رکھیے گا آپی! ہم جیسے نئے لکھنے والوں کو ردّا کے پلیٹ فارم اور آپ کے تعاون کی اشد ضرورت ہے، دعا ہے ردّا یونہی کامیابیوں کی منازل طے کرتا جائے، دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

سیدہ امبر ہاشمی.....کراچی

پیاری آپی السلام علیکم! امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی، میں بھی خیریت سے ہوں، کافی عرصے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، ردّا تو مستقل پڑھنا ہوتا ہے، سندیسے پڑھنا اچھا لگتا ہے، ساری رائٹرز اپنا کردار بخوبی نبھا رہی ہیں جن میں سرفہرست نام شازیہ مصطفےٰ، نائلہ طارق، سباس گل اور آپ ہیں، نائلہ طارق کی دوسری سلسلے وار کہانی بھی زبردست چل رہی ہے، کیا خوب لکھتی ہیں، نائلہ! آپ سے ملنے کو دل کرتا ہے، جو اتنا اچھا لکھتی ہے وہ خود کیسی ہوں گی، اللہ آپ کے قلم میں اور ترقی دے، اپنا خیال رکھیے گا، موسم کا تو آپ کو پتہ ہے، اس لیے بی کیئر فل اینڈ گڈ بائے۔

سحر انجم.....کراچی

پیاری آپی السلام علیکم! اللہ کرے آپ، آپ کے تمام فیملی ممبر اور آپ کے تمام اسٹاف ممبرز سب خیریت سے ہوں آمین! کیونکہ اپنوں کا ساتھ ہی جینے کی آس ہوتا ہے، مارچ کا دلچسپ شمارہ اپنے اختتام کو پہنچا تو سندیسہ لکھنے کا خیال آیا، مارچ کا شمارہ بھی اپنے تمام گذشتہ ڈائجسٹوں کی طرح زبردست تھا، ردّا کے سلسلے وار ناول اور مکمل ناول ''اس دل میں بسے ہو تم'' ہمیشہ کی طرح زبردست تھے، افسانوں میں سبھی کی کاوش اچھی تھی، مستقل سلسلوں میں گوشہ آگہی، ردائے جنت، اس ماہ میں اور سنگھار اچھا لگا، اب آتا ہے میرا اور یقیناً سب کا ہی ہر دل عزیز سلسلہ ذرا پھر سے کہنا،

اشعار اور ردّا کی ڈائری، اشعار میں نور بانو، دھنک ناز کی شاعری نے متاثر کیا، اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ردّا کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دے (آمین!)۔

صبا سحر.....ہارون آباد

آداب آپی! اور تمام پڑھنے والوں کو۔ خوبصورت سرورق سے سجا ردّا ہاتھ میں ہے اور میں تبصرے کے لیے سندیسے کی محفل میں حاضر خدمت۔ سب سے پہلے تو ردّا اتنی جلدی ملنے پر ہم خوشی سے مرتے مرتے بچے کے امید کے برخلاف جب بھی کچھ ملتا ہے تو انسان کی وہی کیفیت ہوتی ہے جو اس پل میری تھی۔ خیر سب سے پہلے بات ہو جائے باسط سبحانی کے انٹرویو کی، تو ان کا سچا کھرا انداز مجھے بے حد اچھا لگا، ہمارے ملک کو ایسے ہی باشعور اور دردمند نوجوانوں کی ضرورت ہے جو اپنے ملک اور اس کے لوگوں کے لیے نہ صرف اچھی سوچ رکھتے ہوں بلکہ عملی طور پر بھی وہ کام کریں، سلسلے وار ناولز سب کی سب اقساط بہت اعلیٰ اور زبردست تھیں، مکمل ناول، ناولٹ اور افسانے بھی دلچسپ تھے، مستقل سلسلوں میں اس ماہ کا اقتباس، اس ماہ کی نظم اچھی لگی اور اشعار میں رابعہ منیر، نوشین مدثر، سباس گل کا انتخاب اچھا لگا، ردّا کی ڈائری میں حنا علی کی پسند اچھی لگی، ذرا پھر سے کہنا میں سباس گل، ایس امتیاز، اسلم جاوید کا کلام بے حد پسند آیا۔

حنا علی.....ملتان

السلام علیکم صالحہ آپی! کیسی ہیں آپ؟ خدا سے دعا ہے جہاں رہیں خیریت سے رہیں آمین! ردّا 241 کو ملا، ٹائٹل بہت ہی پیارا لگا، مجھے دل سے اچھا لگا اور ماڈل کا فیس بہت ہی معصوم اور کیوٹ تھا، گوشہ آگہی میں صالحہ آپی کی خوبصورت باتیں دل میں اتر گئیں، واقعی آج کا پاکستانی، پاکستانی کم سندھی، مہاجر، پنجابی زیادہ ہے، خدا کرے کہ ہم سب دل سے صرف پاکستانی بن کر اپنے ملک کے لیے کام کریں آمین! پھر باسط سبحانی سے ملاقات بہت دلچسپ رہی، ٹی وی کے برعکس عام زندگی میں ان کی سوچ اور انداز نے مجھے بے حد متاثر کیا، واقعی ہمارے ملک کو ایسے باصلاحیت نوجوانوں کی ضرورت ہے جو اپنے ملک کے لیے نیک جذبات رکھتے ہوں۔ ''رگ جاں سے جو قریب تھے'' جتنا خوبصورت نام اتنی خوبصورت تحریر، ہر بار یوں لگتا ہے کہ ہم لفظوں کے سحر میں جکڑ گئے ہوں اور خود کو اسی ماحول کا حصہ سمجھنے لگتے ہیں۔ اقراء چنہ کے ناول کا پلاٹ تو پرانا تھا، مگر پھر بھی ٹھیک لگا۔ رباب بخاری کافی ٹائم بعد ردّا میں شامل ہوئیں، مگران کا وہی انداز ہے ایک نو عمر لڑکی اور اس پر اس کے شوہر کے مظالم، پلیز رباب آپی! آپ اور موضوعات پر بھی لکھا کریں، آپ کے ناول کی زیادہ تر یہی تھیم ہوتی ہے، ناولٹ میں شفق پروین کی کاوش اچھی لگی اور افسانے بھی اچھے تھے، مستقل سلسلوں میں ردا کی ڈائری، اس ماہ میں، ذرا پھر سے کہنا میرے فیورٹ سلسلے ہیں، میری دعا ہے کہ ردّا اپنی کامیابی کا سفر جاری وساری رکھے آمین!

مسکان.....بہاولپور

السلام علیکم آپی! میں امید کرتی ہوں، آپ خیریت سے ہوں گی، مارچ کا شمارہ بے حد پسند آیا، ٹائٹل بہت خوبصورت لگا، ماڈل کا فیس بہت معصوم سا تھا، سب سے پہلے گوشہ آگہی پڑھا اور پھر باسط سبحانی کی سچی کھری باتیں، ہمیں بہت اچھی لگیں اور سچ تو یہ ہے کہ ان کے انٹرویو سے ان کا ایک بالکل الگ روپ ہمارے سامنے آیا، جس سے ہم بے خبر تھے۔ ''وہ جو رگ جاں سے قریب تھے'' ایک خوبصورت اور شاہکار ناول جس کے کردار بولتے سانس لیتے محسوس ہوتے ہیں۔ ''کبھی عشق ہو تو پتہ چلے'' خوبصورت جذبوں اور احساسات پر مبنی ناول، کبھی ان کہی کی الجھن لیے۔ ''کبھی کوک میرے دل کوک'' رشتوں کی الجھی سلجھی ڈور جہاں پیار بھی ہے اور الجھن کی آمیزش بھی۔ ''بند قبا کھلنے لگی جاناں'' رشتوں کی بھرمار اور محبت کی یلغار پڑھ کر مزہ آجاتا ہے۔ ''اس دل میں بسے ہو تم'' سمجھ نہیں آرہی کہ کس دل میں کون بسا ہے؟ ہر ایک ہی خود سے خفا اور الجھا ہوا ہے، ایک روشن امید ہی تو ہوتی ہے جو

انسان کو زندہ رکھتی ہے اور خوش بھی، یقیناً اس ناول کا اختتام بھی خوبصورت ہوگا۔ ''یوں عشق ہوا ساجن سے'' خوبصورت نام، خوبصورت تحریر۔ ردّا رائٹرز کی سب سے خوبصورت بات ہی یہ ہے کہ ہر ایک بہت پیار سے ہمارے لیے لکھتی ہیں اور ہمیں کبھی بھی بور نہیں ہونے دیتیں۔ مستقل سلسلوں میں اشعار، کچن، اس ماہ میں، خوشبو، ذرا پھر سے کہنا، میرے پسندیدہ سلسلے ہیں، سب لوگوں کے انتخاب بہت اچھے ہوتے ہیں، وہیں نیو شعراء کا کلام پڑھ کر مزہ آتا ہے، خدا ردّا کو یونہی چمکتا دمکتا رکھے آمین!

نوشین مدثر.....لاہور

السلام علیکم! ڈیئر صالحہ آپی! اور ردّا اسٹاف و قارئین کیا حال چال ہیں؟ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب لوگوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین! اور آپ ہمیشہ ہمارے لیے اسی طرح تحاریر لکھتی رہیں، میرا پسندیدہ ناول ''وہ جو رگ جاں سے قریب تھے''، ہے، پلیز آپی! اشمل کا رویہ ردی کے ساتھ اچھا کر دیں اور صبا کے دل میں بھی تھوڑا سا رحم ڈال دیں۔ ''کبھی عشق ہو تو پتہ چلے'' میں شازیہ آپی! اب اریشماء اور حمدان کی شادی ہو جانی چاہیے، اتنی دوری اور ناراضی ہمیں نہیں اچھی لگتی۔ اقراء چنہ کا مکمل ناول میں نوخیز شاہ جیسے پولیس آفیسر کو دیکھ کر ہمیں حیرت ہوئی، بی کوز ایسا رئیل میں تو ممکن نہیں کہ پولیس والے اتنے حساس اور دردمند دل رکھتے ہوں، رباب بخاری کے ناول کی ہیروئن ہمیشہ کی طرح مار کھاتی، روتی دھوتی تھی۔ ''کبھی کوک میرے دل کوک'' کا عارش مجھے بہت پسند ہے، وہیں عثمان کی شرارتیں اور جملے بازی کا جواب نہیں، ایسے ہی زندہ دل لوگ دوسروں کو بھی جینے کا حوصلہ دیتے ہیں۔ ''بند قبا کھلنے لگی جاناں'' ماہ کنعان کی بے اختیاری بہت حیران کن اور عجیب لگی، اتنا ہینڈسم بندہ کبھی بھی اتنا بے اختیار نہیں ہوتا کہ یوں کسی کے گھر میں اس طرح کی حرکت کرے، خیر! سعدیہ جی بہتر جانتی ہوں گی ماہ کنعان کی اس حرکت کی وجہ۔ ''اس دل میں بسے ہو تم'' مراد مجھے جتنا زہر لگتا ہے ناں، مجھے لگتا ہے اتنا مجھے زہر بھی زہر نہیں لگتا ہوگا، مدروش پر جو اس نے مظالم کی حد کی ہوئی ہے، غصے سے میرا خون کھولنے لگتا ہے، باقی ردّا کے مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح بیسٹ آف دی بیسٹ تھے۔

دھنک ناز.....کراچی

السلام علیکم آپی! اور اہل ردّا کو خلوص بھرا اسلام۔ مارچ کا شمارہ فروری کی 22 کو ملا، اتنی جلدی ردّا کے ملنے کی خوشی کوئی مجھ سے پوچھے۔ آپی! سرورق اس بار بہت پیارا تھا اور خاص کر ماڈل کا معصوم چہرہ مجھے بہت اچھا لگا۔ گوشہ آگہی ہمیشہ کی طرح دل میں اتر گیا۔ بس جی ہم سب مل کر اپنے پیارے ملک پاکستان کے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں کہ خدا اسے ہر بری نظر سے محفوظ رکھے اور ہم سب کو اپنی امان میں رکھے۔ باسط سبحانی سے ملاقات دلچسپ رہی اور ان کا جذبہ حب الوطنی قابل ستائش ہے۔ ''وہ جو رگ جاں سے قریب تھے'' خوبصورت ناول اور آپی کا خوبصورت انداز، سچ ایک سحر ہوتا ہے جو طاری ہو جاتا ہے، رومی کی بے بسی اکثر مجھے اداس کر دیتی ہے، شاید تبھی کہا جاتا ہے کہ والدین بیٹیوں سے نہیں ان کے نصیبوں سے ڈرتے ہیں کہ نجانے کیا لکھا ہو ''اک روشن دیا'' بھی اقراء چنہ کی ایک اچھی تحریر تھی، مگر باقی آئندہ کی وجہ سے میرا منہ اتر گیا۔ ''کبھی عشق ہو تو پتہ چلے'' میں تیمور کی اصلیت کا سب کو پتہ چل گیا، یہ ایک اچھا بریک تھرو ہوا، اس بار اور مجھے لگتا ہے آنے والے دنوں میں حمدان کو اس کا شوروم بھی مل جائے گا اور اس کا احساس کم مائیگی بھی ختم ہو جائے گا۔ ''کبھی کوک میرے دل کوک'' خرمن، عارش اور عثمان تینوں مجھے بہت اچھے لگتے ہیں اور خاص کر عارش کا سنجیدہ اور بردبار انداز بہت ہی اعلیٰ ہے، کاش! ایسے ہی ہمارے ملک کے نوجوان ہو جائیں، تعلیم کی اہمیت کو سمجھیں اور گھر والوں کی کیئر کرنا اسٹارٹ کر دیں، آج کل اس چیز کا فقدان ہو گیا ہے، ہمارے معاشرے میں، ہر ایک کو صرف اپنی پڑی ہوئی ہے۔ رباب بخاری کا ناول بس ٹھیک لگا، سعدیہ عابد اور انعم خان کے ناولز کی رفتار ایک جیسی ہی تھی، انعم آپی سے صرف اتنا کہنا ہے کہ علی اور مستبشرہ کے بیچ کی غلط

فہمیاں کب ختم ہوں گی؟ اور حنین صاحبہ کب بڑی ہوں گی، سعدیہ جی؟ مستقل سلسلوں کے تو کیا کہنے، اس ماہ میں، اس ماہ کا اقتباس، اس ماہ کی حکایت، خوشبو میں سب کا انتخاب لاجواب تھا، کچن اس بار بھی زبردست تھا، اتنے لمبے سندیسے کے ساتھ اجازت! زندگی رہی تو پھر اس خوبصورت محفل میں شامل ہوں گی۔ میری دعا ہے کہ رِدا یونہی اپنا کامیابی کا سفر جاری رکھے (آمین!)۔

افشاں علی........................ کراچی

چاہتوں اور پرخلوص دعاؤں کے خمیر سے بنا سلام الفت دل کی گہرائیوں سے افشاں کی جانب سے قبول ہو۔ دلہن کی طرح سجا سنورا مارچ کا شمارہ جب ہاتھوں کی زینت بنا تو گویا دنیا سے لاتعلق سی ہوگئی، مستقل سلسلے گوشہ آگہی سے لے کر کچن تک ہر بار اعلیٰ سے اعلیٰ تر ہی ہوتے ہیں، پر اس بار ملاقات کا سلسلہ بھی شامل رہا، اس نئے سلسلے کی شروعات کے لیے شکریہ۔ میں چاہوں گی یہ سلسلہ بھی مستقل سلسلوں میں شامل ہوجائے۔ "رگ جاں سے جو قریب تھے" آج کل ایک غلط فہمی اور سوچی سمجھی سازش کے تحت دور ہوتے نظر آرہے ہیں، رومی اور اشمل کا یوں دور دور رہنا تکلیف دیتا ہے، بس اب جلدی ان کے ملن کی گھڑی بھی آجائے۔ "اک روشن دیا" شروعات میں تو بہت روشن رہا۔ "اعتبار" مختصر مگر پراثر تحریر رہی "تم بن زیست اکیلی ہوگئی تھی" بھی بہت عمدہ تحریر رہی۔ باقی سب تحریریں بھی بہت عمدہ مہکتی ہوئی ملیں۔ ہر بار بہت سی نئی نئی رائٹرز منظر پر اپنی تحریروں کے ساتھ ابھر رہی ہیں اور بہتر سے بہتر لکھنے کی کوشش میں مگن ہیں اور ان کی کوششیں صالحہ اپیا! آپ ہی کی بدولت سرخرو ہوتی ہیں اس لیے میری طرف سے بہت سارا تھینکس قبول ہو۔ بہت ساری دعاؤں کے ساتھ اب اجازت۔ انشاء اللہ بہت جلد کسی نئی تحریر اور سندیسے کے ساتھ اس امید پر حاضر ہوں گی کہ قبول اشاعت ضرور ہوگا۔

بدہ سین........................ ملتان

السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی، اللہ پاک آپ کو ہر دکھ اور تکلیف سے ہمیشہ دور رکھے (آمین)۔ کافی عرصے بعد آپ سے بذریعہ خط مخاطب ہوں اور رِدا میں کئی ماہ سے کوئی رابطہ نہ کرسکی، اس کے لیے معذرت۔ دراصل فیملی میں بہت سی الجھنیں تھیں اور کئی صدمے بھی ان دو تین ماہ میں فیملی میں ہوئے، پہلے تائی اماں کی ڈیتھ اور ان کے کچھ دن کے بعد میری مدر ان لاء کی ڈیتھ نے سارے خاندان کو بری طرح سے بکھیر ادیا تھا، بس سنبھلتے سنبھلتے کافی دن لگ گئے، عرصہ دراز کے بعد ایک نظم لکھی ہے وہ بھی بھیج رہی ہوں۔ اینڈ میں میری طرف سے رِدا کے تمام اسٹاف، تمام رائٹرز اور ریڈرز کے لیے بہت سا سلام اور بیسٹ وشز۔ اللہ رب العزت رِدا کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور رِدا سے ہمارا رشتہ ہمیشہ قائم رکھے، آمین!

ثوبیہ ملک........................ کراچی

السلام علیکم! کیسی ہیں آپ آپی جان! امید ہے کہ حال چال ٹھیک ہوں گے جناب کے، ہمیں کہیں بھول تو نہیں گئیں، اگر ایسا ہے بھی تو جلدی سے دوبارہ اپنے دل کا دروازہ وا کریں اب ہم آپ کے دل میں جگہ بنا کر ہی جائیں گے، تو جناب اب بات کی جائے اپنے رِدا کی تو ہمیشہ کی طرف اس بار بھی خوب تھا، اگر یہ کہا جائے کہ پہلے نمبر پر رہا تو غلط نہ ہوگا۔ سب سے پہلے "رگ جاں سے جو قریب تھے" تو ویلڈن! کیا بات ہے، جیسے جیسے آگے بڑھتا جارہا ہے ویسے ہی دلچسپ ہوتا جارہا ہے، شازیہ جی! کیا بات ہے آپ کی بھی۔ اب بے چارے حمدان پر رحم کریں کچھ تو خیال کریں نا۔ اور انعم خان کے ناول نے ایک نیا موڑ لیا ہے اور باقی تو سارے سلسلے ہی زبردست تھے، باقی سب نے بھی خوب لکھا ہے، یعنی مارچ کا پورا شمارہ ہی بہترین تھا، میری دعا ہے کہ رِدا یوں ہی ترقی کی منازل طے کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ نمبرون پر رکھے (آمین)۔ صالحہ آپی! خیال رکھیے گا کیونکہ آپ خوش رہیں گی تو سب خوش رہیں گے، خاص طور پر تو ہمارا رِدا، اللہ حافظ!

☆.........☆.........☆

گوشۂ چشم

راجکماری سارہ احسان........................ بہاولپور

سوئیٹ سارہ! آپ کی نظم اور اسٹوری ہمیں موصول ہوگئی ہے، آپ کی نظم اس ماہ شامل ہے اور اسٹوری کے لیے آپ رِدا میں فون کرلیں، آپ کو "رِدا گائیڈ کارنر" سے آپ کی تحریر کے متعلق معلوم ہوجائے گا۔

جیا قریشی........................ کراچی

سوئیٹ جیا! آپ کا سیکنڈ ناول ہمیں موصول ہوگیا ہے اور انشاء اللہ جلد ہی وہ شامل اشاعت ہوگا، آپ کی پریشانی کا ہمیں اندازہ ہے، ناول سے متعلق تبھی ہم آپ کو اس کالم میں آگاہ کررہے ہیں۔

افشاں علی........................ کراچی

مائی ڈیئر اینڈ لولی افشاں علی! آپ کا دعاؤں اور خلوص سے بھرا سندیسہ ملا اور ساتھ ناول بھی، انشاء اللہ قریبی اشاعت میں شامل ہوگا، بس کچھ انتظار اور.... ہمیں یقین ہے کہ آپ رِدا کے ساتھ یونہی اپنا سفر جاری رکھیں گی، اپنا بہت خیال رکھیے گا۔

لبنیٰ خالد........................ فیصل آباد

سوئیٹ لبنیٰ! ہم آپ کو سندیسے کی محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں اور آپ کو سندیسے کی محفل میں اپنا سندیسہ دیکھ کر یہ یقین ہوگیا ہوگا کہ رِدا واقعی اپنے چاہنے والوں کا خیال رکھتا ہے، ہمیں یقین ہے کہ اب آپ رِدا میں شامل ہوتی رہیں گی کہ رِدا آپ کا اپنا رِدا ہے۔

رضوانہ آفتاب........................ کراچی

مائی سوئیٹ رضوانہ آفتاب! آپ کی دعاؤں کا بے حد شکریہ اور رِدا کا یہ وعدہ ہے کہ وہ نیو رائٹرز کو ضرور موقع دیتا ہے، رِدا آپ کا اپنا ہے اور ہمیں یقین ہے آپ رِدا کے ساتھ اپنا سفر یونہی جاری رکھیں گی، اپنا بہت خیال رکھیے گا۔

سیدہ امبر ہاشمی........................ کراچی

سوئیٹ امبر! کافی دنوں بعد آپ کی رِدا میں آمد اچھی لگی اور ہمیں یہ جان کر اچھا لگا کہ مصروفیت کے باوجود آپ نے رِدا کا مطالعہ جاری رکھا، ساری رائٹرز تک آپ کی تعریف یقیناً پہنچ گئی ہوگی۔

نئی لکھنے والی تمام رائٹرز سے التماس

☆ بھیجی جانے والی تحاریر خوشخط انداز میں لکھیں۔
☆ ہمیشہ اپنی تحریر ایک لائن چھوڑ کر لکھیں۔
☆ قسط وار کے لیے اجازت لینا ضروری ہے۔
☆ نئی لکھنے والی رائٹرز پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ کی طرف آئیں۔
☆ اپنی تحریر کے آخری صفحے پر اپنا مکمل نام پتہ تحریر کریں۔
☆ فوٹو اسٹیٹ تحریر قابل قبول نہیں ہوگی۔

ہم سے ملیے

نور بانو.............................کوئٹہ

السلام علیکم آپی! آپ کا پیغام ملا، خوشی سے میں پھولے نہیں سما رہی ہوں، اس وقت میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا لکھوں، اتنی محبت، اتنی اپنائیت کہ میں اس کالم میں سب سے پہلے لکھوں، وجہ یہ صرف جان کر اور محبت دل میں بڑھ گئی ہے کہ میں ہمیشہ سندیسے میں شامل ہوتی ہوں، لیکن آپی! آپ بھی تو ایک سندیسے کے بدلے میں ہمیشہ ڈاک سے رِدا بھیج دیتی ہیں۔ محبت تو آپ کی ہے، میرا اس میں کیا؟ آپی، آپی، آپی! سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں اپنے بارے میں کیا لکھوں، میں نور بانو، قارئین! کوئٹہ سے میں ہمیشہ سندیسہ لکھتی ہوں، میرا تعلق کوئٹہ سے، عمر 25 سال اور گریجویٹ ہوں۔ مقامی اسکول میں، میں آرٹ ٹیچر ہوں، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں رِدا کی قاری ہوں، پڑھنے کا مجھے بے حد شوق ہے، رنگ بھرنا اور کتابیں پڑھنا ہی میرا شوق ہے، ماں کی میں بے حد لاڈلی ہوں، ابو کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتی، اس لیے کہ وہ ملک سے باہر رہتے ہیں اور دنیا میں آکر جب میں نے آنکھ کھولی تو ایک حیرت کی بات بتادوں کہ میں نے ابو کو کبھی نہیں دیکھا، امی کہتی ہیں کہ ابو نے بس ایک دو بار مجھے دیکھا ہے، ہم تین بہنیں ایک بھائی ہیں، سب سے چھوٹی میں ہوں، گریجویشن کے بعد میں نے پڑھائی چھوڑ دی اور سب سے بڑا میرا مشغلہ آرٹ ٹیچنگ اور ماں کی دیکھ بھال ہے، امی میری بیمار رہتی ہیں، اس لیے میں زیادہ تر وقت ان کے ساتھ ہی گزارتی ہوں، نارمل صورت شکل کی ہوں، حجاب لیتی ہوں، 5 فٹ چار انچ میرا قد ہے، لاغر اور کمزور سی بہت ہوں، رنگ میرا وائٹش یعنی گندمی ہے، مادری زبان میری پشتو ہے، اردو سے مجھے عشق ہے، کراچی مجھے پسند ہے، کیونکہ ہمارا رِدا کراچی سے نکلتا ہے اور یہ بات تو تاریخ میں لکھی جائے گی کہ نور بانو کا سب سے پہلا انٹرویو رِدا میں آیا تھا، آپی! رِدا نے نام دیا اور جینے کا ہنر سکھایا، اس کی تمام رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں اور میں نے سب سے کچھ نہ کچھ سیکھا ہی ہے، مجھے کھانے میں بریانی، چکن جلفریزی، امی کے ہاتھ کی بہت پسند ہے، میٹھے میں کھیر، فیرنی اور آئسکریم ہر موسم میں کھانا مجھے بے حد پسند ہے، بارش سے مجھے عشق ہے اور چاندنی رات میں چاند کو تکنا بھی بے حد پسند ہے، ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی ہر سُو اپنی روشنی بکھیر رہی ہوتی ہے اور عجب ایک سکون آور کیفیت ہوتی ہے، میوزک مجھے سلو پسند ہے، ویسے موڈ اگر شوخ یا خوشگوار ہو تو فاسٹ میوزک بھی انجوائے کرتی ہوں، خوشی کے لمحات سیلیبریٹ کرنا اچھا لگتا ہے، میں اپنی فرینڈز اور فیملی ممبرز کی برتھ ڈے کبھی نہیں بھولتی، خامی یہ ہے کہ حد سے زیادہ حساس ہوں، ہر چھوٹی سی بات دل پر اثر انداز ہوتی ہے اور پھر میں پہروں اس پر سوچتی رہتی ہوں، لوگوں پر جلدی بھروسہ کرلیتی ہوں اور اکثر دکھ ہی ملتا ہے، اب کوشش کر رہی ہوں اپنی اس عادت پر قابو پالوں، شاعری میری کمزوری ہے، مجھے ہر اچھا شعر اور شاعر متاثر کرتا ہے۔ فیض، امجد اسلام امجد اور محسن نقوی آل ٹائم میرے فیوریٹ ہیں۔ لوگوں سے ملنا، باتیں کرنا بھی بہت اچھا لگتا ہے، میں اپنی ہر پریشانی میں نماز کے ذریعے اپنے ربّ سے دعا مانگتی ہوں اور خدا بڑا غفور الرحیم ہے وہ میری سنتا بھی ہے، میرا تعارف کچھ طویل ہوگیا، ظاہر ہے اپنوں سے ملنا اور باتیں کرنا کسے اچھا نہیں لگے گا؟ اور رِدا میرا اپنا رِدا ہے اور آپ سب میرے اپنے، تو بتائیے گا ضرور، آپ کو مجھ سے ملنا کیسا لگا؟ مجھے انتظار رہے گا، فی امان اللہ!

حنا شاہ.............................سیالکوٹ

السلام علیکم! تمام قارئین رِدا اور رِدا کی تمام ٹیم کو بہت سارا سلام! کیسے ہیں آپ سب؟ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنے امان میں رکھے (آمین!)۔ ہاں جی تو آپ سب سوچ رہے ہوں گے کہ یہ کون ہے جو آتے ہی ہمارا حال چال پوچھنے لگ گئی، تو چلیں جی، ہم اپنا تعارف خود کروائے دیتے ہیں، بس ذرا دل تھام کے سنیے گا۔ میرا تعلق سیالکوٹ سے ہے جسے کئی حوالوں سے اہمیت حاصل ہے، شاعر مشرق علامہ اقبال کا بھی یہی شہر ہے اور ان کا مقبرہ بھی ہمارے ہی شہر میں ہے جس پر ہم اور ہمارے شہر کے لوگ فخر کرتے ہیں۔ میری تعلیم گریجویشن ہے اور ایک اسکول میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہی ہوں، میرے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اور میں تھرڈ ون ہوں، میری بہت سی فرینڈز ہیں وجہ میری خوش مزاجی اور زندہ دلی ہے، مجھے رِدا بہت پسند ہے، میں ہر ماہ کے رِدا کو دو سے 3 بار پڑھتی ہوں جب تک کہ اگلا رِدا نہ آجائے، مجھ میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی ہیں، یہ تو عام سی بات ہے کیونکہ اس دنیا میں کوئی بھی انسان ایسا نہیں جس میں خوبی خامی نہ ہو، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو سب میں خوبیاں ہوتیں، خامیاں نہ ہوتیں۔ مجھے دوست بنانا پسند ہے، مہمان نواز ہوں، لوگوں کی عزت اور قدر کرنا جانتی ہوں، مجھے کوکنگ کا بے حد شوق ہے اور مزے مزے کے کھانے سب کو کھلا کر خوب واہ واہ سمیٹتی ہوں، مجھے شاعری بہت پسند ہے، پسندیدہ شعراء میں محسن نقوی، فیض، اعتبار ساجد، فرحت عباس شاہ میرے آل ٹائم فیوریٹ ہیں، میوزک مجھے سوفٹ پسند ہے، راحت علی خاں، سونو نگم مجھے بے حد پسند ہیں، خامیوں میں بہت جلدی دوسروں پر بھروسہ کرلیتی ہوں اور میری اسی عادت نے مجھے بہت دکھ دیئے ہیں، مگر یہ بھی ہوا کہ اپنی اس خامی کی بدولت بہت سے ایسے لوگوں کے مجھے اصل چہرے نظر آگئے جنہیں میں اپنا سمجھتی تھی اور جن پر مجھے بہت مان تھا، بقول شاعر:

دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

یہ بات مجھے بہت لیٹ سمجھ آئی، دوسری خامی جس پر میں چاہ کر بھی قابو نہیں کر پاتی وہ ہے رونا، میں حد سے زیادہ حساس ہوں اور فی زمانہ یہ خامی ہی ہے کہ ہر دکھ پر آنکھیں بھیگ جائیں اور پہروں ہم اداس رہیں)، مجھے لوگوں کے رویے اکثر دکھی کردیتے ہیں۔ چلیں جی، بہت خامیاں ہوگئیں، اب کچھ لائٹ بات ہوجائے تو مجھے بارش بہت پسند ہے، مگر اس میں بھیگنا نہیں سونا، ہے ناں عجیب بات، مگر ایسا ہی ہے، ادھر بادل گھر آئے، ادھر ہم سونے لیٹ گئے ہاہاہاہا! اب آخر میں صرف اتنا کہوں گی کہ اپنی سوچ کو مثبت رکھیں، سب ٹھیک ہوگا۔ منفی سوچ ہمیں دکھ کے سوا کچھ نہیں دیتی، اپنے سے وابستہ لوگوں کا بہت خیال رکھیں کہ زندگی کا حسن اپنوں کے سنگ ہے، ڈیئر قارئین! بتایئے گا ضرور کہ آپ کو مجھ سے ملنا کیسا لگا؟ مجھے تو آپ سب سے باتیں کرنا بہت اچھا لگا، اب اجازت چاہوں گی، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے امان میں رکھے (آمین!)

☆............☆............☆

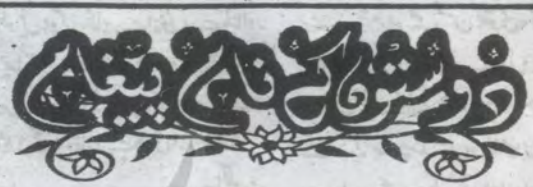

دوستوں کے نام پیغام

صالحہ آپی کے نام

سوئیٹ، لولی اور خوبصورت لہجے والی صالحہ آپی کے نام میرا یہ پیغام ہے کہ آپ جتنا پیارا لکھتی ہیں اس سے کئی زیادہ آپ کی شخصیت متاثر کن اور انسان دوست ہے، آپ کا گوشہ آگہی کا سلسلہ میرا سب سے فیوریٹ ہے کہ ہر بار پڑھ کر یوں لگتا ہے کہ آپ نے جینے کا کوئی اسم پھونکا ہو۔ وہیں آپ کے ناول کے کردار اور ان کے بول چال کا سادہ اور عام فہم انداز دل کو بھاتا ہے، میری اور میری تمام سسٹرز کی آپ فیوریٹ ہیں، میری دعا ہے کہ آپ یوں ہی ہم لوگوں کے لیے لکھتی رہیں اور زندگی کے شعور دیتی رہیں، اپنا بہت خیال رکھیئے گا۔

عظمیٰ عتیق......فیصل آباد

سوئیٹ ٹیچر رخشندہ فاطمہ کے نام

السلام علیکم! مائی لولی ٹیچر! آپ کو ایک خوبصورت سرپرائز دے رہی ہوں، آپ کی برتھ ڈے اپریل میں ہوتی ہے، اس لیے میں آپ کو ردا کے ذریعے وش کر رہی ہوں "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، این مینی مینی ریٹرن آف دا ڈے" میری دعا ہے کہ آپ ہزاروں سال جیو اور سدا خوش رہو (آمین۔ آپ کے لیے میرا لکھا ہوا ایک شعر:

کتنا اچھا اس کا لہجہ تھا
اچھا لگتا تھا ڈانٹنا اس کا
کیا بتاؤں کیا قیامت تھی
ہونٹ دانتوں سے کاٹنا اس کا

آپ کی سرپھری شاگرد سارہ احسان اینڈ اللہ حافظ!

سارہ احسان......بہاولپور

کیوٹ اینڈ لولی فرینڈ اقراء چنہ کے نام

سب سے پہلے السلام علیکم! امید ہے تم خیریت سے ہوگی، ڈھیر سارا پیار اور ڈھیر ساری دعائیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہر اس خوشی سے نوازے جس کی تم حقدار ہو۔ میری دعا ہے تم ہمیشہ مسکراتی، خوش رہو، کبھی دکھ نہ دیکھو، جو چاہو وہ تمہیں حاصل ہو۔ اس 26 کو تمہاری سالگرہ ہے، تمہیں ایڈوانس میں مبارکباد!

"Many Many Happy Returns of the day, Happy birth day to you, Happy birth day Iqra, my u live long, God Bless You"

دعاؤں میں یاد رکھنا۔

صائمہ نذر......کراچی

حنا بھابی اور عمران بھائی کے نام

السلام علیکم! مائی بیگر برادر اور مائی لولی اینڈ کیوٹ بھابی حنا! کیسے ہیں آپ دونوں؟ امید ہے آپ لوگ ٹھیک ہوں گے، اپریل میں آپ دونوں کی منگنی کو سال ہو جائے گا، میں نے سوچا ردا کے ذریعے منگنی کی مبارکباد دی جائے، کیسا لگا یہ سرپرائز آپ دونوں کو؟ میں رب تعالیٰ سے آپ دونوں کی خوشیوں، زندگی کی پرمسرت مسکراہٹوں اور نیک خواہشات کی تکمیل کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا کرتی ہوں، دعاگو، آپ کی اپنی آپی!

اقراء خان......کراچی

نائلہ طارق اور شازیہ مصطفیٰ کے نام

مسکراتی سدا تیری حیات رہے
تیرے قدموں میں ساری کائنات رہے
کبھی غم نہ آئے زندگی میں تیری
خوشی اور تیرا عمر بھر کا ساتھ رہے

نور بانو......کوئٹہ

پیاری سونیا کے نام

السلام علیکم میڈم سونیا جی! کیسی ہو، اوہو یار! منہ تو بند کرلو، مدیحہ والی عادت تم نے بھی اپنالی، میری طرف سے تمہیں تمہاری سالگرہ کی بہت زیادہ مبارک ہو۔

"Many many Happy Birthday Dear Sonia!"

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمہیں ایسی ہزاروں خوشیوں بھری سالگریں منانا نصیب کرے، اور تمہیں ہمیشہ خوش رکھے (آمین)

سائرہ شاہین کوٹڈی، ٹوبہ ٹیک سنگھ

مسز رضوان کے نام

کبھی ان کا نام لینا ☆ کبھی دن چڑھے سسکنا
کبھی ان کی بات کرنا ☆ کبھی دریا دریا رہنا
میرا ذوق ان کی چاہت ☆ کبھی بوند کو ترسنا
میرا شوق ان پر مرنا ☆ رہا عشق سے ہمیشہ
کبھی چلتے چلتے تھمنا ☆ کوئی واسطہ ہی اپنا
اور تھم کر بیٹھ جانا ☆ یہی زندگی ہے اپنی
کبھی لڑکھڑا کر گرنا ☆ یہی راستہ ہے اپنا
اور گر کر پھر سنبھلنا ☆ وہی منزلیں ہیں اپنی
کبھی رات رات رونا ☆ اسی سے واسطہ ہے اپنا

محمد رضوان......کراچی

سمیرا کاظمی کے نام

ڈیئر سمیرا! تم سے اس بے وفائی کی امید مجھے نہیں تھی کہ تم یوں بھولو گی جیسے ہم کبھی ملے نہ تھے، مانا کہ شادی کے بعد لائف چینج ہو جاتی ہے، مگر پھر بھی دوستوں کو انسان بھول تو نہیں جاتا ناں، یار! تم نے تو کانٹیکٹ کرنا ہی چھوڑ دیا اور میں بھی کتنے میسج تمہیں کرتی ہوں اور تمہارا روکھا پھیکا جواب آتا ہے کہ ہاں ٹھیک ہوں، وہ بھی کئی کئی دن بعد۔ پلیز یار! اگر کوئی پریشانی ہے تو شیئر کرلو اور دوست ہوتے کس لیے ہیں؟ اسی لیے کہ ہم ان سے اپنے دل کی باتیں شیئر کر سکیں، میری دعا ہے کہ تم سدا خوش اور آباد رہو اپنے گھر، اور کوئی دکھ پریشانی تمہیں چھو کر بھی نہ گزرے۔

سدرہ مغل......لاہور

کسی اپنے کے نام

ہم بہت سے لوگوں سے زندگی میں ملتے ہیں، مگر ان میں سے کچھ لوگ حاصل زیست بن جاتے ہیں اور ہم سمجھنے لگتے ہیں کہ ان کے بناء زندگی ادھوری اور نامکمل ہے، مگر وہی لوگ جب چپکے سے بنا کچھ بتائے ہماری زندگی سے نکل جاتے ہیں اور ہمیں تنہا اور اکیلا کر جاتے ہیں، تب دراصل پتہ چلتا ہے کہ ہم جسے حاصل زیست سمجھتے تھے دراصل ان کی زندگی میں تو ایک پل کے بھی ہم مہمان نہ تھے، نجانے ایسا کیوں ہوتا ہے کہ مخلص لوگوں کو اکثر بے حس لوگ ملتے ہیں جو احساسات و جذبات کی قدر نہیں جانتے اور دل کے تار بھی ایسے انسان سے جڑتے ہیں جن کا دل ہمارے لیے نہیں ہوتا، مگر پھر بھی میری دعا ہے کہ وہ لوگ جو دل کے مکین بن کر بچھڑ گئے جہاں رہیں خوش رہیں۔

شائلہ ملک......کراچی

☆..........☆..........☆

ثریا اقبال

کچن گ

ماش دال گوشت

اجزاء:

بکرے کا گوشت: 400 گرام
ماش کی دال: 120 گرام
پیاز (باریک کٹی ہوئی): 1 عدد
ٹماٹر: 2 عدد
پسی ہوئی لال مرچ: 1 چائے کا چمچ
پسا ہوا گرم مصالحہ: 1 چائے کا چمچ
ہری مرچیں (باریک کٹی ہوئی): 4 عدد
ادرک (چوپ کی ہوئی): 1 کھانے کا چمچ
ثابت گرم مصالحہ: 1 کھانے کا چمچ
پسی ہوئی ہلدی: 1/2 چائے کا چمچ
لہسن (چوپ کیا ہوا): 2 چائے کے چمچ
نمک: 1 چائے کے چمچ
تیل: 1/4 پیالی

سجانے کیلئے:

ادرک (باریک کٹی ہوئی): حسب ضرورت
ابلے ہوئے انڈے (درمیان سے کاٹ لیں): حسب ضرورت
ہری مرچیں (باریک کٹی ہوئی): حسب ضرورت
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا): حسب ضرورت

ترکیب: دال دھو کر ایک گھنٹے کیلئے بھگو دیں پھر پانی اور ہلدی ڈال کر ابالیں۔ جب ایک کنی رہ جائے تو پانی چھان کر رکھ لیں۔

ایک دیگچی میں گوشت، پیاز، لہسن، نمک، لال مرچ، گرم مصالحہ اور پانی ڈال کر گوشت گلا لیں۔ جب گوشت گل جائے اور پانی خشک ہو جائے تو تیل اور ٹماٹر شامل کر کے بھونیں۔

تیل اوپر آ جائے تو دال، ہری مرچیں، ادرک اور 1/4 پیالی پانی ڈال کر دم دے دیں۔

مزیدار دال گوشت ڈش میں نکالیں اور ہرا دھنیا، ادرک، ہری مرچیں اور ابلے انڈوں سے سجا کر پیش کریں۔

مرچوں والی مرغی

اجزاء:

مرغی (بغیر ہڈی): 1/2 کلو
شملہ مرچ (باریک کٹی ہوئی): 1 عدد
پیاز (باریک کٹی ہوئی): 1 عدد
ٹماٹر (باریک کٹا ہوا): 1 عدد
ہری مرچیں (باریک کٹی ہوئی): 4 عدد
کھانے کا نارنگی رنگ: 1 چٹکی
پسی ہوئی لال مرچ: 1 چائے کا چمچ
بھنا ہوا پسا ہوا سفید زیرہ: 1 چائے کا چمچ
پسا ہوا لہسن ادرک: 1 چائے کا چمچ
کٹی ہوئی لال مرچ: 1 چائے کا چمچ
کٹی ہوئی کالی مرچ: 1 چائے کا چمچ
چکن تکہ مصالحہ: 1 کھانے کا چمچ
پسا ہوا گرم مصالحہ: 1/2 چائے کا چمچ
ادرک (باریک کٹی ہوئی): 2 کھانے کے چمچ
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا): 2 کھانے کے چمچ
دہی: 2 کھانے کے چمچ
لیموں کا رس: 5 کھانے کے چمچ
نمک: 1 چائے کا چمچ
مکھن: 50 گرام

ترکیب: ایک پیالے میں مرغی کے ٹکڑے، نمک، لال مرچ، کالی مرچ، گرم مصالحہ، ادرک لہسن، زیرہ، چکن تکہ مصالحہ اور دہی ملا کر رکھ دیں۔

2 کھانے کے چمچے لیموں کا رس اور کھانے کا رنگ شامل کر کے مزید 15 منٹ کیلئے رکھ دیں۔ دیگچی میں تیل گرم کر کے مرغی کے ٹکڑے آمیزے سمیت شامل کر کے بھونیں اور کوئلے کا دم دیں۔

علیحدہ دیگچی میں مکھن گرم کر کے پیاز سنہری کریں، پھر ٹماٹر اور شملہ مرچ ڈال کر 2 منٹ بھونیں۔

ادرک، ہری مرچ، کٹی ہوئی کالی مرچ اور کٹی ہوئی لال مرچ تیار مرغی میں ڈال کر باقی لیموں کا رس اور ہرا دھنیا ملائیں اور پیش کریں۔

بھاپ والی مرغی

اجزاء:

مرغی کا گوشت: 1/2 کلو
لیموں کا عرق: 1 چائے کا چمچ
سبز پیاز (باریک کٹی ہوئی): 2 عدد
گاجر (باریک کٹی ہوئی): 1 کپ
سویا ساس: 1 چائے کا چمچ
ساگ کے پتے: 1/2 کپ
تیل: 2 چائے کے چمچ
نمک: 1 چائے کا چمچ
کالی مرچ: 1 چائے کا چمچ

ترکیب: مرغی کے ٹکڑوں کو سویا ساس، نمک، کالی مرچ اور لیموں کے عرق کے ساتھ مکس کر کے ایک گھنٹے کیلئے ڈھک کر رکھ دیں۔

اب ایک پیالے میں سبز پیاز، گاجر اچھی طرح آپس میں ملا لیں اور تھوڑا سا سویا ساس بھی شامل کر لیں۔ ایک گھنٹے بعد ساگ کے بڑے پتوں کو ایک ڈش میں پھیلائیں، اب ایک بڑے پتے پر مرغی کا گوشت رکھیں، تھوڑی سی گاجر اور سبز پیاز رکھیں پھر دوسرا مرغی کا ٹکڑا اس پر رکھ دیں۔ اب ساگ کے پتے کو اس طرح اچھی طرح لپیٹیں کہ اس کے اندر مرغی کا گوشت اور سلاد اچھی طرح بند ہو جائے۔ لپیٹنے کے بعد ساگ کے پتوں کو چاروں طرف دھاگا لپیٹ دیں۔ اس طرح تمام ساگ کے پتے اور مرغی کے گوشت کے پیکٹ تیار کر لیں۔ ایک دیگچی میں پانی کھولائیں اور ساگ کے پتوں کے پیکٹ کو دیگچی میں ڈالیں اور اوپر سے ڈھک دیں۔ 20 سے 25 منٹ بعد ساگ کے بند پیکٹوں کو چمٹے کی مدد سے دیگچی سے نکال دیں۔

ایک فرائی پین میں ہلکا سا تیل گرم کریں اور اس میں ساگ کے پیکٹوں کو ایک سے دو منٹ فرائی کر لیں۔ فرائی کرنے سے پہلے تمام پانی خشک کر لیجیے گا۔

اب ایک ڈش میں ساگ کے پیکٹ رکھیں اور تیز چھری کی مدد سے انہیں اس طرح کاٹیں کہ اندر تک ساگ کے پتے مرغی کے گوشت کے ساتھ قتلوں کی طرح کٹ جائیں۔ اب ٹماٹو کیچپ کے ساتھ نوش فرمائیں۔

سپر رائس

اجزاء:

چاول: 2 کپ
سویا ساس: 1 چائے کا چمچ
چلی ساس: 1/4 چائے کا چمچ
تیل: 1 کپ
لہسن پیسٹ: 1/2 چائے کا چمچ
ٹماٹو کیچپ: 1/2 کپ
چینی: 1 چائے کا چمچ
نمک: حسب ذائقہ
سرکہ: 1 چائے کا چمچ
گاجر (چھوٹے ٹکڑے): 2 عدد
ہری پیاز (باریک): 1/4 کپ
ہری مرچ (لمبائی میں کاٹ لیں): 3 عدد

ترکیب: چاولوں کو نمک اور سرکہ ڈال کر ابال لیں۔ ایک پین میں تیل ڈالیں گرم ہو تو لہسن کا پیسٹ ڈالیں، ہلکا بھون کر سویا ساس، چلی ساس، کیچپ، نمک، چینی ملا کر تھوڑا بھونیں۔ ساتھ ہی سبزیاں ملا کر اسٹرا فرائی کریں پھر چاول ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور ہاٹ چکن جنجر کے ساتھ سرو کریں۔

کڑاہی پنیر

اجزاء:

پنیر: 250 گرام
شملہ مرچ (باریک): 50 گرام
پسا ہوا لہسن: 1 کھانے کا چمچ
ادرک (چوپ کیا ہوا): 1 کھانے کا چمچ
پسی ہوئی لال مرچ: 1 کھانے کا چمچ
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا): 1 چائے کا چمچ، سجانے کیلئے
قصوری میتھی: 1/3 چائے کا چمچ
ہری مرچ (چوپ کی ہوئی): 1 چائے کا چمچ
ٹماٹر (باریک کٹے ہوئے): 2 عدد
نمک: حسب ذائقہ
گھی: 1 کھانے کا چمچ

ترکیب: پنیر کے چوکور ٹکڑے کاٹ لیں۔ ایک پیالے میں ایک چائے کا چمچ ہرا دھنیا اور لال مرچ ملا لیں۔ دیگچی میں گھی گرم کریں اور اس میں لہسن ڈال کر 30 سیکنڈ تک پکائیں پھر شملہ مرچ اور ادرک ڈال کر بھون لیں۔ اس میں ٹماٹر ڈال کر گھی اوپر آنے تک پکائیں پھر میتھی، نمک اور لال مرچ والا آمیزہ ڈال کر بھونیں۔ دیگچی میں پنیر شامل کر کے چند منٹ تک دم پر رکھیں اور ہرا دھنیا چھڑک کر گرما گرم پیش کریں۔

☆☆☆

شہلا مشائق

سنگھار

تلوں کا خاتمہ

تلوں کو ختم کرنے کے لیے کھٹی لسی سے روزانہ چہرے کو خوب زور زور سے مل کر دھونا چاہیے، اس سے بھورے رنگ کے تل ہلکے ہو جاتے ہیں یا پھر خالص گلیسرین لے کر عرق گلاب میں ملا کر چہرے پر آہستہ آہستہ ملتی رہیں، ایک گھنٹے کے بعد تازہ پانی سے چہرے کو دھو لیں اس سے بھی بھورے رنگ کے تل ختم ہو جاتے ہیں۔

سیاہ گردن کو گورا بنایئے

سیاہ گردن کو سفید کرنے کے لیے ایک گولی Becerd صبح و شام دودھ کے ساتھ استعمال کریں اور ایک گولی Rovigon صبح و شام چبا کر کھائیں، اس سے آپ کی سیاہ گردن کی رنگت سفید ہو جائے گی۔

جھریوں کا خاتمہ

چہرے پر پھیلی ہوئی جھریوں کے خاتمے کے لیے چہرے پر انڈے کی سفیدی مل لیں اور پانچ منٹ کے بعد پانی گرم کر کے منہ دھوئیں تو چہرے کی جھریاں دور ہو جائیں گی اور چہرے کی دلکشی میں نکھار پیدا ہو جائے گا۔

گندمی رنگت کو سفید کریں

اگر آپ کے چہرے کی رنگت گندمی ہے اور آپ اسے سفید کرنا چاہتے ہیں تو مکئی اور جو کا آٹا ہم وزن لے کر گرم پانی میں بھگو دیں، پھر آدھے لیموں کا رس ملائیں اور لئی سی بنا کر چہرے اور گردن پر ملیں، آدھے گھنٹے کے بعد نیم گرم پانی سے دھوئیں، یہ عمل ہفتے میں دو بار کریں، اس کے علاوہ آرڈینا ایلیج کریم بھی ہفتے میں تین بار ضرور استعمال کریں، اس سے چہرے کی گندمی رنگت نمایاں طور پر سفید ہو جاتی ہے۔

جلد کو صاف اور محفوظ رکھیں

ایسی خواتین جن کی جلد سانولی ہو انہیں چاہیے کہ وہ تھوڑی سی چنے کی دال بھگو کر پیس لیں اور اسے دودھ میں حل کر کے اس کی لئی سی بنا لیں اور چہرے پر ملتی رہیں، پندرہ بیس منٹ روزانہ ملنے کے بعد چہرے کو تازہ پانی سے دھو ڈالیں،

چہرے کی رنگت کچھ عرصہ کے بعد نکھر آئے گی۔ تربوز کے پانی سے چہرہ دھونے سے بھی نکھر آتا ہے۔ جلد کو موسموں کے تغیر و تبدل سے محفوظ رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک تازہ انڈے کو پھینٹ کر اس میں ایک چھٹانک عرق گلاب آدھی چھٹانک گلیسرین اور دو قطرے ٹنکچر بنزائن آدھا چمچ جو کا عمدہ میدہ اور ایک سنگترے کا رس ملائیں، سب چیزوں کو خوب حل کر کے کسی صاف ستھری بوتل میں بند کر لیں اور شام کے وقت اس کا ایک چمچ پانی میں ملا کر چہرے پر لگائیں، چند منٹ بعد چہرہ صاف کر لیں، اس سے جلد بہت حد تک محفوظ رہتی ہے۔

بالوں کو لمبا کرنا

لمبے بال خوبصورتی کی علامت سمجھے جاتے ہیں اور ہر عورت کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے بال لمبے ہوں۔ بال لمبے کرنے کا ایک بہترین دیسی نسخہ یہ ہے کہ بیری کے پتوں کی جھاگ ہفتے میں دو بار استعمال کی جائے۔ اس سے بال لمبے ہو جاتے ہیں یا ناریل کے تیل میں لیموں کا عرق ملا کر دن میں تین چار مرتبہ مساج کریں یا نیم کے پتوں کو اچھی طرح سے ابال کر اس کے پانی سے سر دھوئیں۔ چائے کے بنانے کے بعد اس کی پتی کو نہ پھینکیں بلکہ اس میں اور پانی ڈال کر جوش دے لیں اور پھر اُسی کے پانی سے سر دھوئیں تو بال لمبے اور چمکدار ہوں گے۔ ایک دوسرا نسخہ یہ ہے کہ آملہ ایک پاؤ سیکا کائی ایک پاؤ اور ریٹھا ایک پاؤ لے کر سب کو الگ الگ پیس لیں، جب بھی بال دھونے کے لیے بیٹھیں تو ایک کلو پانی میں تینوں سفوفوں کا ایک ایک بڑا چمچ ڈال کر ابال لیں۔ جب پانی آدھے کے قریب خشک ہو جائے تو بچے ہوئے پانی سے دھو لیں۔ کچھ دیر کے بعد صاف پانی لے کر اس سے بالوں کو دھو لیں۔ اس طریقے سے آپ کے بال لمبے ہو جائیں گے جو کہ خوبصورتی کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔

رنگت نکھاریئے

رنگت نکھارنے کے لیے رات کو اصلی شہد اور بالائی دونوں ملا کر چہرے پر لگائیں۔ اس سے دانے کے جو داغ چہرے پر ہوں گے وہ بھی صاف ہو جائیں گے اور رنگت بھی خوب نکھر آئے گی۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کھلانجی کو کچے دودھ میں باریک پیس کر چہرے پر ملنے سے بھی رنگت نکھر جاتی ہے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ لیموں کا رس ایک تولہ، روغن زیتون دو تولے، روغن بادام ایک تولہ تینوں کے آمیزے کو رات کو سوتے وقت چہرے اور ہاتھوں پر ملیں چند دن میں رنگت نکھر جائے گی اور چہرہ نہایت دلکش معلوم ہوگا۔

............☆☆☆............